آخری صحیفۂ ہدایت قرآن مجید فرقان حمید کے مضامین
ومشمولات کا ایمان افروز خلاصہ

آئینہ مضامینِ قرآن

مولانا محمد فروز قادری چریاکوٹی
والٹر سیسولو یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

رفاعی مشن ناسک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وہ صحیفہ انقلاب ہے جس نے ہدایت کی قندیلیں روشن کیں، درشت مزاج عربوں کے دل مسخر کیے، فکر و عمل کے دھارے بدلے، اور بنی نوعِ انساں کا بختِ خفتہ جگا دیا۔ خلاصۂ مضامین قرآنی پر مشتمل ایک ایمان افروز تحریر

'وہ' زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور 'ہم' خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
{ڈاکٹر اقبال}

آئینۂ مضامینِ قرآن

-: مرتبہ :-

محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بِأبِي أنتَ و أمِّي صَلَّی اللّٰہُ عَلَیکَ أیُّھَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : خلاصۂ مضامین قرآن

موضوع : تعلیماتِ قرآنی کا فروغ - اور - بیداریِ اُمت مسلمہ

تالیف : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی.................

پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

پرنسپل: جامعۃ المصطفیٰ، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

afrozqadri@gmail.com

تحریک : علامہ سید رضوان احمد رفاعی شافعی، بانی: رفاعی مشن، ناسک۔

کتابت : فہمی چریاکوٹی

صفحات : تین سو باون (۳۵۲)

اشاعت : 2014ء - ۱۴۳۵ھ

قیمت : ۱۵۰ ؍روپے

ناشر : رفاعی مشن، ناسک شریف، مہاراسٹر.

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنتَ السَّمِیْعُ العَلِیْمُ o

اپنے خالق و مالک پروردگار ﷻ کے نام

جس نے آخری صحیفہ آسمانی 'قرآنِ مجید' کو نازل فرمایا۔

حضرت جبرئیل اَمین علیہ السلام کے نام

جنھوں نے اس نوشتۂ ہدایت کو قلب مصطفےٰ ﷺ پر اُتارا۔

معلم کائنات محسن اِنسانیت ﷺ کے نام

جنھوں نے کل بنی نوعِ انساں تک اسے پہنچانے کا اِعزاز حاصل کیا۔

-: کمترین خلائق :-

محمد افروز قادری چریاکوٹی

-: فہرست مضامین :-

قرآن کی بابت دو باتیں	006
کتاب خواں حضرات کے لیے ہدایات	012
خلاصۂ سورۂ فاتحہ	013
پہلا پارہ	020
دوسرا پارہ	033
تیسرا پارہ	044
چوتھا پارہ	057
پانچواں پارہ	069
چھٹواں پارہ	081
ساتواں پارہ	092
آٹھواں پارہ	103
نواں پارہ	112
دسواں پارہ	122
گیارہواں پارہ	133
بارہواں پارہ	143
تیرہواں پارہ	154
چودھواں پارہ	164
پندرہواں پارہ	173
سولہواں پارہ	185
سترہواں پارہ	196
اٹھارہواں پارہ	205
انیسواں پارہ	216

بیسواں پارہ	225
اکیسواں پارہ	235
بائیسواں پارہ	246
تیئسواں پارہ	256
چوبیسواں پارہ	266
پچیسواں پارہ	274
چھبیسواں پارہ	284
ستائیسواں پارہ	295
اٹھائیسواں پارہ	307
انتیسواں پارہ	317
تیسواں (آخری) پارہ	329
مناجات در بارگاہِ مجیب الدعوات	350

نــوٹ : ابھی جلد ہی ممبئی اوراس کے اَطراف کی سنی مساجد میں بدعقیدوں کی طرف سے خلاصۂ مضامین قرآن پر مشتمل ایک چندورقی کتابچے کی تقسیم عام ہوئی۔ کچھ نوجوانانِ اہلسنّت کو ناگواری ہوئی کہ ہماری مسجدوں میں غیروں کا لٹریچر کیسے پڑھا جائے گا، وہ بھی ماہِ رمضان کی مقدس ساعتوں میں۔ چنانچہ ان کی پُر اصرار تحریک وفرمائش پر دیکھئے جماعت کے نامور جواں سال عالم ربانی اَدیب شہیر مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی -حفظہ اللہ ورعاہ- ایک ماہ کے قلیل ترین عرصے میں یہ دلچسپ اور پُر مغز خلاصۂ مضامین قرآن تیار کر کے پوری جماعت کے کندھے سے ایک بڑا بوجھ اُتارنے کی سعادت سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ آپ کی خدمت میں یہ خلاصہ اس اُمید پر پیش کیا جا رہا ہے کہ اس سے آپ رمضان اور غیر رمضان میں خود بھی مستفید ہوں گے اور اَطراف کی مساجد میں تراویح کے بعد اس کا خلاصہ سنا کر عوام اہلسنّت کو بھی بیش از بیش فائدہ پہنچانے میں اپنا مؤمنانہ کردار اَدا کریں گے۔ خداوند قدوس اس عمل خیر میں ہم سب کا حامی وناصر ہو اور دارین کی سعادت ہمارا مقسوم فرمادے۔ سید رضوان احمد رفاعی، ناسک

قرآن کی بابت دو باتیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گنت کمالات اور بے شمار معجزات سے نوازا؛ لیکن ان میں سے قرآن کریم سب سے زیادہ کامل، جامع اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ اس میں ایسی جاذبیت، کشش اور تاثیر ہے جس نے عربوں کے مشام جاں معطر کردیے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے فصحاے عرب نے اپنے عجز و بے زبانی کا اِعتراف کرلیا، اور بالآخر قرآنی اِعجاز کے سامنے وہ سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہوگئے۔

لبید زمانۂ جاہلیت کا نامور اور بہت بڑا شاعر ہوا ہے۔ اِسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے شعرگوئی ترک کردی۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ شعروسخن جس کی گھٹی میں پڑا ہو وہ اس سے باز کیسے آ گیا۔ ان کے اس استعجاب کو دور کرتے ہوئے لبید نے کہا تھا: أ بَعْدَ القُرانِ ؟. کیا نزولِ قرآن کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی ہے؟۔

قرآن کریم نے اپنی حقانیت اور صاحبِ قرآن کی صداقت ثابت کرنے کے لیے انھیں چیلنج دیا کہ اگر تمھیں اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو اس جیسا لا کے دکھاؤ؛ لیکن قدرتِ کلام کا دعویٰ کرنے اور ذہانت وفطانت میں طاق ہونے کے باوجود وہ اس کا جواب نہ لا سکے، اور اپنی ہٹ دھرمی، تعصب اور ضد پر قائم رہے؛ تاہم ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ کلام کسی بشر کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیان کی سحر طرازی سے مبہوت کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ متعدد چیزوں کی پیشکش کی اور دنیاوی مال ومتاع کا لالچ دیا۔

جواب میں آقائے گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ حم سجدہ کی ابتدائی تیرہ آیات تلاوت فرمائیں، جنھیں سن کر وہ اس قدر متاثر ہوا کہ واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: بخدا! آج میرے کانوں نے ایسا مسحور کن کلام سنا ہے جس کی مثل کبھی بھی اپنی زندگی میں نہیں سنا۔ نہ وہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ ہی کہانت۔ خدا کی قسم! اس کلام کا کوئی بہت بڑا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

یوں ہی ایک اور نامور مشرک ولید بن مغیرہ جس کی فصاحت و بلاغت کا جزیرۂ عرب میں بہت چرچا تھا جب ایک بار بزبانِ رسالت تلاوتِ قرآنی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس پر سناٹا طاری ہو گیا اور وہ بے ساختہ پکار اُٹھا:

و اللّٰـه إن له لحلاوة و إن عليه لطلاوة و إن أعلاه لمثمر و إن أسـفله لمغدق و ما يقول هٰذا بشر، إنه ليعلو و لا يعلىٰ عليه و إنه ليحطم ما تحته. (۱)

یعنی خدا کی قسم! اس کلام میں بلا کی مٹھاس وشیرینی ہے۔ اس کا ظاہر تاباں ودرخشاں ہے۔ اس کا بالائی حصہ پھلوں سے لدا، اور زیریں حصہ شاداب ہے۔ کوئی انسان ایسا قول کبھی کہہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمیشہ سر بلند رہے گا، اور اس پر کسی کو بلندی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور جو اس کے مقابلے میں آئے وہ اسے پیس کر رکھ دے گا۔

اس پر مستزاد یہ کہ قرآن کریم وہ صحیفہ حیات ہے جو انسان کو اپنے خالق اور مالک حقیقی کا پتا دیتا ہے۔ مقام انسانیت سے آگاہ کرتا ہے۔ اور معاملاتِ زندگی کو سنوارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، ان کا تعلق چاہے دنیا سے ہو یا آخرت سے۔ حالت امن میں عبادت وریاضت سے ہو یا حالت جنگ میں شجاعت وبہادری سے۔ ان کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت سے۔ تجارت سے ہو یا سیاست سے۔ المختصر وہ ایک عام شہری ہو یا حاکم وقت،

(۱) تفسیر قرطبی: ۱۹/۴۷...... تفسیر بغوی: ۸/۲۶۸...... تفسیر آلوسی: ۲۱/۴۱۴...... تفسیر بیضاوی: ۵/۳۴۲...... الاعتقاد بیہقی: ۱/۲۸۴ حدیث: ۲۵۴...... دلائل النبوۃ اصبہانی: ۲۱۴ حدیث: ۱۸۱۔

قرآن کریم زندگی کے جملہ معاملات میں ہر ایک کی اتنی حسین اور دلکش رہنمائی فرماتا ہے کہ جو بھی اپنی حیاتِ مستعار کو اس کے احکام و ہدایات کے تابع کر لے، ناکامی اس کے قریب دم نہیں مار سکتی!۔

یہ قرآن ہی کا فیضان ہے کہ اس نے عرب کے بدوؤں اور تہذیب وثقافت سے ناآشنا لوگوں کو دنیا کا اِمام بنا دیا۔حقوقِ انسانیت اور آدابِ معاشرت سے ناواقف لوگوں کو ہادی ورہبر بنا دیا۔الغرض! قرآن زندگی کے ہر شعبہ میں کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ ایسا عالمگیر پیغام ہدایت ہے جو رنگ ونسل اور زمان ومکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ ہر زمانہ اور ہر قوم کے اَفراد اس کے یکساں مخاطب ہیں۔جن لوگوں نے اس کی صدا پر لبیک کہا وہ دنیا کے امام بن گئے؛ مگر جو لوگ اس کے دامن میں آنے کے لیے تیار نہ ہوئے، جہالت ان کے نام کا لازمہ اور شناخت بن گئی۔قیامت تک ہر وہ شخص ابوجہل ہے جو قرآن کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے پر آمادہ نہ ہو اور ہر وہ زمانہ زمانۂ جاہلیت ہے جو قرآنی نظام کو اِختیار کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

قرآن کریم کتاب ہدایت بھی ہے اور چراغِ علم ومعرفت بھی۔اس کا اصل مقصد بگڑے ہوئے انسان کو سنوارنا اور اسے باعزت مقام عطا کرنا نیز حرص وہوا کے غبار سے آئینہ دل صاف کر کے اللہ تعالیٰ کے اَنوار وتجلیات کی جلوہ گاہ بنانا ہے؛ تاکہ خود فراموش اِنسان نہ صرف خود شناس بلکہ خدا شناس بھی بن جائے۔

اسی کلام معجز نظام کے ذریعہ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار ومشرکین کے دل ودماغ کا زاویہ بدل ڈالا۔اسی معجزے کی قوت سے درشت مزاج عربوں کے دلوں کو مسخر کیا اور ان میں ہدایت کی قندیلیں فروزاں کیں، اور فکر وعمل کی نئی بنیادیں اُستوار کیں۔اسی قرآن کی بدولت انسانیت کے بختِ خفتہ کو بیدار کیا، ان کے اخلاق وعادات اور طبیعتوں میں توازن قائم کیا۔توحید کا بھولا ہوا سبق اَز بر کروایا اور انسان کو اس کے صحیح مقام سے آگاہی بخشی۔تڑپتی اور سسکتی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا اور تکریم انسانی کا

درس دے کر ہر شخص کو اس کے حقوق عطا فرمائے اور ظلم و بربریت کی مہلک کھائی میں گرنے سے اسے بچالیا۔

یہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور زندۂ جاوید حقیقت اور ناقابل انکار حقیقت کہ قرآن کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھرا اور سدھر کر ساری کائنات کے لیے آیۂ رحمت بن گیا۔

یہ قرآن حکیم آنکھوں میں شرم وحیا کی طراوت، زبان میں حق وصداقت کی حلاوت، عمل میں دیانت وشرافت کی نفاست، معاملات میں معاملہ فہمی کی ظرافت اور فکر میں گہرائی وگیرائی کی وسعت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنکھوں میں شرم وحیا ہو اور پھر بے حیائی وفحاشی جنم لے۔ زبان؛ قولِ حق کی اَمین ہو اور پھر کذب واِفترا پردازی پنپ سکے۔ باہمی معاملات میں ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا اِحساس ہو اور پھر قتل وغارت گری عام ہو جائے؛ سو معلوم ہوا کہ قرآن کریم ہمارا سچا خیر خواہ ہے۔ ہمارے دین و دنیا کا محافظ ہے۔ ہمارے امن وسکون کا اَمین ہے اور یہ ہماری مسرتوں اور خوشیوں کا نوید ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا :

لوگو! یہ کبھی نہ بھولنا کہ قرآن عزت وافتخار کا خزانہ اور تمہارے لیے ایک انمول انعام ہے۔ اس کے مطابق زندگی گزارو، دیکھنا کہیں یہ (کل قیامت کے دن) تمہارے خلاف گواہی نہ دینے لگے۔ جو ایسا کرے گا تو پہلے اسے سر کے بل گرایا جائے گا اور پھر سیدھے جہنم کی آتشِ سوزاں میں جھونک دیا جائے گا۔ اور جو قرآنی ہدایات کی روشنی میں زندگی بسر کرے گا تو جنت الفردوس کی آرام گاہ اس کے نام کردی جائے گی۔ کوشش کرو کہ یہ قرآن (عرصۂ محشر میں) تمہارے لیے شفیع بن کر آئے، اسے اپنے خلاف دشمن بننے کا موقع نہ فراہم کرو؛ کیوں کہ یہ طے ہے کہ قرآن جس کی شفاعت کردے وہ سیدھا جنت میں داخل کردیا

جائے گا، جب کہ اس کی شکایت جہنم رسید ہونے کا سبب بن جائے گی۔ دل کی تختی پر یہ بات رقم کرلو کہ قرآن ذریعہ ہدایت اور روشن ترین علم ہے۔ یہ آخری نوشتہ اِلٰہی ہے جس کی آمد سے اندھی آنکھیں بینا ہوگئیں، بہرے کان شنوا بن گئے اور مقفل دل وا ہوکر جگمگا اُٹھے۔ (کنز العمال)

قرآن کریم کے معجز ہونے کے لیے یہ اَمر کافی ہے کہ چودہ سو سال سے لے کر آج تک کوئی اس کی نظیر اور مثال نہیں لا سکا۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں صرف مواعظ و نصیحتیں بیان کی ہیں۔ زبور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے، اور انجیل میں صرف مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ جب کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو کتاب نازل کی ہے اس میں مواعظ، حمد وثنا، اور تمثیلات کے ساتھ وہ تمام خصوصیات ہیں جو کتب سابقہ میں تھیں اور ان پر مستزاد یہ کہ قرآن مجید میں ایسے اصول واحکام بیان کیے گئے ہیں جو عہد رسالت سے لے کر قیامت تک آنے والی کل نسل انسانی کے نظامِ حیات کے لیے کافی ووافی ہیں۔

لمحہ فکریہ : ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرتناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ اُن برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انھیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں، اور اگر خوانخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہولناکیوں سے غافل کیوں ہیں؟ کیا مکافاتِ عمل کا قانون؛ قدرت کا اَٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا : وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً .

میں نے ایسے ہر موقع پر کوشش کی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے وجدان کو جھنجھوڑوں اور اسے اپنا محاسبہ کرنے کی رغبت دلاؤں؛ تاکہ وہ اپنی جنس عمل کو اِسلام اور قرآن کے مقرر کیے ہوئے ترازو میں تولے اور اسی کی کسوٹی پر پرکھے؛ تاکہ اسے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی یا اِشتباہ نہ رہے، اور اگر اس کا قدم جادۂ حق سے پھسل گیا ہے تو وہ سنبھلنے کی بروقت کوشش کرے۔

اس کام میں جس اِستیعاب کا اِرادہ تھا وہ قلت وقت اور طومارِ کار کے باعث ممکن نہ ہوسکا۔ ایک مختصر سی نوٹس پر یہ کتاب آپ کی خدمت میں اس اُمید پر پیش کردی گئی ہے کہ اس کا مطالعہ کر کے اپنے ظاہر و باطن کو آپ قرآنی ہدایات کے سانچے ڈھالنے کی بھرپور کوشیں فرمائیں گے، خصوصاً رمضان کی مبارک ساعتوں میں اس کی قراءت وسماعت سے خود بھی محظوظ ہوں گے اور ہمیں بھی اپنی دعاہائے نیم شبی میں یاد فرمائیں گے۔

بہت سالوں سے میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال محفوظ تھا کہ کبھی فرصت ملی تو خلاصۂ مضامین قرآنی کے نام سے کچھ کام کیا جائے گا؛ لیکن مشکور ہوں رفیق گرامی قدر علامہ سید رضوان احمد رفاعی کا جنھوں نے میرے مصروف ترین شیڈول میں سے وقت نکلوا ہی لیا۔ اگر ان کی تحریک نہ ہوتی تو خدا معلوم کب تک یہ کام معرضِ وجود میں آتا۔

اس خلاصے کی تیاری میں معروف تفاسیر قرآن مثلاً روح البیان، آلوسی، رازی، ابن کثیر، ضیاء القرآن، نور العرفان، اور تبیان القرآن وغیرہ سے استفادہ کے ساتھ معاصر علما و مشائخ کے خلاصہ ہائے قرآن سے بھی قدرے مدد لی گئی ہے۔ خداوند قدوس ان اساطین اُمت کو بے حساب اَجر وحسنات سے نوازے جنھوں نے کتاب وسنت کی تشریح وتوضیح اور غلبۂ دین حق کی جدوجہد میں اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ فجزاهم الله خيرًا .

قلت وقت کے باعث اس کی پروف ریڈنگ کا بھی مجھے موقع نہیں ملا؛ اس لیے اگر کہیں کچھ سقم نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشن میں اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

خدائے بخشندہ اپنے کلامِ مقدس کی اس حقیر سی خدمت کو اپنے کریمانہ قبول سے نوازے اور قرآن وصاحب قرآن صلوات ربی وسلامہ علیہ کی برکاتِ بے کراں سے ہمیں حصہ وافر عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہِ صفوۃ الانبیاء والمرسلین ﷺ

-: خادم کتاب وسنت :-

محمد افروز قادری چریاکوٹی

۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ......۸رجون ۲۰۱۴ء...... کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

'کتاب خواں حضرات کے لیے ہدایات'

یہ خلاصہ آپ کی زبان میں بڑی محنت کر کے اسی لیے تیار کیا گیا ہے کہ آخری صحیفہ ہدایت قرآن کریم کی تعلیمات و ہدایات سے روشنی حاصل کر کے آپ ایک کامیاب مسلمان کے طور پر خوشگوار زندگی خود بھی جئیں اور دوسروں کو بھی پرسکون زندگی گزارنے کا موقع فراہم کریں۔ ہم میں سے ہر کوئی بخوبی آگاہ ہے کہ قرآن کے ساتھ اُمت مسلمہ کا جو اِعتنا اور تعلق رمضان کی مبارک ساعتوں میں دیکھنے کو ملتا ہے وہ پورا سال دیکھنے میں نہیں آتا، شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اسی ماہ کے اندر یہ کتابِ رحمت نزول پذیر ہوئی ہے، پھر ہر شب تراویح کا روح پرور منظر اس پر مستزاد ہے۔

بس اسی سنہرے موقع سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے اس خلاصے کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ ہر چند کہ تلاوتِ قرآنی کی سماعت وقراءت اپنے اندر بے کراں اَجر وثواب رکھتی ہے؛ لیکن اس کی افادیت واہمیت اس وقت یقیناً بہت بڑھ جائے گی جب اس کے معانی ومفاہیم کی روح سے سامعین باتمکین کے قلب وروح کو متعارف کرا دیا جائے؛ اس لیے کتاب خواں حضرات کے لیے یہاں چند ضروری گزارشات رقم کی جاتی ہیں، اُمید ہے انھیں بروے کار لایا جائے گا :

۱: قبل از رمضان ہی خوبصورت اور دل پذیر انداز میں خلاصۂ تراویح کی تقریب کا دور قریب اِڈورٹائز کریں، اور قرآن فہمی کی غیر معمولی اہمیت ومعنویت بھی واضح کریں؛ تاکہ لوگ تراویح کی طرح اس کی سماعت کے بھی بدل وجاں پہلے ہی سے مشتاق ہوں۔

۲: خلاصہ پڑھنے سے پہلے دو ایک مرتبہ اچھی طرح اس حصے کا مطالعہ فرما لیا کریں۔

۳: عموماً ہندو پاک میں سوا پارہ تراویح کا رواج ہے، تو اگر پڑھے ہوئے حصے کا خلاصہ بیان کرنا ہو تو ہر پارے کے اِختتام پر لکھے ہوئے دعائیہ کلمات کو وہاں تک مؤخر کر دیں۔

۴: اور اگر روزانہ ایک ایک پارہ کا خلاصہ بیان کریں تو میرے خیال سے زیادہ اچھا ہوگا کہ اس طرح اخیر رمضان تک پورے اِنہماک سے لوگ اسے سنتے رہیں گے۔

۵: کوشش فرمائیں کہ قرآن فہمی اور خلاصہ تراویح کے نتیجے میں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آئے اور وہ قرآنی ہدایات کے سانچے میں اپنے معمولاتِ حیات کو پورا پورا ڈھال لیں۔

خلاصہ سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے قرآن کی پہلی سورت ہے؛ جب کہ ترتیب نزولی کے اِعتبار سے پانچویں۔ یہ سورت مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ (زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً) یا دونوں میں نازل ہوئی۔

یہ وہ مختصر مگر حقائق و معانی سے لبریز، دل نشین اور جلیل القدر سورت ہے جس سے اس مقدس آسمانی صحیفے کا آغاز ہوتا ہے جس نے تاریخ اِنسانی کا رُخ موڑ دیا، جس نے فکرو نظر میں انقلاب پیدا کر دیا، اور جس نے قلب وروح کو نئی زندگی بخش دی۔

سورۂ توبہ کے علاوہ قرآن کریم کی ہر سورت کی اِبتدا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے ہوتی ہے، اور حدیث شریف میں ہر اچھے اور مفید کام کو بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنے کی تلقین کی گئی ہے جس سے نہایت لطیف پیرائے میں یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا وجود اللہ کی رحمتوں کا مظہر ہے؛ لہٰذا اِحسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ منعم ومحسن پروردگار کے اِنعامات و اِحسانات سے فائدہ اُٹھاتے وقت اُس کے نام سے اپنی زبان کو تروتازہ رکھا جائے۔

یہ سورۃ بڑی فضیلتوں کی جامع ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ توریت و زبور میں اس کے مثل سورت نہ نازل ہوئی۔ (جامع ترمذی)...... ایک فرشتہ نے آسمان سے نازل ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ایسے نوروں کی بشارت دی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئے: ایک سورۂ فاتحہ، دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ (صحیح مسلم)...... سورۂ فاتحہ

ہر مرض کے لیے شفا ہے (سنن دارمی)۔سورۂ فاتحہ سو مرتبہ پڑھ کر جو دعا مانگے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔(دارمی بحوالہ خزائن العرفان)۔

مفسرین کرام نے اِس سورہ کے بہت سے نام شمار کرائے ہیں؛ لیکن اس کا مشہور نام 'سورۃ الفاتحہ' ہے؛ کیوں کہ مصحف عثمانی کی اِبتدا اس سورت سے ہوئی ہے۔ نیز نماز کی اِبتدا بھی اسی سورت سے ہوتی ہے۔قرآن کریم میں بیان کیے جانے والے مضامین و مقاصد کا خلاصہ اس چھوٹی سی سورت میں ذکر کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔توحید و رسالت، آخرت، اَحکام شریعت اور قرآنی نظام کے وفاداروں کا قابل رشک خاتمہ...... اوراس کے باغیوں کا عبرتناک انجام۔ یہ وہ پانچ مضامین ہیں جنھیں پورے شرح وبسط کے ساتھ قرآن کریم کی باقی ۱۱۳؍سورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور یہی مضامین معجزانہ انداز میں انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ اس سورت میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

مفسرین کرام نے سورۃ الفاتحہ کو قرآن کریم کا 'مقدمہ' یا 'دیباچہ' بھی قرار دیا ہے۔اس کے مضامین کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہر نماز میں اس کی تلاوت کا حکم دیا؛ تاکہ شب و روز میں کم از کم پانچ مرتبہ پورے قرآن کا خلاصہ ہر مسلمان کے ذہن میں تازہ ہوتا رہے۔ نیز سورۃ الکنز، سورۃ الحمد، سورۃ المناجات، سورۃ التفویض، سورۃ السوال، سورۃ الدعاء، سورۃ الصلوٰۃ، کافیہ، وافیہ، شافیہ، سبع مثانی، نور، رقیہ وغیرہ بھی اس کے مشہور ناموں میں سے ہیں۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ 'میں نے سورۂ فاتحہ کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کرلیا ہے، آدھی سورۂ فاتحہ میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لیے ہے؛ چنانچہ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حمدني عبدي یعنی میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أثنىٰ علي عبدي یعنی میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔جب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَجَّدَنِی عبدي یعنی

میرے بندے نے میری عظمت وبزرگی کا اِعتراف کیا۔ اور ایک بار فرمایا: میرے بندے نے (خود) کو میرے سپرد کردیا۔ پھر جب **اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **هٰذا بَينِي و بينَ عَبْدِي** یعنی یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔ پھر جب بندہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** سے آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **هٰذا لعبدي و لعبدي ما سأل** یعنی یہ میرے بندے کے لیے ہے، اور میرے بندے نے جو مانگا ہے میں نے اُسے عطا کردیا ہے۔(۱)

سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات اور خوبیوں کے اِعتراف کے لیے 'حمد' کا عنوان اختیار کیا گیا، اور تمام کائنات کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کے لیے 'رب العالمین' کی صفت کا بیان ہے؛ کیوں کہ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور وہی اپنی پرورش سے اُن کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان اور جن یہ سب اپنے وجود میں کسی موجد کے اور اپنی بقا میں کسی رب کے محتاج ہیں!۔ اس کائناتِ رنگ وبو میں جو حسن وجمال اور لطف وکمال ہے وہ اسی رب العالمین کا دیا ہوا ہے۔ اور رب وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے اور اس کی زندگی کے ہر مرحلے میں اس کی تمام ضروریات پوری کرنے اور اس کی تربیت کے تمام وسائل مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

لیکن خیال رہے کہ اس 'رب العالمین' نے اس دنیا کو عالم اَسباب بنایا ہے۔ آپ دیکھیں نا کہ ہم جب پانی پیتے ہیں تو ہماری پیاس بجھ جاتی ہے؛ مگر پیاس بجھانے والا کون ہے؟ بلاشبہہ وہ اللہ رب العزت ہے؛ تو پانی کو اللہ نے پیاس بجھانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کوئی ہزار مرتبہ پانی پیے مگر اس کی پیاس نہ بجھے۔ اور اگر رب

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱۰۷......تفسیر قرطبی:۹۴...... روح المعانی:۳ ......تفسیر رازی:۱۷۷......صحیح مسلم:۳/۹۴ حدیث:۹۰۴......سنن ابوداؤد:۳/۱۰۵ حدیث:۸۲۱......سنن ترمذی:۱۱/۱۷۷ حدیث:۳۲۰۹......سنن نسائی:۳/۴۸۴ حدیث:۹۱۷......سنن ابن ماجہ:۱۱/۳۷۲ حدیث:۳۹۱۶۔

العالمین چاہے تو بغیر پانی پیے ہی اس کی پیاس بجھ جائے؛ تو اس نے اس دنیا میں ہر چیز کے لیے ایک وسیلہ، سبب اور ذریعہ بنایا ہے؛ لہٰذا اِسلامی عقیدہ یہی ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیا و اولیا اور ملائکہ یہ اَسباب ہیں، ذرائع ہیں اور وسیلے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں کا محتاج نہیں ہے، وہ چاہے تو ان فرشتوں کے بغیر ہی ساری کائنات کا نظام چلائے؛ لیکن اس کی مشیت اور اس کی مرضی ہے کہ اس نے یہ نظام فرشتوں کے سپرد فرمایا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی یا دینی اُمور میں کبھی اَسباب سے مدد لینا یہ درپردہ رب سے ہی مدد لینا ہے؛ لہٰذا بیمار کا حکیم کے پاس جانا، مظلوم کا حاکم سے فریاد کرنا، اور گنہگار کا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنا اس آیت کے خلاف نہیں۔

روزِ قیامت کا بادشاہ وہی ہے، اور مالی وجسمانی ہر طرح کی عبادت اسی کو زیبا ہے اور اِستعانت خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان اور مشکل کشا وہی ہے؛ باقی آلات وخدام واَحباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے؛ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اولیا وانبیا سے مدد چاہنا شرک ہے، یقیناً ایک باطل عقیدہ ہے؛ کیوں کہ مقربانِ الٰہیہ کی اِمداد اَصلا اِمدادِ الٰہی ہی ہے، یہ کوئی اِستعانت بالغیر نہیں؛ ورنہ پھر اسی قرآن میں: **اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ ، اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا** اور **اَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ**؛ بھلا کیوں وارد ہوتا، اور احادیث مبارکہ میں اہل اللہ سے اِستعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی!۔

خیال رہے کہ عبادت اور مدد لینے میں فرق یہ ہے کہ مدد تو مجازی طور پر غیر خدا سے بھی حاصل کی جاتی ہے؛ لیکن غیر خدا کی عبادت نہ تو حقیقتاً کی جاسکتی ہے اور نہ حکماً۔ اگر عبادت کی طرح دوسرے سے اِستعانت بھی شرک ہوتی تو یہاں یوں اِرشاد ہوتا: **ایاک نعبد**

ونستعین ؛ مگر چوں کہ یہاں عبادت ومدد کو الگ الگ بیان کرنا مقصود تھا؛ اس لیے لفظ 'ایاک' دوبارلا کراس کے درمیان تمیز فرمادی۔(۱)

چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت طلب کرنے کا ذکر فرمایا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی تمام نعمتوں میں سب سے اعلیٰ نعمت سیدھے راستے کی ہدایت ہے کہ ہر رکعت میں اس کی دعا کرائی گئی ہے، اور یہی ہدایت سورۂ فاتحہ کا مرکزی نقطہ ہے۔ ہدایت ہے کیا؟۔ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی کے مطابق سرانجام دینے کا سلیقہ 'ہدایت' کہلاتا ہے۔ اور ہدایت انسان کو اپنی کوشش سے نہیں ملا کرتی، بلکہ رب کے فضل و کرم سے ملتی ہے؛ اس لیے بندہ اپنے پروردگار سے صراطِ مستقیم یعنی سیدھے راہ کی ہدایت کی بھیک مانگ رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ سیدھا راستہ ہے کیا؟ تو قربان جائیں قرآن پر کہ اس نے اس کو تشنہ نہیں چھوڑا، بلکہ 'سیدھے راستہ' کا تعین خود ہی فرمادیا ہے کہ سیدھا راستہ ان لوگوں کا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل و اِنعام ہوا ہے۔ اب پھر ذہن میں سوال اُبھرا کہ آخر اللہ کے وہ اِنعام یافتہ بندے ہیں کون؟، تو قرآن نے اسے بھی واضح کر دیا۔ سورۂ نساء کی آیت ۶۹ میں ارشاد ہوا کہ وہ انعام یافتگان انبیا و صدیقین، اور شہدا و صالحین ہیں۔ اَب آپ خود سوچ لیں کہ کس راہ پر اِن نفوسِ قدسیہ کے نقوشِ پا ہیں۔ حضرت صدیق و فاروق وعثمان وحیدر، صحابہ کرام، اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس جماعت کے پیشوا ہیں؟ اور اولیاے کرام کا سلسلہ اُس وقت سے لے کر آج تک کس جماعت سے ظاہر ہو رہا ہے؟؟۔

ان انعام یافتہ نفوسِ قدسیہ کے راستے پر چلنے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو پورے طور پر اِطاعت الٰہی اور اس کے فیصلے پر راضی رہنے کے لیے تیار کرلے۔ اور ایسا ہوجائے کہ اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کردے تو اس کی اس طرح اطاعت کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ اور اگر خود اس کو ذبح ہونے کا

(۱) خزائن العرفان، نورالعرفان، بحذف و اِضافہ۔

حکم دیا جائے تو اپنے آپ کو حضرت اِسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبح کے لیے تیار پائے۔

اور اگر کسی بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کو کسی سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب علم کے لیے روانہ ہو جائے، اور اپنی بڑائی کو عار نہ بنائے۔ اور اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے خواہ اس راہ میں اس کو آرے سے چیر دیا جائے تو حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام کی طرح قتل ہو جائے اور اُف نہ کرے۔ سخت موذی بیماریوں میں مبتلا کیا جائے تو حضرت اَیوب علیہ السلام کی طرح صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔

اگر قاضی اور حاکم بنے تو عدل و اِنصاف کے سامنے جھکنے میں عار محسوس نہ کرے اور اگر اس کے بیٹے کا کیا ہوا فیصلہ اس کے کیے ہوئے فیصلے کے مقابلے میں صحیح ہو تو قبولِ حق کے راستے میں اَنانیت کو نہ آنے دے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے کیے ہوئے فیصلے کے مقابلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کو راجح قرار دیا تھا۔ اور سلطنت وشاہی ملے تو حکومت کے رعب و دبدبہ میں اللہ کی یاد، عبادت و ریاضت اور شب بیداری کو نہ بھولے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظیم الشان حکومت ملنے کے باوجود اِطاعت الٰہی سے غافل نہ تھے، اور رکوع و سجود میں راتیں گزارتے تھے۔ اور اگر قضائے الٰہی سے کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو شکوہ و شکایت نہ کرے بلکہ اپنے قصورِ نفس کا اِعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتے رہے۔

اگر نوجوان حسین و جمیل بیٹا گم ہو جائے تو حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح صبر جمیل کا پیکر بنا رہے اور اگر کوئی بااختیار و اِقتدار حسین و جمیل عورت کسی مردِ جواں سال کو گناہ کی دعوت دے تو قید خانے میں جانا منظور کر لے؛ مگر گناہ سے دامن بچائے رکھے، اور جب قید خانہ میں جائے تو وہاں بھی دعوت و اِرشاد کو نہ

بھولے اور وہاں کے قیدیوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی دعوت دے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اُسوہ اور نمونہ ہے اور ان کا راستہ ہے۔

یہ سابق انعام یافتہ لوگوں کی سیرتوں کا اِجمالی بیان ہے اور سب سے زیادہ انعام حضرت سید المرسلین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گیا ہے اور ان کی سیرت تمام انبیاے سابقین کی سیرتوں کی جامع، کامل اور مکمل ہے اور یہ سارا قرآن انھی کی سیرت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل آپ کی احادیث اور سنت میں ہے؛ اس لیے قرآن اور سنت ہی دراصل صراط مستقیم ہے، اس لیے جو شخص انعام یافتہ نفوسِ قدسیہ کے صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتا ہو تو وہ قرآن وسنت کو دانتوں سے پکڑ لے اور ان پر پورا پورا عمل کرے۔(۱)

تو یہاں پر دراصل انبیا وصدیقین اور شہدا وصالحین جو اپنے خالق سے وفاداریوں کی بنا پر اِنعامات کے مستحق قرار پاچکے ہیں ان کے راستے پر چلنے کا سوال کیا جارہا ہے۔ اور پھر اس کے بعد قرآنی نظام کے جو باغی ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور اُن کے اِتحادی، ان کے راستوں سے بچنے کی درخواست پیش کی جارہی ہے کہ مولا ہمیں ان کے راستے پر نہ چلا۔ اور پھر آخر میں 'آمین' کہہ کر اس عاجزانہ درخواست کی قبولیت کے لیے نیازمندانہ عریضہ پیش کیا جارہا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ 'امام جب نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت ختم کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں؛ لٰہذا تم بھی آمین کہا کرو؛ کیوں کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں'۔

سورۂ فاتحہ چوں کہ دیباچہ قرآن بلکہ خلاصۂ قرآن ہے؛ اس لیے ہم نے چاہا کہ اسے ذرا تفصیل سے بیان کردیا جائے، تاکہ اس کے مضامین و مفاہیم خوب اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیں۔ آئندہ سیپاروں کے مضامین -ان شاءاللہ- قدرے مختصر ہوں گے۔

(۱) تبیان القرآن: ۲۱۴ تا ۲۱۵۔

پہلا پارہ

سورۂ فاتحہ کی ضروری تفصیلات جاننے کے بعد اب ہم باضابطہ پہلے پارے کے خلاصے کا آغاز کرتے ہیں۔اس کی ابتدا سورۂ بقرہ سے ہوتی ہے۔یہ قرآن کریم کی سب سے طویل سورت ہے جو کہ دو چھیاسی آیات پر مشتمل ہے۔یاد رہے کہ قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں اور ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے رکھ دیے گئے ہیں۔عربی زبان میں 'بقرہ' گائے کو کہتے ہیں۔چونکہ اس سورہ میں بقرہ کا لفظ بھی آیا ہے اور گائے ذبح کرنے کا معروف واقعہ بھی مذکور ہے؛ اس لیے اسے 'سورۃ البقرہ' کہا جاتا ہے۔

یہ سورت بہت سی فضیلتوں کی جامع ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے نکل بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔محدثین کرام نے فرمایا کہ جسے اپنے گھر میں شیطان یا جن وغیرہ کا سایہ محسوس ہو اُسے چاہیے کہ ہفتہ میں دو مرتبہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کرلیا کرے، اس کی برکت سے اس کا گھر پرسکون ہو جائے گا-ان شاء اللہ-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا کہ اے لوگو! سورۂ بقرہ پڑھا کرو؛ کیوں کہ اس کا پڑھنا برکت ہے، اس کا ترک کرنا حسرت ہے اور بدکار لوگ اس کو پڑھنے کی اِستطاعت نہیں رکھتے۔سنن ترمذی میں ہے کہ 'ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے۔

پوری سورت کا لب لباب یہ ہے: عقائد اسلامیہ کی اَساس ایمان بالغیب ہے، اور بن دیکھے اللہ رب العزت کو واحد لاشریک ماننا ہے۔اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے اور تمام آسمانی کتابوں کو ماننا ہے، جزا وسزا کا اِقرار کرنا ہے، اور اعمالِ صالحہ میں ہمہ گیر اور ہمہ جہت عبادت 'نماز' کو قائم کرنا ہے، نیز طبقاتی منافرت کا سد باب کرنے کے لیے اہم

عبادت 'زکوٰۃ' کو اَدا کرنا ہے؛ اس لیے سورۂ بقرہ ایمان بالغیب، اِقامت صلوٰۃ اور اَدائے زکوٰۃ کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔

پھر آگے چل کر اس سورت میں شریعت اِسلامیہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور عبادات اور معاملات کی تفصیل کی گئی ہے اور اقامت صلوٰۃ اور اَدائے زکوٰۃ کے علاوہ تحویل قبلہ، توحید پر دلائل، ماہِ رمضان کے روزوں، بیت اللہ کے حج، جہاد فی سبیل اللہ، والدین اور قرابت داروں کے حقوق، زکوٰۃ وصدقات کے مصارف، یتیموں کی کفالت، عائلی زندگی کے اُصول......اور احکام میں نکاح، طلاق، رضاعت، عدت اور ایلا کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز قسم کھانے کا شرعی حکم، جادو کا حرام ہونا، قتل ناحق کی ممانعت، قاتل پر قصاص کو واجب کرنا، ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے کی ممانعت، شراب، جوئے اور سود کی حرمت، اَیامِ حیض میں عمل اِزدواج کی ممانعت، عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی تحریم کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ کے خلاصۂ دو حصے بیان کیے گئے ہیں: پہلا حصہ آیات ۱ تا ۱۵۲ (رکوع ۱ تا ۱۸) پر مشتمل ہے جس میں خطاب کا رخ سابقہ اُمت مسلمہ بنی اسرائیل کی طرف ہے۔ اور دوسرا حصہ آیات ۱۵۳ تا ۲۸۶ (رکوع ۱۹ تا ۴۰) پر مشتمل ہے جس میں موجودہ اُمت مسلمہ یعنی مسلمانوں سے خطاب ہے۔

قرآن کے اعجاز کو بتلانے اور اس کی مثل لانے سے مخالفین کا عجز ظاہر کرنے کے لیے اس کی ابتدا حروفِ مقطعات سے ہوئی ہے کہ یہی وہ حروف ہیں جنھیں جوڑ کر قرآن بنایا گیا ہے، اگر قرآن واقعی انسانی کاوش ہے تو تم بھی ان حروف کی ترکیب سے قرآن جیسا کلام بنا ڈالو، پورا قرآن نہیں، تو قرآن جیسی کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہی سہی، تمہارے اس کارنامے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ -معاذ اللہ- محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے تمہیں نہ پروپیگنڈا کرنا پڑے گا، نہ مالی وسائل

استعمال کرنے پڑیں گے، نہ جنگ کی آگ میں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو جھونکنا پڑے گا؛ لیکن اس چیلنج کو نہ کل کے منکرین نے قبول کیا اور نہ آج کے منکرین قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ نیز حروفِ مقطعات سے کلامِ الٰہی کا آغاز کرکے دراصل یہ پیغام دیا گیا ہے کہ قرآنی علوم ومعارف سے اِستفادہ کے لیے ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنی جہالت اور کم علمی کا اِعتراف اور علمی پندار کی نفی کرے۔

اس کے بعد قرآن کو شک وشبہہ سے بالاتر کتاب ہونے کا اِعزاز بخشنے کے بعد بتایا گیا کہ یہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے کتاب ہدایت ہے؛ لیکن یہ ہدایت ان لوگوں کے کام نہیں آتی جن میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، وہ تو گونگوں اور بہروں کی طرح محروم ہی رہتے ہیں۔

بلاشبہہ قرآنِ حکیم علم اور معلومات کا وسیع خزانہ ہے۔ اس میں سائنس، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، نفسیات، معاشیات، سیاست، معاشرت غرض ہر شعبۂ حیات وکائنات کے بارے میں معلومات ہیں؛ لیکن قرآن حکیم محض معلومات کی کتاب نہیں بلکہ یہ نصابِ ہدایت ہے۔ یہی کتاب راہ نمائی کرتی ہے اس راہ کی طرف جس میں دنیاوی امن وسکون بھی ہے اور اخروی راحت ولذت بھی۔

دوسری آیت ایسے کامیاب بندوں کی پانچ صفات ذکر کی گئی ہیں جنھیں قرآن حکیم سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے یعنی بن دیکھے مانتے ہیں، یعنی وہ ہماری حواس خمسہ کی پہنچ سے دور اور سرحد ادراک سے پرے ہیں۔ گویا مادہ پرستی، عقل پرستی اور ظاہر پرستی کی نفی ہدایت قرآنی کے حصول کے لیے شرطِ اولین ہے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی مسلسل یاد کے لیے نماز قائم کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ دل سے دنیا کی محبت دور کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے

ہیں۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ تعصّبات سے بالا تر ہوکر قرآن کے ساتھ سابقہ آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔اورآخری صفت یہ ہے کہ وہ آخرت کی باز پرس پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔

مکہ کے کفار ومشرکین قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرتے تھےاور یہ کہتے تھے کہ یہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیات بائیس اورتیئس میں ایسے تمام معاندین اورمنکرین کوچیلنج کیا گیا کہ اگرتمہیں قرآن کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے،اورتمہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز ہے،توتم سب مل کراس جیسا کلام بنا کرلے آؤ؛مگر تاریخ میں ہمیں ایسا کوئی حوالہ نہیں ملتا کہ قرآن حکیم کے اِس چیلنج کوکسی دور میں قبول کیا گیا ہو۔چنانچہ قرآن نے فیصلہ کن انداز میں اعلان فرمادیا کہ تم یہ کام نہ آج کرسکے ہواور نہ صبح قیامت تک کرسکو گے۔

اِبتدائی بیس آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تین قسمیں بیان کی ہیں: مومن،کافر، منافق۔ اہل ایمان کی نمایاں صفات پانچ ہیں اور یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو اپنی زندگیوں میں انقلابی تبدیلیاں لانے کے لیے اپنے مالی وجسمانی اعمال کوقرآنی نظام کے تابع لانے کے لیے ہمہ وقت تیاررہتے ہیں۔یہ لوگ قرآن اوراس سے پہلی آسمانی کتابوں پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کافر ہیں وہ اپنی زندگی کی اصلاح اوراس میں قرآنی نظام کے مطابق تبدیلی کے لیے بالکل تیارنہیں ہیں۔تیسری قسم ان خطرناک لوگوں کی ہے جو دلی طور پرقرآنی نظام کے منکر ہیں؛مگران کی زبانیں ان کے مفادات کے گرد گھومتی ہیں۔قرآن کریم کوماننے میں اگرکوئی مفاد ہے تو اسے تسلیم کرنے میں دیرنہیں لگاتے اوراگراس سے مفادات پر چوٹ پڑتی ہےتواس کااِنکارکرنے میں بھی دیرنہیں لگاتے،ان کے دل وزبان میں مطابقت نہیں ہے، اسے منافقت کہتے ہیں۔ منافقت کے ذریعہ

انسانوں کو تو دھوکہ دیا جاسکتا ہے مگر دلوں کے بھید جاننے والے اللہ رب العزت کو دھوکہ دینا کبھی ممکن نہیں ہے۔

یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا تذکرہ چار آیات میں، کفار کا دو آیات اور منافقوں کا تیرہ آیات میں فرمایا ہے۔ ان تیرہ آیات میں منافقوں کے مندرجہ ذیل بارہ غلیظ اوصاف بیان ہوئے ہیں: جھوٹ، دھوکہ، عدم شعور، قلبی بیماریاں (حسد، تکبر اور حرص وغیرہ) مکر وفریب، سفاہت، احکام الٰہی کا مذاق، زمین میں فتنہ وفساد، جہالت، ضلالت، تذبذب، اور اہل ایمان کا تمسخر۔

اب مسلمانوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ان مذکورہ منافقانہ بیماریوں میں سے کوئی بیماری تو اس کے اندر نہیں پا جاتی!۔

اکیسویں آیت کے بعد عالم اِنسانیت سے اولین خطاب کیا گیا اور ایک وحدہٗ لاشریک رب کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ پھر توحید باری تعالیٰ پر کائناتی شواہد کو بطورِ دلیل پیش کیا گیا ہے جس میں انسان کو عدم سے وجود بخشنا اور اس کی زندگی کی گزر بسر کے لیے آسمان وزمین کی تخلیق اور بارش اور سبزیوں اور پھلوں کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ آیت نمبر۲۳ تا ۲۴ میں قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی عقلی دلیل دی گئی ہے کہ اگر تم اسے بشر کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی بشر ہو ایسا کلام بنا کر دکھا دو؛ ورنہ جہنم کا ایندھن بننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اس کے بعد قرآنی نظام کے منکرین کے لیے جہنم کے بدترین عقوبت خانہ کی سزا اور اس کے ماننے والوں کے لیے جنت کی بہترین نعمتوں اور پھلوں کے انعام کا تذکرہ ہے۔ قرآن؛ کتاب ہدایت ہے انسانی ہدایت ورہنمائی کے لیے کوئی بھی اسلوبِ بیان اپنا سکتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے مکھی یا مچھر یا کسی دوسرے چھوٹے یا بڑے جانور کی مثال دے سکتا ہے، مسئلہ مثال کا نہیں بلکہ اس سے حاصل ہونے والے مقصد کا ہے۔

اس کے بعد کی آیات فلسفہ قرآنی کو پیش کر رہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور کائنات کے بارے میں ذہن انسانی میں پیدا ہونے والے ان سوالات کا جواب دیا ہے جن سے فلسفہ بحث کرتا ہے۔ انسان کی تخلیق کے حوالے سے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہر انسان کی روح پیدا کی، پھر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ پھر زندہ کر کے جسم کے ساتھ دنیا میں بھیجا۔ پھر وہ اسے دوبارہ موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں جواب دہی کے لیے حاضر کرے گا۔ اسی طرح یہ کائنات بھی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، پھر اسے انسان کے لیے مسخر کر دیا تاکہ وہ اس سے استفادہ حاصل کر سکے۔

آیت نمبر ۳۰ تا ۳۹ میں ہے کہ فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ میں آدم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔ فرشتوں نے اپنی فہم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کیا کہ بنی آدم زمین میں فساد کریں گے، خون ریزی کریں گے اور اے اللہ! ہم ہمہ وقت تیری تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں جن اسرار اور حکمتوں کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور پھر نعمتِ علم کے ذریعے آدم علیہ السلام کی فضیلت اور برتری کو فرشتوں پر ثابت کیا۔

ازاں بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں، چنانچہ تمام ملائکہ نے حکمِ ربانی کی بلا چوں و چرا تعمیل کی؛ مگر ابلیس لعین نے آدم علیہ السلام کی فضیلت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس تکبر پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ذلیل و خوار کر کے اپنی رحمت سے دور فرما دیا۔ ابلیس نے اس موقع پر اس عزم کا اِظہار کیا کہ وہ رہتی دنیا تک آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی اولاد کو راہِ ہدایت سے بھٹکانے کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔

یہ قصہ حق و باطل، اور خیر و شر کے درمیان دائمی کشمکش کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس واقعے سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت شان مہر نیم روز کی طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ انھیں خلافت ارضی سے نوازا گیا، ایسے علم سے سرفرازی بخشی گئی جن سے فرشتے

محروم تھے، ملائکہ کو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا، منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے بنو آدم اس امر کے پابند ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کے احکام کا نفاذ کریں اور دنیا کا نظام حسب منشائے الٰہی چلائیں۔

پھر آدم وحوا علیہم السلام کے جنت میں داخل کرنے اور وہاں ان کے لیے اللہ تعالی کی تمام نعمتوں سے استفادے کی اجازت کے ساتھ ساتھ ایک درخت کے قریب نہ جانے کی پابندی کا ذکر ہے۔اسی کے ساتھ ابلیس لعین کے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے، حضرت آدم وحوا علیہم السلام کو بہکانے اور جنت سے نکالے جانے کا بیان ہے۔اور پھر آدم علیہ السلام کو توبہ کے کلمات اِلقا کیے جانے، اور اِن کلمات سے ان کی توبہ نیز توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا قصہ جو ابلیس لعین کے ساتھ پیش آیا، حقیقت میں یہ ساری انسانیت اور اس دنیا کی ابتدا سے انتہا تک کا قصہ ہے۔ یہ قصہ حق و باطل اور خیر وشر کے درمیان دائمی کشمکش کی نشان دہی کرتا ہے۔

یہ قصہ حضرت آدم کی عظمت شان بتاتا ہے، انھیں خلافت ارضی عطا کی گئی، ایسے علم سے نوازا گیا جس سے فرشتوں محروم تھے۔ ملائکہ کو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا۔منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے بنو آدم اس امر کے پابند ہیں کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کریں اور دنیا کا نظام ویسے چلائیں جیسے اللہ جل مجدہ چاہتا ہے۔

اس کے بعد متعدد آیات میں بنی اسرائیل پر کیے گئے انعامات اور ان کو دیے گئے عذاب کا تذکرہ شرح وبسط کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ پہلا پارہ تقریباً پورا ہی انھیں کے ذکر پر مشتمل ہے۔اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا جو حضرت ابراہیم کے پوتے اور حضرت اسحٰق کے بیٹے تھے۔ اسرائیل کے معنی عبداللہ کے ہوتے ہیں، ان کی اولاد بنی

اسرائیل کہلاتی ہے۔ ان میں ہزاروں کے حساب سے انبیاومرسلین تشریف لائے۔ اب ان کے لیے امتحان ہوا کہ وہ پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں جو حضرت ابراہیم ہی کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

واضح رہے کہ بنی اسرائیل دنیا کی ایک منتخب قوم تھی، انبیا کی اولاد تھی، اللہ تعالیٰ نے انھیں اس دور کی سیاسی اور مذہبی قیادت وسیادت سے نوازا ہوا تھا مگر ان کی نااہلی اور اپنے منصب کے منافی حرکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں معزول کرنے کا فیصلہ کرلیا کہ اس منصب کے اہل اور حقیقی وارث اُمت محمدیہ کی شکل میں اس سرزمین پر تیار ہوچکے ہیں۔ تقریباً آدھے سیپارے پر محیط اس قوم کے جرائم اور عاداتِ بد کی ایک طویل فہرست ہے جو چالیس نکات پر مشتمل ہے۔ یہ وہ 'فردِ جرم' ہے جو بنی اسرائیل کے اس منصب عالی سے معزولی کا سبب ہے؛ لہٰذا ہمیں بڑے غور سے انھیں ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کہیں ان میں سے کوئی خوے بد ہم میں بھی تو نہیں پائی جاتی!۔

پہلے یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے شمار ظاہری وباطنی، دینی ودنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں مثلاً ان کے اندر کثرت سے انبیا پیدا فرمائے، انھیں دنیوی خوش حالی بخشی، عقیدۂ توحید اور ایمان کی نعمت سے مالا مال کیا، فرعون کے خونیں مظالم سے نجات دی، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے ہجرت کی، فرعون نے ان کا تعاقب کیا تو سمندر میں ان کے لیے راستے بنادیے گئے اور ان پر ظلم وستم ڈھانے والے کو ان کی نظروں کے سامنے اس کے لاؤ لشکر سمیت غرق آب کردیا۔ صحراے سینا میں وہ بے سروسامانی کے عالم میں تھے، ان کے کھانے کے لیے آسمان سے من وسلویٰ اُتارا، سایہ کے لیے ٹھنڈے بادلوں کا انتظام کیا، پینے کے لیے پانی کی تلاش ہوئی تو پتھر سے بارہ شفاف چشمے جاری فرمادیے۔

پھر انھیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لانے

میں سبقت لے جانے کی دعوت دی گئی اور خبردار کیا گیا کہ وہ دنیا کے حقیر مفادات کے عوض اللہ کی آیات کا سودا نہ کریں۔ انھیں ایفاے عہد، اللہ سے ڈرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کی گئی۔ حق و باطل کی آمیزش، حق کو چھپانے اور قول و فعل کے تضاد سے منع کیا گیا ہے۔ احکاماتِ خداوندی پر چلنے کے لیے نماز اور استقامت سے اللہ کی مدد حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

مگر بنی اسرائیل ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے قاصر رہے، اور زمین پر فساد پھیلانے سے باز نہ آئے، اور اللہ کی عظیم الشان نعمتوں کے مقابلہ میں لہسن پیاز اور دال روٹی کا مطالبہ کر کے ذہنی پستی اور دیوالیہ پن کا مظاہرہ کیا۔ نیز اللہ کے احکام کا کفر کرنے اور انبیا علیہم السلام (اپنے مذہبی پیشواؤں) کو قتل کرنے کے عظیم جرم کے مرتکب ہوئے جس پر انھیں ذلت و رسوائی اور غضب خداوندی کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآنی ضابطہ ہے کہ اللہ کے نزدیک کامیابی قومی یا مذہبی تعصب کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر ملتی ہے، خوف اور غم سے نجات حاصل ہوتی ہے، ان کے سروں پر پہاڑ بلند کر کے تجدید عہد کرایا گیا مگر انھوں نے اس کی پاس داری نہ کی۔ دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کے لیے ہفتہ کے دن کی چھٹی دی گئی مگر اس کی پابندی نہ کرنے پر عبرت ناک انجام کے مستحق ٹھہرے اور ان کی شکلیں بگاڑ کر انھیں ذلیل و قابل نفرت بندر بنا دیا گیا۔

بنی اسرائیل کے ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجے نے مالِ وراثت ہتھیانے کی غرض سے قتل کر دیا، پھر رات کی تاریکی میں نعش اُٹھا کر کسی دوسرے کے دروازے پر ڈال دی اور اس پر قتل کا دعویٰ کر دیا، قریب تھا کہ مدعی اور مدعی علیہ کے خاندان ایک دوسرے پر ہتھیار اُٹھا لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ انھیں گائے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کا کچھ حصہ اس مقتول کے جسم کے ساتھ لگانے کا حکم دیا، بڑی پس و پیش کے بعد یہ

لوگ ذبح پر آمادہ ہوئے۔ خیر! ایسا کرنے سے مقتول زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھا اور اس نے اپنے قاتل کی نشان دہی کر دی۔ اس طرح اصل مجرم گرفت میں آ گیا اور سزا کا مستحق قرار پایا اور کسی بے گناہ کی ناجائز خوں ریزی سے وہ لوگ بچ گئے۔

اتفاق سے انہی دنوں بنی اسرائیل کا ایک گروہ مرنے کے بعد کی زندگی کا انکار بھی کر رہا تھا، مقتول کے زندہ ہونے سے نہ صرف یہ کہ قاتل کی نشان دہی ہوگئی بلکہ بعث بعد الموت پر ایک حجت بھی قائم ہوگئی۔ علاوہ بریں مصریوں کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے دل میں گائے کی جو عقیدت و محبت رچ بس گئی تھی، گائے ذبح کرنے کا حکم دے کر اس کی تردید اور توہین بھی کر دی گئی۔

عقل و دانش کے نام پر کلام الٰہی میں تحریف اور ردّ و بدل کی بدترین عادت کے مریض تھے۔ اپنے مفادات اور دنیا کی عارضی منفعت کے لیے اللہ کی آیتوں کو بیچ ڈالتے تھے اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ہم جو چاہیں کریں ہمیں آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہوگا اور ہم جہنم میں نہیں جائیں گے۔ قرآن کریم نے ضابطہ بیان کر دیا کہ جو بھی جرائم اور گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ جہنم سے بچ نہیں سکے گا اور ایمان و اعمال صالحہ والے ہی جنتوں کے حقدار ہوں گے۔

اگلی آیات میں بنی اسرائیل کو اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو جانچنے کا ایک معیار دیا گیا، فرمایا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب ہو اور آخرت میں تمہیں اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا تو موت کی تمنا کرو کہ جلد از جلد اپنے محبوبِ یعنی خالق حقیقی سے جا ملو۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل اپنے سیاہ کرتوت کی وجہ سے کبھی بھی موت کی خواہش نہ کریں گے۔ آج ہمیں بھی اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اپنے اعمال کی بنیاد پر ہم اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور جواب دہی کے لیے تیار ہیں!۔

بنی اسرائیل جبریل علیہ السلام کے مخالف تھے کہ وہ عذاب اور سزا کے احکام لے

کر کیوں آتے ہیں؟ وہ لوگ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ جبریل تو ایک قاصد اور نمائندہ ہے۔ جزا یا سزا کے احکام اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے۔ کسی کے نمائندہ کی مخالفت دراصل اس کی مخالفت شمار ہوتی ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جبریل تو میرے حکم سے قرآن کریم نازل کر رہے ہیں؛ لہٰذا جبرئیل کی دشمنی درحقیقت اللہ، اس کے رسول اور تمام فرشتوں کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے۔

یہودیوں کی عادات بد میں جادوگروں کی اطاعت اور ان کی اتباع بھی تھی۔ اس کی مذمت آیت ۱۰۲ میں کی گئی ہے۔ آیت نمبر ۱۰۴ میں واضح طور پر ارشاد ہوا کہ اے اہلِ ایمان! (جب تمھیں نبی کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، تو دوبارہ بیان کے لیے) راعِنا (یعنی ہماری رعایت کیجیے) نہ کہو (کیوں کہ اسے یہود اور منافقین اہانت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں؛ لہٰذا یوں کہو کہ) یارسول اللہ! ہم پر توجہ فرمایئے اور (اس سے بھی زیادہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ہی نبی کی بات کو) خوب توجہ سے سنو۔ یعنی مومنوں کو رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسا ذو معنی کلمہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے جس کو کوئی بدفطرت شخص اشار، کنایہ یا صریح اہانت کے معنی میں استعمال کرسکتا ہو۔

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں ان میں اللہ کی بات کرنے سے روکنا ظلم کی بدترین مثال ہے۔ ایسی حرکت کے مرتکب اَفراد دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں بھی بدترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کے عقیدے کی مذمت آیت ۱۱۶ میں ہے اور اللہ کی قدرت کا بیان ہے۔ یہود و نصاریٰ کے تعصب کی بدترین شکل کو بیان کیا کہ اس وقت تک مسلمانوں سے خوش نہیں ہوں گے جب تک مسلمان اسلام سے دست بردار ہو کر یہودیت یا عیسائیت کو اختیار نہ کریں۔ آسمانی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرنے کی تلقین کے ساتھ بنی اسرائیل پر انعامات کا ایک مرتبہ پھر تذکرہ اور یومِ احتساب کی یاد تازہ کر کے یہودیوں کے بارے میں گفتگو پوری کر دی۔

آیت ۱۲۲ پر پہنچ کر بنی اسرائیل سے کلام کا اختتام ہو رہا ہے۔ ان آیات میں ایک بار پھر انھیں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی یاد دہانی کرائی جارہی ہے اور ایسے چور دروازوں کی نفی کی جارہی ہے جن کے ذریعہ انسان بے عملی کے باوجود اپنے جرائم کی سزا سے محفوظ رہنے کی جھوٹی امید رکھتا ہے۔

اس کے بعد حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات کی داستان بیان کی گئی ہے۔ پھر منصبِ امامت پر فائز کیے جانے، ان کی آزمائش وابتلا اور اس میں کامیابی کی شہادت کے ساتھ ہی حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے بیت اللہ کو تعمیر کرنے کا ذکر ہے نیز اس امر کا بیان بھی کہ تعمیر بیت اللہ کے بعد انہوں نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے ہمارے رب! اِن (اہلِ مکہ) میں، اِنہی میں ایک عظیم رسول کو مبعوث فرما، جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح وتزکیہ کرے۔ اولاد کے حوالے سے انسان کی تمنائیں اس کی دین سے وابستگی کا اظہار ہوتی ہیں۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت عیسیٰ کی بشارت اور حضرت ابراہیم کی دعا کا ثمرہ (نتیجہ) ہوں۔ اس کے بعد اس سورت میں اولادِ ابراہیم حضرت اسماعیل، حضرتِ اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد حضرت موسیٰ وعیسیٰ اور اجمالی طور پر دیگر انبیاے کرام علیہم السلام کا ذکر ہے۔

نیز یہ بھی کہ اہلِ ایمان سب انبیا پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان کے لانے میں رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور یہ بھی کہ حضرات ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی ونصرانی نہیں تھے بلکہ سب کے سب ایک ہی دینِ اسلام کے علمبردار اور داعی تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مآثر ومفاخر بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ملت ابراہیمی سے وہی شخص اعراض کرسکتا ہے جو شقی، احمق اور خواہشات کا غلام ہو، یہود و نصاریٰ واقعی ایسے تھے، وہ حضرت ابراہیم کی طرف اپنی نسبت تو کرتے تھے مگر ان کا زعم باطل یہ تھا کہ نجات حنیفیت کی اتباع میں نہیں ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی اتباع میں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ انھیں حنیفیت یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دیں جو کہ تمام انبیا و مرسلین کا دین ہے، اگر وہ آپ کی دعوت قبول کرلیں تو ہدایت پا جائیں گے اور اگر قبول نہ کریں تو ان کا انکار اور گمراہی کسی دلیل کی بنا پر نہیں ہوگی بلکہ محض ضد اور عناد کی بنا پر ہوگی تو آپ انھیں عناد کی گندگی میں پڑا رہنے دیں، اللہ ان سے نمٹ لے گا۔

پھر اس پیغام پر پہلا پارہ ختم ہوجاتا ہے کہ 'گزشتہ اُمتوں کے لوگوں کا کرا دھرا اُن کے ساتھ ہوگا اور جو تم کماؤ گے وہ تمہارے لیے ہوگا، اور تم سے ان کے اعمال کی نسبت نہیں پوچھا جائے'۔ گویا آخرت میں نجات کے لیے نیک لوگوں سے نسلی تعلق نہیں بلکہ اپنا عمل کام آئے گا۔ یہودی یا عیسائی ہونے سے ہدایت نہیں ملے گی بلکہ ہدایت کا راستہ یہ ہے کہ ملت ابراہیم کی پیروی کی جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ کے نزدیک اسی کا ایمان قابل قبول ہے جو تمام انبیا پر ایمان لائے۔ کسی ایک نبی کا انکار بھی انسان کو کافر بنا دیا کرتا ہے؛ لہٰذا ہر کوئی اپنی قبر کو روشن کرنے کی فکر کرے کہ اس کے اپنے اچھے اعمال ہی اس کی لحد کو فروزاں رکھیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں پہلے پارے میں بیان کردہ واقعات کو سمجھنے، مومنین کی صفاتِ محمودہ سے متصف ہونے اور منافقانہ خصلتوں سے باز آنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یارب العالمین بجاہ صفوۃ الانبیاء والمرسلین

دوسرا پارہ

دوسرے پارے کی اِبتدا تحویل قبلہ کے تعلق سے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۲ سے ہوتی ہے۔ مسجد حرام میں خانۂ کعبہ ہے جس سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مہاجر صحابہ کو شدید محبت تھی، اس سے قبل بیت المقدس کو قبلہ کی حیثیت حاصل تھی، مدینہ ہجرت کے بعد مہاجر صحابہ کے لیے بڑی آزمایش تھی کہ آیا وہ کعبہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں یا نبی کریم علیہ السلام کی اتباع کو ترجیح دیتے کر بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں۔ صحابہ کرام جب اس آزمایش میں کامیاب ہوگئے تو تاجدارِ کائنات علیہ السلام کی بار بار دعا اور آسمان کی طرف رخِ انور کرنے کے نتیجے میں اللہ نے مسجد حرام کو قبلہ بنانے کا حکم دیا۔

اس تحویل قبلہ کے بعد یہودی مسلمانوں پر طنز وطعنہ کے تیر پھینکنے لگے، جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ تحویل قبلہ کے حکم خداوندی پر ناسمجھ اور بیوقوف لوگ اعتراض کریں گے کہ مسلمان بیت المقدس کو چھوڑ کر بیت اللہ کا رخ کیوں کرنے لگے؟ تو اس کا جواب دیا کہ تمام جہات مشرق ومغرب اللہ ہی کی ہیں وہ جس طرف چاہے اپنے بندوں کو رخ کرنے کا حکم دے۔ کسی بندے کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ اہمیت کسی سمت کی نہیں اللہ کے حکم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرماں برداروں اور نافرمانوں میں تمیز کے لیے تحویل قبلہ کا حکم دیا ہے کہ فرماں بردار فوراً اسے مان لیں گے اور نافرمان ماننے کی بجائے اعتراضات پر اُتر آئیں گے اور اس طرح مخلص مسلمان اور کافر ومنافق کھل کر سامنے آجائیں گے۔

ان آیات کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن ادب بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شدتِ اشتیاق اور انتظارِ وحی میں بار بار آسمان کی

طرف اپنی مبارک نگاہیں اُٹھاتے تو تھے، مگر تحویل قبلہ کا سوال لب پر نہیں لاتے تھے کہ نہ معلوم مرضیِ مولا کیا ہے۔شاید اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دینے کے فوراً بعد اہل ایمان پر اس نعمت عظمیٰ کا ذکر فرمایا ہے جو انھیں سراجِ منیر اور بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں عطا ہوئی۔تو مستقل قبلہ کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے اور ہدایت و تعلیم کے لیے اس عظیم الشان ختمی المرتبت رسول کی بعثت بھی بے مثال فضل و اِنعام ہے۔

تحویل قبلہ کی آیات کو علمائے کرام نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس سے کم و بیش سولہ قواعد اخذ کیے ہیں۔نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام محض چند ایسی مذہبی رسوم کا نام نہیں جو عبادت خانوں اور خانقاہوں میں ادا کیا جاتا ہے بلکہ اس دین کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہے، یہ ہر جگہ انسان کے ساتھ رہتا ہے گھر میں بھی اور بازار میں بھی، مسجد میں بھی اور مدرسہ میں بھی، سیاست و حکومت میں بھی اور تجارت و معاشرت میں بھی۔یہ مسلمانوں کی ہر جگہ نگرانی کرتا ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر قدم اسے دیکھ کر اُٹھائے۔

تحویل قبلہ کی بحث کے دوران اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی کہ ہر انسان کا ایک معنوی قبلہ بھی ہوتا ہے جس کو وہ اپنا مطلوب و مقصود بنالیتا ہے۔اب اس کے حصول کی خاطر وہ محنت و مشقت کرتا ہے۔اہل ایمان کے لیے مقابلہ کا اصل میدان نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا ہے۔ایک روز اُن سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں نتیجے کا اعلان ہوگا کہ کون آگے نکلا اور کون پیچھے رہ گیا۔

آیت ۱۵۱ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اس مشہور دعا کی قبولیت کا اعلان ہے۔جس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے کوئی ڈھائی ہزار سال بعد دعا کی قبولیت کا اثر دکھایا اور سرورِ کائنات علیہ السلام کو ان کی نسل سے مبعوث فرمایا جن کا منصب یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی آیات سناسنا کر متوجہ کرتے

ہیں، جو متوجہ ہوں ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔

یعنی ان کے دل سے دنیا کی محبت نکال کر اللہ کی محبت اور آخرت کی فکر داخل کرتے ہیں، انھیں اللہ کے احکامات سکھاتے ہیں، حکمت و دانائی کی تعلیم دیتے ہیں اور انھیں وہ کچھ سکھاتے ہیں جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہ تھا دراصل معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ اَساسی طریق کار جس کے ذریعہ آپ نے ایسی انسانیت سازی فرمائی اور وہ افرادی قوت فراہم کی جس نے مال و جان کی بازیاں لگا کر اِقامت دین کی جملہ راہوں کو ہموار کر دیا۔

پچھلی اُمتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فقط اپنی نعمتوں کے یاد کرنے کا حکم دیا، اور وعدہ یہ فرمایا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکریہ اَدا کرتے رہو گے تو میں اس کو اور زیادہ کرتا رہوں گا؛ مگر اِس اُمت محمدیہ پر پروردگارِ عالم کا کیسا بے پایاں کرم ہے کہ وہ فرماتا ہے: اگر تم میرا ذکر کرو گے تو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ گویا ذکر الٰہی مومن کی زندگی میں بڑا بیش قیمت وظیفہ ہے۔

حضرت ابو ماجد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں صوفیہ سے بہت محبت رکھتا تھا، اور میرے دل میں ان کے لیے بہت عقیدت واحترام تھا۔ ایک دن میں ان کے پیچھے پیچھے ایک عالم کی مجلس میں پہنچا تو میں نے اس مجلس میں ایک نوجوان کو دیکھا جس کی زیارت کرنے کے لیے لوگ بے تاب تھے۔

اس نوجوان کی عادت یہ تھی کہ جب وہ 'اللہ اللہ' کی صدائیں سنتا تو اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھتا تھا۔ عین عالم شباب میں اسے اس طرح روتے تڑپتا دیکھ کر مجھے از حد تعجب ہوا۔ میں نے ایک بزرگ سے اس نوجوان کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ توبہ کے بعد اسی طرح اشک باری کرتا اور نوافل کی اَدائیگی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس کا دل بہت ہی نرم و گداز ہے، محبت الٰہی کی کوئی بات سننے کے بعد وارفتہ و بیخود ہو جاتا ہے۔ اسی اثنا میں کسی قاری نے یہ آیت تلاوت کی :

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ o تو تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا۔

اس آیت کریمہ کو سننے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے میرے پروردگار! وہ ذلیل و رُسوا ہوگیا جس کے دل میں تیری یاد کے علاوہ کچھ اور بھی سمایا ہوا ہے۔ اے دلوں کے تسکین! اس بھری کائنات میں تیرے سوا ہے کون جسے یاد کیا جائے!۔ (بحرالدموع ابن الجوزی مترجم:۲۳)

آیت ۱۵۳ تا ۱۵۷ میں اہل ایمان سے خطاب کی ابتدا ہوتی ہے، اور انھیں بتایا جارہا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد اب امتحان و آزمائش کی نئی صورتیں سامنے آئیں گی۔ اب تم پر جنگی فرائض عائد کیے جائیں گے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مارے جائیں گے وہ مردہ نہیں بلکہ ایسی شاندار زندگی پالیتے ہیں جس کا شعور اِس دنیا میں ممکن نہیں۔

دین پر عمل صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ اس کی تبلیغ اور غلبہ اسلام کی جدوجہد بھی کرنی ہوگی۔ اس جدوجہد کے دوران آزمائشیں آکر رہیں گی، اور مال و جان کی قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی۔ تو بشارت ان خوش نصیبوں کے لیے جو ہر طرح کی آزمائشوں کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر دراصل اللہ کی عنایات و نوازشات ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ حج وعمرہ کے موقع پر کیے جانے والے اعمال خصوصاً صفاومروہ کی سعی اسلامی شعائر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دلائل اور ہدایت کے واضح احکام کو چھپانے والے لعنت خداوندی کے مستحق ہیں لیکن توبہ تائب ہوکر اپنا رویہ درست کر کے احکام خداوندی کو بیان کرنے لگیں تو وہ لعنت سے بری ہوسکتے ہیں۔

معبودِ حقیقی ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی رحمت تمام مخلوقات کے لیے عام ہے اور اہل ایمان کے لیے اس کی رحمت تام ہے۔ آسمان وزمین

کی تخلیق، دن رات کی ترتیب اور انسانی نفع کے لیے پانی میں چلنے والی کشتیاں، بادل، بارش، زمین سے نکلنے والے پھل اور سبزیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقلی دلائل ہیں۔ اللہ کے مقابلہ میں معبودانِ باطل کے ماننے والے قیامت کے دن پچھتائیں گے اور ایک دوسرے سے براءت کا اظہار کریں گے مگر جہنم سے کسی طرح بھی بچ نہیں سکیں گے۔

آیت ۱۷۲ تا ۱۷۳ میں حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ پاک نعمتوں کو کھاؤ اور اس کا شکر اَدا کرو۔ پھر چار قطعی حرام چیزوں کا بیان ہوا، جو یہ ہیں: مردار (اس سے وہ حلال جانور مراد ہے جو طبعی موت مر گیا ہو)، ذبح کے وقت بہنے والا خون، خنزیز کا گوشت اور وہ حلال جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، نیز اس ضابطہ کا بیان بھی ہے کہ جان بچانے کے لیے ضرورت کے وقت حرام کا استعمال بھی گناہ نہیں ہے۔

اگلی آیات میں ان علما پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا بیان ہے جو اللہ کی کتاب کی تعلیمات کو چھپاتے ہیں اور تھوڑی سی قیمت کے عوض لوگوں کی خواہشات کے مطابق فتوے دے دیتے ہیں۔ ایسے لوگ فتویٰ فروشی کے ذریعہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ روز قیامت اللہ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان کے گناہوں کی سزا دے کر انھیں جہنم سے نکالے گا۔ یہ وہ بدنصیب ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لیا اور بخشش کے بدلے عذاب کو پسند کر لیا۔

پھر اس کے بعد نیکی اور اس کی مختلف اقسام کی فہرست بیان کی گئی ہے۔ نیکی دراصل ایمانی بنیادوں پر سرانجام پانے والے اعمال ہیں۔ عزیز واقارب، یتیم و مسکین کے ساتھ مالی تعاون، نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام، ایفاے عہد، مشکلات میں حق پر صبر و ثبات قدمی کا مظاہرہ، سچائی کا التزام کرنے والے ہی متقی کہلا سکتے ہیں۔

قصاص و دیت کے قانون کو بیان کر کے بلا امتیاز اس پر عمل درآمد کی تلقین ہے۔ قصاص حیات انسانی کے تحفظ کا ضامن ہے۔ وصیت کی تلقین کرتے ہوئے کسی پر ظلم

و نا انصافی نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے؛ لیکن سورۂ نسا میں وراثت کے احکامات آنے کے بعد وصیت کرنے کا یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزے فرض ہیں۔ روزے اگر واقعی تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے رکھے جائیں تو انسان میں تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انسانی احساسات کو بھی بیدار کر دیتے ہیں۔ پھر بتایا کہ جس مہینے میں روزے فرض کیے گئے ہیں اسے یہ خصوصیت وفضیلت بھی حاصل ہے کہ اس میں قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی۔

اس کے بعد روزے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا کہ بیماری یا سفر کی حالت میں عارضی طور پر روزوں کے چھوڑنے کی رخصت ہے، جن کی بعد میں قضا ہوگی۔ اور اس امر کا بھی بیان ہے کہ جو شخص انتہائی ضعیف العمری یا شدید بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے، تو اسے فی روزہ ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا بطورِ فدیہ دینا ہوگا۔

رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور بیویوں سے ملنے کی اجازت ہے۔ نیز اعتکاف کے عمل کا تذکرہ ہے، روزہ کے ابتدائی اور انتہائی وقت کا بیان ہے۔ مزید برآں دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانے اور لوگوں کو ناجائز مقدمات میں الجھانے سے باز رہنے کی تلقین ہے۔

قمری مہینہ کے مختلف ایام میں چاند کے چھوٹا بڑا ہونے کی حکمت بتائی گئی ہے کہ اوقات کے انضباط اور حج وغیرہ کی تاریخوں کے تعین کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ دنیا سے برائی ختم کرنے کے لیے قتال فی سبیل اللہ اور اس کے احکام کا تذکرہ ہے۔ پورے مکی دور میں مسلمانوں کو کفار کے ظلم کے مقابلے میں لڑنے کا نہیں بلکہ صبر محض، یعنی ہر تشدد کے جواب میں ہاتھ نہ اُٹھانے کا حکم تھا، اب اجازت دی گئی کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ حدودِ حرم کو مشرکین کی نجاست سے پاک ہونے اور اللہ کا دین غالب ہونے تک جنگ جاری رکھو۔ دنیا میں جان و مال کا جہاد ہی تمہاری سلامتی و بقا کا ضامن ہے۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ جہاد کا مقصد اعلاے کلمۃ اللہ ہے، چونکہ حق و باطل، اور خیر وشر کے درمیان ٹکراؤ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا؛ اس لیے جہاد بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہمیشہ مستعد رہیں اور دشمن کے سامنے کمزوری ظاہر نہ کریں؛ ورنہ جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کے سوا کچھ نہیں۔

آیت ۱۹۶ سے حج وعمرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن حج بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ پوری دنیا سے مسلمان سال میں ایک بار مساوات کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے بلد حرام میں جمع ہوں اور وہاں اس کے بتائے ہوئے مخصوص طریقے کے مطابق حج کے مناسک واعمال اَدا کریں۔

اس کے بعد دو کرداروں کا بیان ہے۔ ناپسندیدہ کردار یہ ہے کہ انسان گفتگو میں تو دوسرے کے دل موہ لینے کی کوشش کرے؛ لیکن کردار کے اعتبار سے جوں ہی موقع ملے دوسروں کی جان، مال اور املاک سے کھیلنے کی کوشش کرے۔ ایسے کردار کا انجام جہنم ہے۔ پسندیدہ کردار اس کا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کی خاطر سب کچھ لٹا دینے پر آمادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے پرخلوص لوگوں کے حق میں انتہائی مہربان ہے۔

اگلی آیات میں بتایا گیا کہ حقیقتِ ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی جان کا سودا ہے اور اسلام بعض چیزوں کو قبول کرنے اور بعض کو رد کرنے کا نام نہیں بلکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احکام (اوامر ونواہی) کو من وعن قبول کیا جائے، یہ نہیں ہوسکتا کہ بعض باتیں آپ کو پسند ہوں، تو انہیں قبول کرلیں اور جو باتیں آپ کو پسند نہ ہوں، تو انہیں رد کردیں یعنی اسلام Pick & Choose کا نام نہیں ہے۔ واضح ہدایات آجانے کے باوجود پورے کے پورے اسلام پر عمل نہ کرنا اس بات کا مظہر ہے کہ انسان روزِ قیامت کا انتظار کررہا ہے جس روز اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ زمین پر جلوہ افروز ہوگا اور تمام معاملات کا فیصلہ چکا دیا جائے گا۔

آیت ۲۱۳ میں بتایا گیا کہ تمام لوگ اصل کے اعتبار سے ایک تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے نظامِ رسالت قائم فرمایا۔ ہر دور کے لوگوں کے لیے کتابِ ہدایت نازل کی، اس کے بعد انسانیت دو گروہوں میں بٹ گئی ایک اہلِ حق یعنی انبیا کے پیروکار اور دوسرے اہلِ باطل یعنی خواہشاتِ نفس اور شیطان کے پیروکار۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ جنت کا حقدار بننے کے لیے محض دعوائے ایمان کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے راہِ حق میں مشکلات کا اِستقامت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے، جیسا کہ انبیاے کرام اور ان کے سچے پیروکاروں کی روشن مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

پھر شراب اور جوے کے بارے میں ابتدائی ذہن سازی کرتے ہوئے ان کے فوائد ونقصانات میں تقابل کی تلقین کی گئی ہے؛ تاہم جسمانی، عقلی، مالی، اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے جو نقصانات ہیں وہ منافع کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کو 'ام الخبائث' یعنی خباثتوں اور برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔

اس کے بعد یتیموں کی کفالت کی تعلیم ہے، اور نکاح میں توحید پرست کو بت پرستوں پر ترجیح دینے کا حکم ہے۔ پھر خواتین کے مخصوص مسائل درج ہیں جن میں حالت حیض کے اندر اپنی بیویوں سے دور رہنے کا حکم ہے؛ کیوں کہ حیض کے خون میں ایسی نجاست اور ایسے جراثیم پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کی صحت خطرے میں پڑ سکتی ہے؛ البتہ آپس میں بوس وکنار، اٹھنے بیٹھنے اور اکھٹے کھانے پینے کی اجازت ہے جب کہ یہودی اس کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے اور نصاریٰ جماع کرنا بھی برا نہیں سمجھتے تھے گویا کہ اسلام نے دوسرے بہت سارے معاملات کی طرح حیض کے معاملے میں بھی افراط وتفریط کی بجاے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔

جھوٹی قسم سے بچنے کی ترغیب ہے، بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم (ایلا) کے حکم

کا بیان ہے۔ بچوں کو دودھ پلانے کی مدت دو سال مقرر کی گئی ہے اور زچہ بچہ کی کفالت شوہر کے ذمہ رکھی گئی ہے۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں عورت کو چار ماہ دس روز عدت گزارنے کا حکم ہے۔ عدت کے ایام میں نکاح یا منگنی کے موضوع پر گفتگو کی ممانعت کی گئی ہے۔

سورۃ البقرۃ میں جتنی تفصیل کے ساتھ طلاق، عدت اور رضاعت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اتنی تفصیل کے ساتھ کسی دوسری سورت میں بیان نہیں کیے گئے۔ اس سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اللہ کی نظر میں طلاق کے قابل نفریں ہونے کے باوجود مخصوص حالات اور مجبوریوں کی بنا پر طلاق کی اجازت دی گئی ہے؛ کیوں کہ بعض اوقات میاں بیوی میں سے کوئی ایک ایسا ہوتا ہے جو اپنی بداخلاقی، بدکرداری اور باغیانہ رویہ کی وجہ سے گھر کو جہنم بنا دیتا ہے، جہاں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، ایسی صورت میں طلاق کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔

پھر آیت ۲۲۹ میں یہ حکم بیان ہوا کہ دو صریح طلاقیں (خواہ الگ الگ دی جائیں یا ایک ساتھ) دینے کے بعد بھی شوہر کو یک طرفہ طور پر رجوع کا حق حاصل ہے اور اگر تیسری طلاق دے دی، تو بیوی اس پر حرام ہو جائے گی (یعنی اب براہِ راست یا عقدِ ثانی کے ذریعے رجوع کی گنجائش نہیں ہے) سوائے اس کے کہ وہ عورت عدت گزرنے کے بعد اپنی مرضی سے کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ شخص اپنی مرضی سے اسے طلاق دے ،تو صرف اس صورت میں وہ سابق شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

اس میں خلع کا بھی بیان ہے کہ اگر زوجین کو یہ خدشہ ہو کہ اللہ کی حدود میں رہتے ہوئے ان کے لئے ازدواجی تعلق قائم رکھنا، نہایت دشوار ہے اور عورت آزادی چاہتی ہے، تو اپنے مہر سے دست بردار ہو کر یا مالی بدل کے ذریعے شوہر کی رضامندی سے خلع لے سکتی ہے اور خلع ایک طلاقِ بائن کے حکم میں ہے۔

نکاح کے بعد اگر بیوی سے ملاقات سے پہلے ہی طلاق اور علاحدگی کی نوبت آ جائے تو مہر متعین ہونے کی صورت میں نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ ان شرعی ضوابط کی پابندی اللہ کا حق ہے؛ لہٰذا ایک دوسرے کے لیے پریشانیاں اور مسائل پیدا کرنے کے لیے شرعی ضوابط کو پامال نہ کیا جائے۔

نماز کی پابندی اور اس کے اہتمام کی تلقین ہے کہ کسی خوف خطر کی وجہ سے اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکیں تو سواری پر ہی ادا کر لیں۔ نماز نہ صرف اللہ کو یاد رکھنے کا ذریعہ ہے بلکہ آخرت کی جواب دہی کی یاد دہانی کی بھی ایک موثر صورت ہے۔ جس طرح ہم نماز میں اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں ایسے ہی يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مصداق روزِ قیامت اللہ کے سامنے جواب دہی کے لیے کھڑے ہوں گے۔ جواب دہی کا یہ احساس انسان کو تمام امور بشمول نکاح وطلاق کے معاملات میں اللہ کی نافرمانیوں سے بچاتا ہے؛ لہٰذا جو شخص نماز پڑھے لیکن معاملات میں شریعت کی پابندی نہ کرے اس کی نماز درحقیقت نماز ہے ہی نہیں۔

جہاد کی ترغیب دینے لیے ایک قوم کا تذکرہ ہے، جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے محض اس لیے نکل بھاگے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں موت دیدی اور بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت حزقیل کی دعا سے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ پھر جہاد کا حکم اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے نام پر مال خرچ کرنے کی تلقین ہے۔ پھر اخیر میں مسلم حکمران طالوت اور کافر حکمران جالوت کے درمیان مقابلہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

اِس پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بتایا گیا کہ ان کی اہلیت کا مدار جسمانی قوت اور جنگی علم ہے اور بادشاہت اللہ کی عطا سے ملتی ہے۔ پھر شموئیل علیہ السلام نے طالوت کی بادشاہت کی نشانی کے طور پر اپنی قوم کو بتایا کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا، جسے فرشتے اٹھائے ہوں گے، جو تمہارے لیے تمہارے رب کی جانب سے

باعثِ طمانیت ہوگا اور اس میں آلِ موسی اور آلِ ہارون کے تبرکات ہوں گے۔

پھر طالوت کے ساتھ لڑنے والے لشکر کو ایک آزمائش سے گزارا گیا اور کم لوگ اس آزمائش پر پورا اترے۔ اللہ تعالی نے یہ بھی بتایا کہ اہلِ ایمان کی قلیل جماعت دشمن کی کثیر جماعت پر غالب آجاتی ہے۔ پھر جب جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ ہوا تو اہلِ حق اور اصحابِ طالوت نے یہ دعا پڑھی: اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں کی قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا، جالوت کے لشکر کو شکست ہوئی اور اللہ تعالی نے داود علیہ السلام کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی۔ اللہ تعالی نے یہ بھی فرمایا کہ وہ مفسدین کے شر کو اگر نیک لوگوں کے ذریعے دفع نہ فرمائے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے۔

یہ قصہ ایسا تھا کہ خود بنی اسرائیل کے بھی صرف خواص ہی کے علم میں تھا، عوام اس سے بے خبر تھے؛ لیکن تاجدارِ کائنات نبی غیب داں علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے تاریخ کی اس بھولی بسری داستان کا بیان ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا رابطہ اس ذاتِ لم یزل سے ہے جس کی نظر سے تاریخ کی کوئی کڑی بھی اوجھل نہیں اور یہ کہ آپ واقعی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سچے اور برگزیدہ رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دوسرے پارے میں بیان کردہ مضامین کو سمجھنے اور نہ صرف شریعت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے بلکہ اس کے نفاذ کے لیے اس طرح سے جہاد کی توفیق عطا فرمائے جس طرح جہاد کا حق ہے۔ آمین یارب العالمین بجاہ صفوۃ الانبیاء والمرسلین۔

تیسرا پارہ

تیسرے پارے کے شروع میں اس امر کا بیان ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ تعالی کے تمام نبی اور رسول علیہم السلام معزز ومکرم ہیں اور ان کی شان بڑی ہے، اللہ تعالی نے رسولوں میں ایک کے لیے دوسرے کے مقابلے میں فضیلت اور درجے کی بلندی رکھی ہے؛ لیکن درجات کا یہ فرق کسی نبی یا رسول کی کمی یا کوتاہی کا غماز نہیں بلکہ ان کے منصب اور ذمہ داری میں فرق اور اہمیت کے پیش نظر ہے۔ جیسے بعض انبیا کو دوسرے بعض پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح ان کی امتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، چونکہ بہت ساری خصوصیات اور امتیازات کی بنا پر ہمارے آقا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیا پر فضیلت حاصل ہے؛ لہٰذا آپ کی امت کو بھی دوسری تمام اُمتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

رسولوں کے آنے کے بعد اگر اللہ چاہتا تو زبردستی تمام انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، اس کے برعکس اس نے انسانوں کو اختیار دیا ہے۔ کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا۔ پھر ان کے درمیان باہم تصادم ہوتا رہا۔ انسان کو ملنے والے اختیار ہی کی بنیاد پر روزِ قیامت اس سے باز پرس ہوگی۔

پھر فرمایا کہ دنیا میں ہی صدقہ وخیرات کر کے اپنی عاقبت سنوار لیں؛ ورنہ قیامت کے دن کوئی سودے بازی، تعلقات یا سفارش کام نہیں دے گی۔ قرآن کریم کی آیات میں مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے آیۃ الکرسی سب سے بڑی اور افضل ترین آیت ہے۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ ہے اور اس کی عظمت کا راز یہ ہے کہ اس میں توحید، شانِ جلالت اور وسعت قدرت کو بھرپور انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام سترہ مرتبہ آیا ہے کہیں صراحۃً اور کہیں اشارتاً۔

اگلی آیت میں یہ اصول بیان ہوا کہ ہدایت اور گمراہی کے واضح ہونے کے بعد دین

میں داخل ہونے کے لیے کسی پر جبر نہیں ہوگا۔ جو باطل قوتوں سے بغاوت کر کے اللہ کا وفادار بن گیا تو اس نے ایسی مضبوط کڑی کو تھام لیا جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے اور انھیں کفر کی ظلمتوں سے ایمان کے نور کی طرف لاتا ہے جب کہ کافروں کے دوست طاغوت (باطل قوتیں) ہیں جو انھیں ایمان کی روشنی سے کفر کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

طاغوت ایک ایسا کردار ہے جو فاسق سے بھی بدتر ہے۔ اللہ کا نافرمان فاسق کہلاتا ہے جب کہ اللہ کا دشمن اور اس کے مقابلے میں اپنی مرضی اور قانون جاری کرنے والا طاغوت کہلاتا ہے۔ فرعون، نمرود اور آج کی مادر پدر آزاد اسمبلیاں یا من مانے فیصلے کرنے والے آمر طاغوت ہیں۔ اللہ طاغوت کے خلاف بغاوت کرنے والے مومنوں کا ہمیشہ حامی و ناصر ہوتا ہے۔

اس کے بعد تین تاریخی واقعات بیان کیے جو توحید پر دلالت کرتے ہیں اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے قرآنی عقیدہ کو بالکل اُجاگر کر کے رکھ دیتے ہیں۔

پہلا واقعہ : آیت ۲۵۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ بیان ہوا ہے جس کا دعویٰ تھا کہ میں مار بھی سکتا ہوں اور موت سے بچا بھی سکتا ہوں؛ لہٰذا میں اس کائنات کا رب ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ اس پر وہ لاجواب ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔

دوسرا واقعہ : آیت ۲۵۹ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے کہ جب ۵۸۷ ق م میں بیت المقدس کو بخت نصر نے تخت و تاراج کر دیا تو اُس اجڑے ہوئے شہر کو دیکھ کر حضرت عزیز بے اختیار پکار اُٹھے کہ اللہ دوبارہ اس تباہ شدہ بستی کو کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر کے سو سال کے بعد زندہ کیا۔ سواری کی بوسیدہ ہڈیوں کو ان کے سامنے جمع کر کے ان پر گوشت پوست چڑھایا اور

ان کے زادِ سفر (کھانے) کو سو سال تک باسی ہونے سے بچا کر تروتازہ رکھا اور اس طرح اپنی قدرت کا انھیں عملی مشاہدہ کرا دیا۔ اس تجربہ سے انھیں تحریک ہوئی کہ کیوں نہ میں بھی بنی اسرائیل کے مردہ جسم میں جان ڈالوں اور ان کا دین سے تعلق زندہ کر دوں؛ چنانچہ انھوں نے محنت کی اور اللہ تعالیٰ نے پھر سے بنی اسرائیل کو ایک زندہ قوم بنا دیا۔

تیسرا واقعہ: آیت ۲۶۰ میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام کا ہے جنھوں نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی کیفیت کا مشاہدہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اطمینانِ قلب کے لیے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کو عملی شکل میں دیکھنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ چار پرندے لے کر انھیں اپنے ساتھ مانوس کریں، پھر انھیں ذبح کریں اور بالکل قیمہ بنا کر ان کے ذرات آپس میں خلط ملط کر کے مختلف پہاڑیوں پر رکھ کر ان پر پرندوں کا نام لے کر پکاریں۔ ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر ہر پرندے کی ہڈی سے ہڈی، پَر سے پَر، خون سے خون سب مل ملا کر اپنی اصلی شکل وصورت میں بن کر ان کے پاس آ گئے، جس سے اللہ تعالیٰ کی زبردست قوت اور حکمت کا عملی مشاہدہ ہو گیا۔

دین اسلام انسانیت، انفاق فی سبیل اللہ، اخوت ومحبت اور فضل واحسان کا دین ہے۔ انسانی فلاح کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی قرآن نے دعوت نہ دی ہو اور نیکی کا کوئی ایسا کام نہیں جس کی اسلام نے ترغیب نہ دی ہو۔ سورۃ البقرہ میں انداز بدل بدل کر انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کے آداب بھی بیان کیے گئے ہیں۔

صدقہ وخیرات کے حوالے سے آیت نمبر ۲۶۱ سے آیت نمبر ۲۶۶ تک چار مثالیں بیان کی ہیں۔ دو مثالیں اخلاص کی اور دو مثالیں ریاکاری کی۔ اخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر مال خرچ کرنے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے زمین میں ایک بیج ڈال کر سینکڑوں دانے حاصل کر لینا اور ریاکار کا صدقہ ایسا ہے جیسے چٹان پر غلہ اُگانے کی ناکام کوشش۔ اچھی بات کہنا اور درگزر کر دینا ایسی مالی امداد سے بہتر ہے جس میں ریاکاری اور احسان

جتلانے کا عنصر شامل ہو۔

اللہ کے لیے صدقہ وخیرات کی دوسری مثال زرخیز خطہ زمین میں باغ لگانے کی ہے جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا ہو اور دکھاوے کے طور پر خیرات کرنے کی مثال اس شخص کی ہے جو اپنی جوانی میں محنت کر کے بہترین باغ اور فصل اگائے؛ مگر اس کے بڑھاپے میں جب وہ محنت کے قابل نہ رہے، وہ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے غلہ اور پھلوں کے محتاج ہوں تو یہ باغ کسی ناگہانی آفت سے تباہ ہو کر رہ جاے، اسی طرح ریا کار کا اجر و ثواب آخرت میں تباہ ہو جاتا ہے اور اسے کچھ نہیں ملتا۔

پھر دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ 'اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو'۔ یعنی اللہ کے عطا کردہ مال و جائداد اور زمین سے حاصل شدہ غلوں اور فصلوں میں سے پاکیزہ چیزیں اللہ کے نام پر دینی چاہئیں، گھٹیا اور بیکار چیزیں جب اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ کے نام پر کیوں دیتے ہو؟۔

حکمت و دانائی اللہ کی عنایت ہے جسے حکمتیں عطا ہو جائیں تو سمجھو اسے بہت بڑی خیر میسر آ گئی ہے۔ کھلے عام اور چھپا کر موقع محل کے مطابق دونوں طرح صدقہ کرتے رہنا چاہیے۔ دین دار غربا جو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے مانگتے نہیں ہیں وہ آپ کے مالی تعاون کے زیادہ مستحق ہیں۔ عدل و انصاف پر مشتمل معاشی نظام کے لیے رہنما اصول، غریب اور چھوٹے تاجروں کے لیے زہر قاتل اور تجارت کے لیے 'رستا ہوا ناسور' یہودی ذہنیت کی بدترین پیداوار 'سودی نظام' کے تباہ کن عواقب و نتائج سے آیت نمبر ۲۷۵ سے آیت نمبر ۲۸۰ تک خبردار کرتے ہوئے سختی کے ساتھ اس سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اور

سودخوری سے بچنے کو ایمان کا تقاضا قرار دیا اور سودی نظام کو جاری رکھنے کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن نے صدقہ کے فضائل وآداب بیان کرنے کے بعد سود کے نقصانات اور تباہ کاریاں بیان کی ہیں، اصل میں صدقہ اور ربا دو متضاد نظام ہیں۔صدقہ میں احسان، پاکیزگی اور تعاون کا جذبہ ہوتا ہے جب کہ ربا میں بخل، گندگی، اور خودغرضی پوشیدہ ہوتی ہے۔صدقہ میں دیا ہوا مال واپس لینے کی نیت نہیں ہوتی جب کہ ربا میں اصل زر سے بھی زیادہ لینے کی شرط ہوتی ہے،صدقہ سے آپس کی محبت بڑھتی ہے جب کہ ربا سے باہمی نفرت میں اِضافہ ہوتا ہے،صدقہ کرنے والے کے لیے اللہ کی محبت کا اعلان اور مغفرت کا وعدہ ہے جب کہ سودخور پر لعنت کی وعید اور اعلانِ جنگ ہے،سود کے نفسیاتی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی نقصانات اتنے واضح ہیں کہ اب سود کے حامی بھی دبی دبی زبان سے ان کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔

یوم اِحتساب یعنی قیامت کی یاد دہانی کراتے ہوئے آیت نمبر ۲۸۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو نیک وبد اعمال کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا،اور ہر انسان کو اس کے کیے کا بدلہ پورا پورا مل جائے گا۔ یہ احساس ہی انسان کو دنیا میں اللہ کی نافرمانی سے بچنے اور حلال وحرام کی تمیز کرنے پر کار بند رکھتا ہے۔ایک قول کے مطابق یہ قرآن کریم کی نزول کے اعتبار سے آخری آیت ہے اور اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دنیا سے اِرتحال کا اشارہ بھی موجود ہے۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی :

وَ اتَّقُوا یَوماً تُرجَعُونَ فِیهِ إِلَی اللّٰهِ، ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ یُظْلَمُونَ o

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ عمل اس نے کیا ہے اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہ وہی نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمائی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ولی' شہد کی نہر سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا، حورِ عین اسے جام دے رہی ہوگی اور یہ دونوں نعمت وسرور میں ہوں گے۔

حورِ عین کہے گی: اے اللہ کے دوست! کیا تمہیں پتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میرا نکاح تمہارے ساتھ کب کیا تھا؟۔ وہ کہے گا: نہیں مجھے کچھ پتا نہیں۔ تو وہ کہے گی: ایک دن سخت گرمی میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں شدتِ پیاس کے عالم میں پایا تو فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہوئے فرمایا:

اے میرے فرشتو! ذرا میرے اس بندے کی طرف دیکھو جس نے اپنی خواہشِ نفس، اور کھانے پینے کو میرے انعامات کی لالچ میں چھوڑ دیا ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔ تو اسی دن اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرما کر مجھے تمہاری زوجیت میں دے دیا تھا۔ (بحر الدموع ابن الجوزی: ۳۲/۳)

آیت نمبر ۲۸۲ کمیت کے اعتبار سے قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اسے 'آیۃ المداینۃ' بھی کہتے ہیں۔ اس میں اُدھار لین دین کے قرآنی ضوابط، ادائیگی کی مدت کا تعین، تحریری وثیقہ کی تیاری اور گواہوں کی موجودگی وغیرہ کا بیان ہے۔ رہن رکھنے کے احکام کا تذکرہ ہے۔ آسمان وزمین کے اندر سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے، وہ دلوں کے ظاہر اور خفیہ تمام بھیدوں سے واقف ہے۔

چونکہ سورۂ بقرہ میں نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، جہاد، صدقہ، ربا، طلاق اور عدت جیسے متعدد شرعی احکام ومسائل بیان ہوئے ہیں؛ اس لیے سورت کے اختتام پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ 'اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا'۔

یوں ہی سورت کا اختتام جامع ترین دعا پر کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں درخواست کیا کریں کہ اے اللہ! اگر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف فرما دینا۔ جب تک مسلمان' احکامِ الٰہیہ پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کے ساتھ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہیں گے نیز وہ اللہ تعالیٰ سے دعا والتجا کرتے رہیں گے ان شاء اللہ یہود جیسے انجامِ بد سے بچے رہیں گے۔

آیت نمبر ۲۸۵، اور ۲۸۶ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں ہیں ان کی بہت فضیلت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے رات کو سوتے وقت یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لیے کافی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورۂ بقرہ کی آخری آیات خود بھی سیکھو اور اپنی خواتین کو بھی سکھاؤ کیونکہ قرآن کے علاوہ یہ بہترین حمد وثنا اور بہترین دعا بھی ہیں۔ (سنن دارمی)

سورۂ آل عمران: تیسرے پارہ کے آٹھ رکوع تو سورۂ بقرہ پر مشتمل تھے، اب نویں رکوع سے سورۂ آل عمران کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ بھی قرآن کریم کی طویل ترین سورتوں میں سے ایک ہے۔ چونکہ اس میں حضرت عمران کے خاندان کا قصہ بیان کیا گیا ہے؛ اس لیے بس اسی مناسبت سے اس کا نام 'آل عمران' رکھ دیا گیا۔

ان دونوں سورتوں کے مضامین میں حد درجہ مناسبت پائی جاتی ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان دو سورتوں کو 'زہراوین' (دو روشن چیزیں یا شمس وقمر) قرار دینا بھی ان کے درمیان مناسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں سورتوں میں اہل کتاب سے خطاب ہے مگر سورۂ بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف تھا جب کہ آل عمران میں اصل خطاب نصاریٰ سے ہے۔ پھر یہ کہ دونوں سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات میں سے 'الم' کے ساتھ ہوا ہے اور دونوں ہی سورتوں کی ابتدا میں قرآن کی حقانیت واضح کی گئی ہے۔

یہ سورہ ایک واقعہ کے پس منظر میں نازل ہونا شروع ہوئی۔ نجران کے عیسائیوں کا ساٹھ افراد پر مشتمل ایک بڑا وفد مدینہ منورہ میں حضور علیہ السلام سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو ان کے مرتبہ سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ کبھی کہتے کہ وہ اللہ ہیں، کبھی کہتے کہ وہ ابن اللہ ہیں اور کبھی کہتے کہ الوہیت کے مثلث (باپ، ماں اور بیٹا) کا ایک حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں مسکت جواب دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے اس پر موت طاری نہیں ہوسکتی جبکہ عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہوکر رہے گی۔ بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت نہیں، اللہ تعالیٰ کھاتا پیتا نہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آسمان کی بلندیوں اور زمین کی پنہائیوں میں کوئی چیز مخفی نہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام سے بے شمار چیزیں مخفی ہیں۔ اس پر وہ لاجواب ہوگئے۔

اِبتدا میں اللہ کی وحدانیت اور قرآن کریم، تورات اور انجیل کی حقانیت کو بیان کیا اور اللہ کی آیات کے منکروں کو عذاب شدید سے ڈرایا۔ علم الٰہی کی وسعتوں کو بیان کیا۔ قدرت کے تخلیقی شاہکار انسان کے رحمِ مادر میں تیاری کے مرحلہ کو بیان کیا اور بتایا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے، جس میں محکم اور واضح معنی ومفہوم رکھنے والی آیات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں، جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں وہ ہمیشہ محکمات کی پیروی کرتے ہیں اور جن کے دل میں کجی اور دماغ میں فتور ہوتا ہے وہ متشابہات کی غلط سلط تاویل کرنے اور ان کی مراد تک پہنچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

جب کہ اللہ کے محبوب بندے آیاتِ متشابہات کی حقیقت کا کھوج لگانے کی بجائے توجہ آیاتِ محکمات پر مرکوز رکھتے ہیں۔ وہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ پورا کلام اللہ کی طرف سے ہے اور ہماری عقل اس کا احاطہ کرسکے یا نہ کرسکے ہم ہر صورت میں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

تو قرآن کے اندر کلمۃ اللہ اور روح جیسے الفاظ متشابہات کی قسم سے ہیں، ان

متشابہات کی بنیاد پر شرکیہ عقائد کی عمارت کھڑی کرنا پانی پر نقش بنانے کے سوا کچھ نہیں، تو حید اور ایمان کے دلائل بالکل واضح ہیں ان کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو بصیرت سے بالکل کورا ہو۔

اگلی آیات میں مسلسل اہل کتاب کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے جرائم بیان کیے گئے ہیں کہ یہی ہیں جنھوں نے انبیا کو قتل کیا، خوں ریزی کی، اللہ کے نیک بندوں پر مظالم ڈھائے، وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو کبھی دوست نہ بنائیں؛ کیوں کہ اسلام اور کفر کے درمیان کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے اور کافر کبھی بھی مسلمان کے ساتھ مخلص اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا!۔

ہمیں ہر وقت اللہ سے ہدایت کی دعا مانگنی چاہیے اور روزِ جزا کے تصور کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ کافروں کا مال و اولاد ان کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ فرعون اور اس سے پہلے اقوام کے واقعات سے یہ بات ظاہر ہے۔ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا، ہم نے ان کے جرائم پر ان کی گرفت کر کے انہیں عبرت کا نشانہ بنا دیا۔ بدر کے واقعہ میں غور کرو جب دو جماعتیں مقابلہ پر آئیں۔ ایک جماعت اللہ کے لیے جہاد کرنے والی اور دوسری جماعت کافروں کی تھی، جن کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ نظر آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دے کر ایمان والوں کو اپنی مدد سے غالب کیا۔ اس سے اہل بصیرت درس عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔

آیت ۱۴ میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کو بیوی، بچے، مال و دولت کے خزانے، سونا چاندی، سواریاں، چوپائے، جانور اور کھیتیاں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی عارضی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین انجام ہے۔ متقی لوگوں کے لیے باغات، نہریں، پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ بندے گناہوں پر استغفار اور جہنم سے حفاظت کے طلبگار ہیں۔ صبر کرنے والے، سچ بولنے

والے، فرماں برداری کرنے والے، صدقہ وخیرات کرنے والے اور تہجد کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے ہیں۔ اللہ تعالی اور فرشتے اور تمام اہل علم، توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لئے نظام حیات جو اللہ تعالی کے یہاں مستند و مسلم ہے وہ صرف اسلام ہے اور اس سے اختلاف رکھنے والے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں۔ اللہ تعالی جلد ہی ان کافروں کا احتساب کرے گا۔ بحث بازی اور جھگڑا کرنے کی بجائے اللہ تعالی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہی ہدایت ہے۔

آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ شان کا ان الفاظ میں ذکر ہے (اے رسول!) کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ (خود) تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر بندہ اللہ تعالی کے قرب اور رِضا کا طلب گار ہو، تو اس کا فقط ایک ہی راستہ ہے یعنی اتباعِ مصطفیٰ ﷺ۔

اگلی آیات میں تین عبرت آموز واقعات کا ذکر ہے۔ یہ تینوں قصے خوارقِ عادات کے قبیل سے ہیں اور تینوں اللہ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

جنابِ عمران کی صاحب کردار پاکباز اہلیہ حنہ بنت فاقوذ جب حاملہ ہوئیں تو انہوں نے منت مانی کہ وہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کو اللہ تعالی کے لیے وقف کر دیں گے۔ آپ کے یہاں خلافِ توقع بچے کی بجائے بچی کی ولادت ہوئی۔ جناب عمران کی اہلیہ نے اپنی منت کو بچی ہونے کے باوجود پورا کیا اور آپ کا نام مریم رکھ کر آپ کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔ اللہ تعالی نے جناب مریم کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیا اور آپ کے بچپن سے لے کر جوانی تک کے تمام ایام اللہ کی بندگی میں صرف ہوتے رہے؛ یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی سے آپ کے لیے یہ کرامت بھی ظاہر ہوئی کہ آپ کے پاس بے موسم کے پھل آنے لگے۔

حضرت زکریا جو مریم کے خالو بھی تھے ایک دن اس محراب میں داخل ہوئے جہاں

سیدہ مریم عبادت میں مشغول رہتی تھیں، انہوں نے سیدہ مریم سے پوچھا کہ آپ کے پاس یہ بے موسم کے پھل کہاں سے آتے ہیں؟ کہا اللہ کی طرف سے آتے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔ حضرت زکریا اب تک بے اولاد تھے اور آپ کی بیوی بانجھ تھیں، سیدہ مریم کے پاس بے موسم کے پھل دیکھ کر جناب زکریاں بھی رحمت الٰہی سے پرُامید ہو گئے اور آپ نے سوچا کہ اگر مریم کو بے موسم کے پھل مل سکتے ہیں تو مجھے بے موسم کی اولاد کیوں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ آپ نے دعا مانگی: اے میرے پروردگار! مجھے بھی اپنی طرف سے پاک اولاد عطا فرما۔ فوراً دعا قبول ہوئی، حضرت زکریا ابھی محراب میں نماز ہی اَدا فرما رہے تھے کہ فرشتے نے آپ کو پکار کر کہا: اے زکریا! آپ کو اللہ تعالی کی طرف سے یحییٰ نامی پارسا اور سردار بیٹے کی بشارت ہو۔ حضرت زکریا اس کے بعد تین دن تک خلوت نشین ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر ومناجات اور تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا کہ فرشتوں نے پکار کر سیدہ مریم کو کہا کہ اللہ نے آپ کو بلند مرتبہ عطا کیا ہے اور آپ کو پاکیزگی اور طہارت عطا فرمائی ہے اور آپ کو جہانوں کی عورتوں سے بلند فرما دیا ہے، اے مریم! آپ اپنے رب کی بندگی اختیار کریں، اور باقاعدگی اور جماعت کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا کریں۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے جناب مریم کے ہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزاتی ولادت کا ذکر کیا ہے۔ سیدہ مریم کا دل اس واقعہ کو قبول نہیں کر رہا تھا لیکن اللہ تعالی نے ان کو بن شوہر کے ایک بیٹا عطا کیا جو اللہ کے حکم سے کوڑھی اور برص کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفایاب ہو جاتے۔ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے لوگوں کو اللہ کے حکم سے گھر میں کھائے جانے اور باقی رہ جانے والے کھانے کی بھی خبر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی معجزاتی پیدائش کی وجہ سے عیسائی مغالطے کا شکار ہو گئے اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالی نے فرمایا کہ بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے جن کو اللہ نے بن باپ اور بن ماں کے مٹی سے پیدا کیا اور کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

نجران کے عیسائی پادری حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عیسیٰ کی ولادت کے بارے میں بحث کرنے کے بعد لاجواب ہوگئے؛ لیکن حقیقت کوتسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، جس پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مباہلے کا چیلنج دیا کہ تم اگر حق کو تسلیم نہیں کرتے تو اپنے نفوس، بیٹوں اور عورتوں کو لے کر آؤ، اور اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ میدانِ مباہلہ میں پہنچے تو نجران کے پادریوں نے مباہلے کا چیلنج قبول کرنے سے انکار کردیا اور جزیہ دینے پر راضی ہوگئے۔

حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو آؤ ان نکات پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں اِتفاق کرلو یعنی عبادت صرف اللہ کی ہوگی، شرک کو ترک کرنا ہوگا اور اللہ کو چھوڑ کر بندوں کو رب ماننے کا شِعار بند کرنا ہوگا۔ اہلِ کتاب مشترکات (Comonalities) پر بھی جمع نہ ہوئے جو اُن کی ہٹ دھرمی کا واضح ثبوت ہے۔

اس سورت میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلایا کہ کفار حضرت عیسیٰ کی جان کے درپے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بشارت دی کہ میں آپ کو زندہ آسمانوں کی طرف اٹھالوں گا اور کفار آپ کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ اللہ نے بعدازاں اپنے وعدے کو پورا فرمایا اور حضرت عیسیٰ کو زندہ اٹھالیا اور اب جناب عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے قبل دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر اُتریں گے اور دجال کے فتنے کا خاتمہ کریں گے۔

آیت ٦٩ سے اہل ایمان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اہل کتاب خود تو گمراہ ہیں وہ تمہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں یعنی 'ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے'۔ اہل کتاب کو ملامت کی گئی کہ تم کیوں جانتے بوجھتے اللہ کی آیات کا انکار کررہے ہو، حق میں باطل کی آمیزش کررہے ہو اور حق کو چھپانے کے جرم کا ارتکاب کررہے ہو۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں رسول اللہ ﷺ کے مقام کا بھی ذکر کیا

ہے کہ عالم ارواح میں اللہ نے انبیا کی روحوں سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ آ جائیں تو پھر ان پر ایمان لانا اور ان کی حمایت کرنا گروہِ انبیا پر لازم ہوگا، چنانچہ سب نے اس کا اقرار کیا۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ اب تم اس پر گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ اِس میثاق سے معلوم ہوا کہ ختم الرسول ﷺ پر ایمان اور آپ کی نصرت وحمایت کا ہر نبی پابند تھا اور پھر اس کا عملی مظاہرہ شبِ معراج کو اس وقت ہوا، جب آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاے کرام نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی اور آپ کے امام الانبیا ہونے کا عملی طور پر اظہار رہوا۔

یہ مسلمانوں کے لیے بڑے شرف اور اعزاز کی بات ہے کہ ان کو رسول اللہ جیسا بے مثال رسول اور برگزیدہ پیغمبر ملا، انھیں اس نعمت عظمیٰ اور احسانِ بے کراں پر اللہ جل مجدہ کا ہمیشہ شکر اَدا کرتے رہنا چاہیے۔

اِس پارے کی آخری آیات میں یہ بیان ہے کہ دینِ اسلام ایک تسلسل کا نام ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے ختم المرسلین ﷺ تک چلا آ رہا ہے اور اسی دین کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان تمام مخلوق کا جو بھی تکوینی نظام قائم ہے وہ سب خوشی یا ناخوشی اِس نظام اور اطاعت کا پابند ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام دیتے آئے ہیں۔ اور اسلام کے سوا کسی اور دین کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایمان اور کفر دو متضاد حقیقتیں ہیں جو کبھی جمع نہیں ہوسکتیں؛ پس اگر کوئی شخص اسلام کے سوا کسی اور دین میں پناہ تلاش کرتا ہے، تو وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فہم دین وقرآن کے ساتھ اسلامی نظام زندگی کے مطابق جینے مرنے اور سودی لین دین کی ہر نحوست سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ ۔

چوتھا پارہ

چوتھے پارے کی پہلی آیتِ مبارکہ میں بیان ہوا کہ اگر چہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے ہر مال کا اُس کے مطابق اَجر ملے گا؛ لیکن نیکی کا مرتبۂ کمال یہ ہے کہ اپنے پسندیدہ اور محبوب مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ مطلوب تک پہنچنے کے لیے محبوب کی قربانی اور اِیثار ضروری ہے۔ ساتھ ہی واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کردہ ہر مال اور قربانی کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہونا چاہیے، اللہ ہمارے ہر فعل سے واقف ہے؛ لہٰذا دکھاوا کر کے نیکی کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور اونٹنی کا دودھ نوش فرماتے تھے، اِس پر یہود نے اعتراض کیا کہ اونٹنی کا گوشت اور اس کا دودھ شریعتِ ابراہیمی سے حرام چلا آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چہ اُمی (اپنی پیدائشی حالت پر) تھے اور آپ نے رسمی طور پر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا مگر آپ نے یہود کو چیلنج کیا کہ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے، تو تورات لے آؤ اور اس میں یہ حکم دکھا دو؛ ورنہ یہ اللہ پر تمہارا اِفترا ہے؛ کیونکہ شرعی طور پر کسی چیز کو حرام قرار دینا یہ اللہ عزوجل کا حق ہے یا اس کے اختیار سے رسول اللہ کا حق ہے جیسا کہ اعراف:۱۵۷ میں ہے؛ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر قسم کا طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا سوائے اس کے جس کو تورات کے نزول سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے از خود اپنے اوپر حرام قرار دیا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اونٹنی کے گوشت اور دودھ کی خوراک کو ترک کر دینا اللہ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ عزیمت کے طور پر انہوں نے خود اپنے اوپر یہ پابندی عائد کر لی تھی، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی تنگدستی کی وجہ سے اپنے اوپر شہد کے اِستعمال کی پابندی لگا دی تھی۔

آیت ۹۵ تا ۹۷ میں صاحبِ استطاعت پر حج کی فرضیت کا حکم بیان ہوا اور یہ کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ بنایا گیا۔ یہ گھر بڑی مادی اور روحانی برکات کا حامل ہے۔ اس گھر کے طفیل لوگوں کے لیے رزق کے وسیع ذرائع پیدا ہوئے اور روحانی اعتبار سے ایسی بڑی بڑی نیکیوں کے مواقع میسر آئے جن کا اجر بھی کئی گنا زیادہ ملنے کی نوید ہے۔ عام مساجد کے مقابلے میں یہاں کی ایک نماز کا اجر ایک لاکھ گنا زیادہ ہے۔ یہ گھر تمام جہان والوں کے لیے ہدایت یعنی زندگی کے رخ کی تبدیلی کا ذریعہ ہے۔

اس گھر میں اللہ کی معرفت کی کئی نشانیاں ہیں اور خاص طور پر مقام ابراہیم کے نام سے موسوم پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے اس گھر کی دیواروں کو بلند کیا تھا۔ جو شخص بھی مال، صحت اور امن و امان کے اعتبار سے اس قابل ہو کہ خانہ کعبہ آ سکے اس پر اس گھر کا حج لازم ہے۔ جس شخص نے باوجود استطاعت کے اس گھر کا حج نہ کیا تو ایسا کرنا حقیقت کے اعتبار سے کفر ہے۔ حج و دیگر عبادات بندوں ہی کے لیے باعث خیر اور اجر و ثواب ہیں؛ ورنہ اللہ کو بندوں کی عبادت کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔

اس کے بعد کی آیتوں میں اتحادِ امت، فرقہ بندی سے بچنے کا حکم بیان ہوا اور فرمایا کہ اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اپنی بداعمالیوں کے سبب آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے مگر نعمتِ بعثتِ مصطفیٰ اور نعمتِ اسلام کی برکت سے اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم بھائی بھائی بن گئے۔ پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ واضح دلائل آنے کے بعد پچھلی امتوں کی طرح فرقہ بندی نہ کرو؛ ورنہ روزِ قیامت عذابِ عظیم سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اہل کتاب کی کچھ خرابیاں ذکر کرنے کے بعد ان کی گندی ذہنیت کو بیان کیا کہ اگر مسلمان ان کی بات ماننے لگ گئے تو وہ انہیں ایمان سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیں

گے۔ قیامت کے دن اہلِ ایمان کے چہرے روشن ہوں گے اور اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان روسیاہ ہوں گے۔ پھر آگے چل کر امتِ مسلمہ کو بہترین اُمت قرار دے کر اس کی وجہِ فضیلت بیان کی کہ تمھیں اس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ عالمِ انسانیت میں نیکیوں کو پھیلاؤ اور برائیوں کو روکو یعنی اُمت مسلمہ کی ذمہ داری عالمِ انسانیت کو دعوتِ حق دینا اور نبوی مشن کو سرانجام دینا ہے۔

آیت ۱۰۵ سے واضح کیا گیا کہ جو لوگ امت مسلمہ میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کی کوشش کریں گے ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ روزِ قیامت انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ان کے چہروں پر ظاہر ہوگا۔ سیاہ کرتوتوں کی وجہ سے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اللہ انھیں ملامت فرمائے گا کہ تم انے ایمان لانے کے بعد امت میں انتشار کو ہوا دیا اور ہمارے بتائے ہوئے لائحہ عمل کو اختیار نہیں کیا، نیک لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ ہمیشہ ہمیش کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

آیت ۱۱۰ اِس اعتبار سے انتہائی اہم ہے کہ ہمیں امت مسلمہ کے مقصد سے آگاہ کر رہی ہے۔ امت مسلمہ کا دنیا میں کام ہی یہ ہے کہ وہ نیکیوں کی دعوت دے، برائیوں سے روکے اور اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہوئے ہر طرح کے شرک سے اجتناب کرے۔ اگر امت اپنا مقصد پورا نہیں کرتی تو پھر اندیشہ ہے کہ عذابِ الٰہی دوچار ہوگی۔

سنن ترمذی میں آتا ہے کہ 'قسم ہے اس ہستی کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہوگے اور برائی سے روکتے رہوگے؛ ورنہ اندیشہ ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے۔ ایسے عالم میں اگر تم اس سے دعا بھی کروگے تو وہ تمہاری پکار کا جواب نہیں دے گا۔

آیت کے اخیر میں بتایا گیا کہ یہ ذمہ داری اس سے قبل اہل کتاب کی تھی؛ لیکن ان میں سے چند ہی نے یہ ذمہ داری خاطر خواہ نبھاہی، ورنہ اکثریت نافرمان ہی رہی۔ اس

موقع پر رک کر ہمیں اپنا احتساب کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہم ذمہ داری کو کہاں تک نبھا رہے ہیں!۔ ہماری تو خیریت کا راز ہی اسی میں پوشیدہ ہے، اس ذمہ داری کو نہ نبھا کر گویا خیریت کا قلادہ ہم اپنی گردن سے باہر نکال رہے ہیں۔

لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تمام اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں بعض ان میں معتدل مزاج بھی ہیں جو راتوں میں اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں، اللہ تعالی ان کی نیکیوں کو نظر انداز نہیں کرے گا۔اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

پھر بتایا گیا کہ کافروں کے مال واولاد ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے، وہ دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے، یہ اگر کسی نیک راہ میں مال خرچ بھی کرتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ظالم شخص کی لہلہاتی کھیتی کو سردی اور پالا لگ جائے اور سوکھ کر تباہ ہو جائے، درحقیقت ایمان سے انکار کر کے انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

پھر مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی ازلی دشمنی اور بغض بیان کر کے بتایا ہے کہ اہل ایمان کو بھلائی نصیب ہو تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹتے ہیں اور اگر اہل ایمان کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو خوشی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں؛ البتہ اگر اہل ایمان حق پر استقامت کا مظاہرہ کرتے رہیں اور اللہ کی نافرمانی سے بچیں تو اہل کتاب کی سازشیں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔

منافقوں کو راز دار اور دلی دوست بنانے سے منع کرنے کے بعد آیت ۱۲۲ سے غزوۂ بدر کا ذکر ہے جسے تمام اسلامی غزوات کا تاج ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس غزوہ کے شرکا نے جہاں خود جرأت وبہادری کی انوکھی مثالیں قائم کیں وہیں انھوں نے اللہ کی قدرت اور غیبی مدد کے مظاہر اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھے۔مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اسلحہ بھی

نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایسے نازک حالات میں پروردگار نے تین ہزار فرشتے اُن کی مدد کے لیے اُتارے اور نصرتِ غیبی سے انھیں نوازا۔

اور یہ بھی بتایا کہ مجاہدین کی مدد کے لیے فرشتوں کا نزول بس مؤمنوں کے اطمینانِ قلب اور دل جمعی کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ اس غزوے سے دو بڑے سبق مسلمانوں کو حاصل ہوئے: پہلا یہ کہ جنگ میں فتح صرف اسلحہ کی کثرت اور افرادی قوت کی بنا پر حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اس کی بنیادی شرط ایمان ویقین اور اتباع واستقامت ہے۔ دوسرا یہ کہ جب تک مسلمان حق پر ثابت قدم رہیں گے اور اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑے رہیں گے انھیں اللہ کی مدد حاصل رہے گی اور وہ ہمیشہ غالب وسرخرو رہیں گے۔

آیت ۱۳۰ میں ایک بار پھر سود کی ممانعت کا حکم نازل ہوا کہ حرام طریقے سے مال کو دگنا چوگنا نہ کرو۔ سودخوری سے بچنے کے حکم کے ساتھ ہی تقوی اختیار کرنے اور جہنم سے بچنے کی تلقین ہے اور اللہ کی رحمت سے محظوظ ہونے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید ہے۔

جنت کے مستحقین متقی ہوتے ہیں جو ہر حال میں اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہوں۔ غصہ کو پینے والے، لوگوں کو معاف کرنے والے اور اپنے گناہوں پر اصرار کی بجائے ندامت کے ساتھ توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اقوام عالم کے جرائم پر ان کی گرفت کا نظام جاری وساری ہے، دنیا میں چل پھر کر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ قرآن کریم انسانوں کے لئے بیان، ہدایت اور متقین کے لئے نصیحت ہے۔

غزوۂ بدر کا ذکر سورۂ آل عمران میں محض حوالے کے طور پر آیا ہے ورنہ اصل میں یہاں غزوۂ اُحد کا ذکر مقصود ہے جو تقریباً پچپن آیات میں مکمل ہوا ہے۔ ان آیات میں افرادی قوت اور اَسباب میں کمی کے سبب دل چھوڑنے والے مجاہدین کو تسلی دی گئی ہے کہ ثابت قدم

رہو، آخرکار تم ہی سرفراز ہوگے۔

اگر وقتی طور پر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اہلِ حق کے ساتھ ایسا ماضی میں بھی ہوتا رہا، مگر برے دن ہمیشہ نہیں رہتے اور یہ ابتلائیں مسلمانوں کے لیے درجات کی بلندی کا سبب بنتی ہیں اور جنت کے حصول کے لیے مسلمانوں کو مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی بتایا کہ موت سے ڈرنا اہل اسلام کا شیوہ نہیں ہے۔

غزوۂ احد میں جب یہ افواہ اڑا دی گئی کہ-العیاذ باللہ-اللہ کے رسول شہید ہوگئے ہیں تو مسلمانوں کے قدم عارضی طور پر لڑکھڑا گئے، ان کو اطمینان دلانے کے لیے اللہ تعالی نے فرمایا:'اور محمد اللہ کے رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، تو اگر (قضائے الٰہی سے) وہ فوت ہو جائیں یا (بفرضِ محال) شہید ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس پلٹ جاؤ گے؟ یعنی مسلمان کو ہر حال میں راہِ حق میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ گزشتہ امتوں کے بلند ہمت اہلِ حق کا یہ شعار بتایا کہ وہ ہر مشکل و مصیبت میں اللہ سے اِستغفار کیا کرتے ہیں۔

غزوۂ احد میں پیش آمدہ بعض مناظر کی قلبی تصویر کشی کرتے ہوئے کافروں پر مسلمانوں کا رعب ڈال کر اہل ایمان کو مستقبل میں کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔ جن اہل ایمان سے میدانِ احد میں کسی قسم کی کوتاہی یا کمزوری کا مظاہرہ ہوا تھا انہیں معاف کرنے کا اعلان کیا گیا ہے اور جن منافقین نے جہاد پر اعتراضات کر کے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی تھی ان کی سخت گرفت کی گئی ہے۔

منافقوں کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد اور اسلحہ میں کمی اور کافروں کی تعداد اور اسلحہ میں برتری کے پیش نظر میدان قتال میں اترنا کوئی دانشمندی نہیں ہے بلکہ یہ جہاد ہی نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو قتل ہونے اور زخمی ہونے سے بچ جاتے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ تم پر جب گھروں میں موت کا فرشتہ مسلط ہو کر تمہیں موت کے منہ میں دھکیلے گا تو اس وقت موت سے تم کیسے بچو گے!۔

اگلی آیات میں لوگوں کو دعوت غور وفکر دی گئی کہ زمین پر چل پھر کر اللہ کی ہدایت کو جھٹلانے والی قوموں کے انجام کو دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔ اللہ کا یہ کلام' اللہ کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لیے حق کی وضاحت، سیدھے راستے کی رہ نمائی اور دلوں کو نرم کرنے کا سامان رکھتا ہے۔ کوئی ہے جو اس نعمت کی قدر کرے ارو اس سے استفادہ کرکے دنیا وآخرت کی بھلائیاں سمیٹ لے!۔

پھر آیت ۱۳۹ میں بڑی اہم حقیقت کی طرف رہ نمائی کی گئی ہے کہ احد کی وقتی شکست سے مسلمان ہرگز دل گیر نہ ہوں، غلبہ مسلمانوں کا ہی ہوگا بشرطیکہ وہ حقیقی ایمان سے بہرہ ور ہوں، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات پر گامزن ہوں۔ کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے ہمیں قانونی ایمان حاصل ہوتا ہے، اب ہماری بھرپور کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارا دل بھی نورِ ایمان سے منور وتاباں ہوجائے؛ کیوں کہ صرف زبان سے لا الہ کہہ دینے سے بات نہیں بنتی جب تک دل ونگاہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوجائیں۔ ایمان اگر دل میں پیوست ہو تو اس کا لازمی مظہر انسان کے سیرت وکردار کی پاکیزگی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی گئی کہ ہر انسان کی موت کا وقت اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے۔ موت تو اپنے طے شدہ وقت ہی پر آئے گی البتہ دنیا میں انسان کے پاس دو راستے ہیں، چاہے تو وہ دنیا کی عارضی اور کم تر لذتوں کا طلب گار رہے یا آخرت کی ابدی اور اعلیٰ نعمتوں کو مقصود بنائے۔ جو جس کی آرزو کرے گا اسے اسی میں سے دے دیا جائے گا۔ البتہ آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لیے محنت کرنے والے اللہ کے شکر گزار بندے ہیں اور اللہ ضرور انھیں بہترین اجر عطا فرمائے گا۔

سورہ بقرہ آیات ۱۲۹، اور ۱۵۱ کے بعد اب تیسری بار ایک اہم مضمون اس آیت میں بیان ہورہا ہے۔ یعنی اللہ تعالی نے بعثتِ مصطفیٰ ﷺ کو اہلِ ایمان کے لیے اپنی نعمت اور

اِحسان قرار دیا اور آپ کے فرائضِ نبوت کو ایک بار پھر بیان فرمایا۔ چونکہ منافق غزوہ احد کے مجاہدین کو بار بار ذہنی اذیت پہنچاتے ہوئے کہتے کہ اگر تم نے ہماری بات مانی ہوتی اور اُحد کے میدان میں نہ گئے ہوتے تو ان نتائج سے بچ جاتے۔ اس لیے اللہ تعالی نے شہدا کی عظمتِ شان کو مسلمانوں کی طمانیت کے لیے یوں بیان کیا کہ شہدا مردہ نہیں بلکہ اسلام کے غلبہ اور دفاع کی جنگ میں اپنی جانیں لگا کر حیاتِ ابدی سے ہمکنار ہو کر جنت میں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس کے بعد غزوۂ حمراء الاسد کا تذکرہ ہے جو غزوۂ احد کے فوراً بعد پیش آیا۔ کفار نے دوبارہ حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا تو حضور علیہ السلام تھکے ماندے اور زخموں سے چور چور مجاہدین کو لے کر ان کے تعاقب میں نکلے تو کافروں نے فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت جانی اور مسلمانوں کو حمراء الاسد کے مقام پر لگنے والے تجارتی بازار میں خرید و فروخت سے اتنا منافع ہوا کے احد کی پریشانی اور نقصان کا تدارک ہو گیا۔

اس نازک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے ایمان و ثابت قدمی کی قرآن کریم نے تعریف کی ہے اور کافروں کی طاقت اور اسلحہ سے خوفزدہ ہونے والوں کو شیطان اور اس کے حمایتی قرار دیا ہے۔ کافروں کی کامیابیوں سے متاثر ہونے والوں کو بتایا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مہلت اور ڈھیل ہے۔ ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار ہے۔

غلبۂ اسلام کی جدو جہد اور دینی مقاصد کے لیے چندہ کرنے پر یہودیوں نے اعتراض کیا کہ مسلمانوں کا خدا -نعوذ باللہ- فقیر ہو گیا ہے اور ہم مالدار ہیں تبھی تو ہم سے چندہ مانگ رہا ہے۔ حضرت ابو بکر نے اس گستاخانہ بات کہنے والے یہودی کو زدوکوب کیا اور اسے قتل کی دھمکی دی جس پر یہودی تلملا اٹھے اور حضور علیہ السلام کے سامنے اپنی گستاخانہ گفتگو سے انکار کر کے حضرت ابو بکر کو سزا دینے کا مطالبہ کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کی تائید اور یہودیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے ان کی گستاخانہ گفتگو سن لی ہے اور یہ عادی مجرم ہیں پہلے بھی اس قسم کی نازیبا حرکتیں کرتے رہے ہیں۔ یہ لوگ انبیا علیہم السلام کے قتل جیسے بدترین جرائم کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور ہم انہیں قیامت کے دن آگ میں جلانے کا عذاب دیں گے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایمانی غیرت وحمیت کے پیش نظر جو قدم اٹھایا تھا وہ بالکل جائز اور مبنی بر انصاف تھا۔

اہل دانش وبینش کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات آسمان وزمین اور دن رات میں غور وخوض کی دعوت دی گئی ہے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی پانچ دعاؤں کا تذکرہ ہے، جنہیں شرف قبولیت حاصل ہے۔ مرد وعورت کی تخلیق اور ان کی ذمہ داریوں میں اختلاف کے باوجود انہیں اجر وثواب میں برابری اور مساوات کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور بتایا ہے کہ ہجرت اور جہاد جیسے عظیم الشان اعمال جو بھی کرے گا اس کے لیے گناہوں کی معافی، اللہ کے ہاں بہترین اجر وثواب اور جنت کا وعدہ ہے۔

پھر بتایا گیا کہ کافروں کے پاس مالی وسائل کی فراوانی اور عیش وعشرت کو دیکھ کر دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ عارضی اور معمولی فوائد ہیں، آخرت میں ان کا بدترین ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور متقین کے لیے نہریں اور باغات اور اللہ کے ہاں بہترین مہمانی ہے۔ اہل کتاب میں بعض انصاف پسند بھی ہیں، جو قرآن اور نبی اسلام علیہ الصلوٰۃ السلام پر ایمان لانے کی نعمت سے سرفراز ہیں۔

آیات ۱۹۱ سے رہ نمائی کی جارہی ہے کہ آیاتِ آفاقی پر غور وفکر کر کے معرفت ربانی حاصل کرنے والے خردمند اب اللہ کو یاد رکھتے ہوئے اس کی تخلیق پر مزید غور کرتے ہیں اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات میں ہر شے بامقصد ہے۔ ہر شے اللہ کی اطاعت کر رہی ہے اور ہمیں بھی کرنی چاہیے۔ ہمارا ضمیر ہمیں اسی مقصد کی یاد دلاتا ہے۔ ہمارے

باطن میں ضمیر کی آواز بھی بے مقصد نہیں۔ برائی پر اس کی ڈانٹ اور نیکی پر تحسین مکافاتِ عمل کی دلیل ہے۔ دنیا میں برائی کا برا اور نیکی کا اچھا نتیجہ نہیں نکلتا، نتائج کسی اور جہان میں ظاہر ہوں گے۔ جن لوگوں نے کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر نیکی کی وہ سرخرو ہوں گے، جنھوں نے اس کے برعکس روش اختیار کی وہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئے۔ بے مقصد شے کوڑا کرکٹ ہے اور آگ میں جلائے جانے کے ہی لائق ہے۔

سورہ کی آخری آیت ۲۰۰ میں اہل ایمان کو فلاح اخروی کے حصول کے لیے چار ہدایات دی گئی ہیں: ۱) اللہ کی راہ میں استقامت کے ساتھ ڈٹے رہو۔ ۲) صبر و استقامت میں کفار سے بازی لے جاؤ۔ ۳) آپس میں مربوط رہو اور نظم کی پابندی کرتے رہو۔ ۴) اللہ کی نافرمانی کے ہر عمل سے بچو۔

سورۂ نساء: یہ مدنی سورت بڑی اہم اور دوررس اِصلاحات پر مشتمل ہے جنھیں اگر دین اسلام کا طرۂ امتیاز کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ اس سورت میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے پر دی گئی ہے؛ کیوں کہ گھر ہی قوم کی خشت اول ہے، گھر ہی وہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں، گھر ہی وہ مدرسہ ہے جہاں اخلاق و کردار کی جو قدریں اچھی یا بری، بلند یا پست لوحِ قلب پر لکھ دی جاتی ہیں ان کے نقوش کبھی مدھم نہیں پڑتے۔ صرف جذبات خواہ کتنے ہی پاکیزہ و معصوم کیوں نہ ہوں حقائق کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لا سکتے۔ قرآن حقائق کو حقائق کی حیثیت سے دیکھتا ہے؛ اس لیے گھر کے ماحول کو خواشگوار بنانے کے لیے مبہم نصیحتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لیے واضح اور غیر مبہم قاعدے اور ضابطے متعین کیے۔

امرأۃ عورت کو کہتے ہیں جس کی جمع نساء ہے۔ اس سورہ میں منجملہ دوسرے مسائل کے عورتوں کے انتہائی اہم اور حساس مسائل زیر بحث آئے ہیں، اس لیے اس کا نام سورۃ النساء رکھا گیا۔ سورہ بقرہ کے بعد متنوع اور بھرپور طریقہ پر مسائل کا بیان اس سورہ کے

اندر ہے۔ معاشرتی اور قومی مسائل کے ساتھ تشریعی مسائل اور ہجرت اور جہاد پر سیر حاصل گفتگو، غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، میراث کے احکام، کلالہ کا مسئلہ، عقائد پر بحث، منافقین کا تذکرہ اور یہود و نصاری کے مکروہ چہرہ کی نقاب کشائی جیسے اہم موضوعات پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

تقوی اختیار کرنے کی تلقین کے ساتھ سورہ کی ابتدا کی گئی ہے اور اللہ کی قدرت کا بیان ہے کہ آدم وحوا علیہا السلام کی معجزانہ تخلیق کے بعد بے شمار انسانوں کو اس جوڑے کی صلب سے پیدا کر کے اس سرزمین پر پھیلا دیا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناطے تمام انسانوں کو ایک گھرانے کے افراد کی طرح باہمی اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔

پھر یتیموں کی کفالت اور ان کے اموال کی دیانتداری کے ساتھ حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت اور ان میں عدل وانصاف قائم رکھنے کا بیان ہے۔ مہر کی ادائیگی بطیبِ خاطر کی جائے اور خواتین چاہیں تو اپنا مہر معاف بھی کر سکتی ہیں۔ معاشرہ میں ناسمجھ افراد کی نگہداشت اور ان کی مالی سرپرستی کا حکم دیا گیا ہے، پھر وراثت کے موضوع پر تفصیلی گفتگو اور تمام وارثوں کے حصے متعین کر کے بتایا گیا ہے کہ وارثوں کے استحقاق کو اللہ تم سے بہتر جانتا ہے۔ وراثت کی تقسیم سے پہلے میت کے قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل درآمد کی تلقین ہے۔

مذکورہ آیات میں احکاماتِ خداوندی کو 'حدود اللہ' قرار دیا گیا، جو بھی ان حدود کی پاس داری کرے گا وہ ہمیشہ ہمیش کی جنت کا حق دار ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص ان حدود کو پامال کرے گا ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کے ذلت آمیز عذاب سے دوچار ہوگا۔

آیت ۱۶ اور ۱۷ میں اللہ تعالی نے قبولیتِ توبہ کا اُصول بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ غلطی کا احساس ہونے پر جلدی توبہ کر لیں تو ان کی توبہ کی

قبولیت اللہ تعالی کے ذمۂ کرم پر ہے۔ سچی توبہ کے شرائط یہ ہیں کہ گناہ پر حقیقی ندامت اور افسوس ہو۔آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا جائے۔گناہ کو عملاً ترک کرنے کا مصمم ارادہ ہو۔کسی بندے کے ساتھ زیادتی کی صورت میں اس کا حق لوٹایا جائے یا اس سے معاف کرایا جائے۔

پھر بتایا گیا کہ جو لوگ زندگی بھر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتہ اجل سر پر آ کھڑا ہو اور پھر کہیں کہ میں نے توبہ کی تو ان کی توبہ کی قبولیت کی کوئی ضمانت نہیں اور جن کی موت کفر پر واقع ہو جائے ان کی آخرت میں نجات کی کوئی ضمانت نہیں۔

آیت ۲۲ میں فرمایا کہ سوتیلی ماں سے نکاح مت کرو، یہ بڑی بے حیائی اور اللہ کو ناراض کرنے والا عمل ہے۔ پھر اگلی آیات میں بارہ ابدی محرم خواتین اور دو عارضی محرم خواتین کی فہرست دی گئی ہے۔ ابدی محرم خواتین میں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، سوتیلی بیٹی (جس کی والدہ سے تعلق قائم کیا جا چکا ہو) اور بہو شامل ہیں۔

اور دو عارضی محرم خواتین یہ ہیں: پہلی بیوی کی بہن ۔یعنی دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہے۔اگر ایک خاتون کو طلاق دے دی جائے یا اس کا انتقال ہو جائے تو پھر اس کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے۔ (حدیث شریف میں بیوی کی بہن کے علاوہ اس کی پھوپھی، بھتیجی، خالہ اور بھانجی سے بھی نکاح کی ممانعت آئی ہے)۔

حدیث پاک میں ہے کہ جن عورتوں سے نسب کے رشتے سے نکاح حرام ہے، ان سے رضاعت کے رشتے سے بھی حرام ہے اور سورۂ نسا کی آیت ۲۳ میں بھی یہ مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کے باریک مسائل سمجھنے اور ان پر عمل پیرا رہ کر اسلامی زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یا رب العالمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین۔

پانچواں پارہ

چوتھا پارہ ان عورتوں کے ذکر پر ختم ہوا تھا جن سے نکاح از روے شرع حرام ہے۔ اب پانچویں پارے کا آغاز اسی بحث کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان مذکورہ محرمات کے سوا دوسری عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، بشرطیکہ انھیں طے شدہ مہر اَدا کیا جائے اور اِرادہ گھر بسانے کا ہو نہ کہ محض وقتی لذت لینے کا۔

آیت ۲۶ سے اللہ کی رحمت کے دو مظاہر بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے ایسی شریعت عطا فرمائی جس پر عمل سے معاشرہ کے ہر فرد کے مال، جان اور آبرو کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے ماضی کے واقعات کے بیان سے انسان کو اعتدال کی راہ پر چلنے کی روش اور اس کے اچھے انجام سے آگاہ فرمایا۔

شریعت کے مقابلے میں جو لوگ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ انسانوں کی شریعت سے دور ایسے راستے کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جس میں وقتی لذت تو ہے لیکن اس دنیا کا امن بھی برباد ہوتا ہے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جب کہ شریعت پر عمل کی صورت میں انسان کو ایسی سہولت حاصل ہوتی ہے جو گمراہ کن عقائد، بے جا رسومات اور خرافات وواہیات کے بوجھ سے انسان کو آزاد کرا دیتی ہے۔

آیت ۲۹ میں بتایا کہ باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھانا حرام ہے اور باہمی رضامندی سے تجارت جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی جائز ہے۔ اسی طرح ہبہ اور وراثت کے ذریعے جو مال ملے وہ بھی جائز ہے؛ مگر جوا، سٹہ، غصب، چوری، ڈاکہ، خیانت، رشوت، جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعے دوسروں کا مال حاصل کرنا حرام ہے۔ اور جو شخص ظلماً دوسروں کا مال کھائے گا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔

اس کے بعد آیت ۳۱ میں بتایا گیا کہ انسان اگر بڑے بڑے گناہوں سے بچے گا تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ خود ہی معاف فرما دے گا اور بڑے عزت والے مقام میں داخل فرمائے گا۔ اس میں ہمارے لیے بہت بڑی بشارت اور خوشخبری ہے۔ لیکن آج معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر انسان کماتا حرام ہے لیکن کھاتا سنت طریقے سے ہے۔ گویا مچھر چھانتا ہے اور پورے پورے اونٹ نگل جاتا ہے۔

اگلی آیت میں حسد کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنی حکمت سے کسی کو مال، عزت یا مرتبے میں فضیلت دے رکھی ہے تو اس کے زائل ہونے کی تمنا نہ کرو؛ کیونکہ یہی حسد ہے جو حرام ہے، کسی کے ساتھ حسد کرنے سے بہتر ہے کہ اللہ سے اس کا فضل کا سوال کرو، اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں، کیوں کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں (یعنی شوہر مہر بھی ادا کرتا ہے اور بیوی بچوں کی کفالت بھی اس کے ذمے ہے)۔ نیک بیویاں اپنے شوہروں کی تابعدار ہوتی ہیں اور اللہ کی حفاظت کے سہارے شوہر کے مال، اولاد، بستر، راز اور آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ سوال ہوا کہ اچھی عورت کون ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھی عورت وہ ہے جو اپنے شوہر کو خوش کرے جب بھی وہ اس کی طرف دیکھے، اور اس کا کہنا مانے جب بھی وہ کوئی حکم دے اور اپنی جان و مال سے کوئی ایسا کام نہ کرے جو شوہر کو برا اور ناگوار لگے۔

جو عورت شوہر کی نافرمان ہو، اسے ناشزہ کہتے ہیں۔ قرآن نے نافرمان عورت کی تدریجی اصلاح کا حکم بیان کیا ہے، یعنی [الف] اسے پیار ومحبت سے سمجھانا۔ [ب] عارضی طور پر ان کے بستر علیحدہ کرنا۔ [ج] تادیباً سرزنش کرنا۔ اگر ان تدریجی اقدامات

سے عورت اصلاح قبول کر لے تو اس پر سختی کی ممانعت ہے ؛ لیکن اگر ان تدریجی اقدامات سے زوجین کے درمیان تنازع رفع نہ ہو تو قرآن نے مصالحت کا یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک حکم (منصف) مل بیٹھیں اور اگر وہ اصلاح پسند ہوں گے تو اللہ تعالی زوجین کے درمیان اِتفاق پیدا فرما دے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے اِزدواجی زندگی کو خوشگوار رکھنے اور اُستوار رکھنے کو بڑی اہمیت دی ہے۔

اس کے بعد آیت ۴۱ سے ایک لرزہ دینے والا مضمون شروع ہوتا ہے کہ روز قیامت ہر امت پر اس کے رسول بطور گواہ لائے جائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کے خلاف گواہ کے طور پر لایا جائے گا، اور آپ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! میں نے ان تک تیرا پیغام دین پہنچا دیا تھا اور انھوں نے اس کی شہادت بھی دے دی تھی، اب ان کی ذمہ داری ہے کہ عمل کیا یا نہیں!۔

پھر اس کے فوراً بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا یا آپ کی نافرمانی کی روزِ قیامت احساسِ ندامت سے وہ چاہیں گے کہ زمین ان کے برابر کر دی جائے اور وہ اس میں دفن ہو جائیں لیکن انھیں اپنے کیے کا وبال بہر حال چکھنا پڑے گا۔

آیت ۴۴ سے شراب کی حرمت کے حوالہ سے ذہن سازی کرتے ہوئے فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جا تا کہ مدہوشی کے عالم میں کوئی غلط اور نازیبا بات منہ سے نہ نکل جائے۔ اس کے بعد جنابت اور تیمّم کے بعض مسائل ذکر کیے اور پھر یہودیت کی مکروہ ذہنیت کا پردہ چاک کرتے ہوئے ان کی بعض سازشوں اور خرابیوں کو بیان کیا۔ امانت کو اس کے مستحقین تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اللہ اور اس کے رسول اور اولو الامر کی اطاعت کی تلقین فرمائی۔

بعض لوگ ایمان کے دعوے کے باوجود طاغوت (اللہ کے باغی رہنماؤں) سے اپنے فیصلے کراتے ہیں جبکہ انہیں طواغیت سے براءت کا حکم دیا گیا ہے۔شیطان انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے۔جب انہیں اللہ کے کلام کے مطابق فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ لوگ اس راستہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگتے ہیں۔

اس کے بعد ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ایک منافق اور ایک یہودی میں اختلاف ہوا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل کی روشنی میں فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔منافق نے حضرت عمر سے انصاف مانگا۔انہوں نے اسے قتل کر دیا کہ جو شخص رسول خدا کے فیصلہ کو انصاف کے منافی خیال کرے انصاف کا تقاضا ہے کہ اسے زندگی کی قید سے آزاد کرا دیا جائے۔اس پر قرآن کریم نازل ہوا کہ تمہارے رب کی قسم ہے کہ وہ شخص ایمان سے خالی ہے جو اپنے اختلافات میں آپ کے فیصلہ کو بلا چوں و چرا تسلیم نہ کرے۔

آیت نمبر:۶۰ تا ۶۳ میں منافقین کی اطاعت رسول سے گریز کی مجرمانہ روش اوران کے مکروہ چالوں اور دورخے پن کا ذکر ہے۔وہ اپنے تنازعات کے فیصلے معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرانے کی بجائے یہود سے کراتے تھے، انھیں پتا تھا کہ یہود کی عدالتوں سے دے دلا کر من پسند فیصلے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ قرآن کی طرف اور اللہ کے رسول کی طرف تو وہ اللہ کے رسول کی طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ہاں! جب کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر رسول کریم علیہ السلام کے پاس بھاگے ہوئے آتے ہیں اور اپنے مخلص ہونے کی یقین دہانیاں کراتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے کہ ان کے باطن میں کیا ہے۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصیت کی گئی کہ انھیں زیادہ اہمیت نہ دیں اور انھیں فیصلہ کن انداز میں نصیحت کریں تاکہ یہ منافقانہ روش ترک کر کے کسی ایک طرف یکسو ہو جائیں۔موجودہ دور میں

انکارِ سنت کے فتنہ کی گمراہی بھی یہی ہے کہ وہ قرآن سے رہ نمائی لینے کو تیار ہیں؛ لیکن سنت رسول کو حجت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں!۔

اس کے بعد اہلِ ایمان کے لیے ایک ایمان افروز نوید ہے، اور یہ آیات اطاعت رسول کے موضوع پر انتہائی تاکیدی اسلوب رکھتی ہیں۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اے رسول! یہ آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے دعاے مغفرت کریں، تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا پائیں گے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے استغفار کیا جائے، تو اللہ اسے رد نہیں فرماتا۔ اور یہ وسیلہ مغفرت آج بھی مسلمان کو- الحمدللہ- حاصل ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے رسول کو آپس کے جھگڑوں میں حاکم نہ بنائیں اور پھر آپ جو فیصلہ صادر فرمادیں، اُسے دل وجان سے قبول نہ کریں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر دل میں بھی کوئی تنگی اور ملال نہیں آنا چاہیے) تو وہ بظاہر دعواے ایمان کے باوجود حقیقت میں مومن نہیں ہوسکتے۔

آیت ۶۹ سے بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے، اللہ کے انعام یافتہ بندوں انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ جنت میں ہوں گے۔ ایسے پاکیزہ لوگوں کا ساتھ میسر آ جانا اللہ کے فضل کا آئینہ دار ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کی فضیلت بیان کر کے سب سے بڑی اطاعت اور نیکی کا حکم دیا اور وہ غلبۂ اسلام کے لیے اپنی جان ومال لگا کر جہاد میں حصہ لینا ہے۔ فرمایا: اے ایمان والو! جہاد کے لیے میدانی جنگ یا چھاپہ مار جنگ جو بھی وقت کا تقاضا ہو اسے اختیار کرو۔

جہاد وقتال کی ترغیب کے بعد مسلمانوں کو منافقین کی تدبیروں اور سازشوں سے

چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ سنگ دل گروہ ہے جس نے اسلام کا جامہ زیب تن کر کے ہمیشہ اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ مدینہ منوہ میں جو پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اس کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بننے میں بھی یہی گروہ پیش پیش تھا، مسلمان ان حرماں نصیبوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں متردد تھے کہ سورۂ نسان کا وہ حصہ نازل ہوگیا جس میں ان کی ذلت آمیز حرکتوں، خفیہ منصوبہ بندیوں اور بغض وحسد پر مبنی کارروائیوں کا پول کھول دیا گیا اور ان کے بارے میں واضح فیصلہ سنا دیا گیا کہ ان کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے؛ تا کہ اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان حد فاصل کھڑی کردی جائے، اور مسلمان منافقوں کے بارے میں یک آواز ہوجائیں اوران کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

اگلی آیت میں بتایا گیا کہ تمہاری صفوں میں ایسے منافقین بھی موجود ہیں جو جہاد کے مخالف اور محاذ جنگ سے پیچھے رہنے والے ہیں۔ان بزدل لوگوں کو جب جہاد کی دعوت دی جاتی ہے، تو جان جانے کے خوف سے ان کے دل لرز جاتے ہیں اور وہ زندگی کی مہلت چاہتے ہیں۔اللہ تعالی نے فرمایا: اے رسول کہہ دیجیے! دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور اہلِ تقوی کے لیے آخرت بہتر ہے۔

پھر آیت ۷۸ سے موت کے ڈر سے جہاد سے گریز کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تم کو پالے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں قلعہ بند ہی کیوں نہ ہوجاؤ۔ منافقوں کا ایک شعار یہ بھی بتایا کہ انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچے تو (رسول اللہ سے) کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے۔ (اے رسول!) آپ کہہ دیجیے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر فرمایا: تمہیں جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تمہیں جو برائی پہنچے تو وہ تمہاری ذات کی وجہ سے ہے۔

منافقوں کی ایک خصلت یہ بھی بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کہتے ہیں ہم نے آپ کا حکم مانا، پھر رات کو اپنی مجلسوں میں اس کے برعکس بات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا، تو یہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ قرآن نے ایک اصول بتایا کہ حالتِ جنگ اور زمانہ جنگ میں امن اور خوف (یعنی فتح وشکست) کے حوالے سے ہر سنی سنائی خبر کو پھیلانا نقصان کا سبب بنتا ہے، ایسے زمانے میں خبروں پر نگرانی کا اہتمام ہونا چاہیے کہ کس خبر کی اشاعت مسلمان کے لیے مفید اور کس کی اشاعت مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، اسے آج کل کی اصطلاح میں Censorship کہتے ہیں اور جدید دنیا میں بھی حالتِ جنگ میں خبروں کی اشاعت سرکاری کنٹرول ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ کرنا اہلِ نظر اور سیاست وجنگ کے ماہرین کا کام ہوتا ہے۔

ہم نے رسول کو اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ اطاعتِ خداوندی اطاعتِ رسول میں مضمر ہے۔ اللہ کے تمام احکامات انسانوں تک سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہی پہنچے ہیں، تو جو آپ کی اطاعت نہیں کرتا وہ دراصل اللہ کی بھی اطاعت نہیں کرتا۔ منافقین تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو اطاعت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن بعد میں طرزِ عمل برعکس اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام باتوں اور حرکات کو محفوظ کر رہا ہے، عنقریب وہ اپنی اس روش کا برا بدلہ پا کر رہیں گے۔

اس کے بعد قرآن کریم میں غور وخوض کی دعوت دیتے ہوئے اس کے حق وصداقت پر مبنی ہونے کے لیے دلیل یہ دی ہے کہ اس میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اور یہ جتنا جتنا انسان کے اندر اُترتا ہے اتنا ہی انسان کے باطن کو ایمان ویقین سے منور کر دیتا ہے۔

پھر معاشرہ کا امن وسکون تباہ کر دینے والی بدترین عامل افواہ سازی کی مذمت

کرتے ہوئے اس کے سد باب کا طریقہ بیان کیا ہے کہ متعلقہ شخص سے رابطہ کر کے تحقیق کر لی جائے تو افواہیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں اور اگر دین کی کوئی بات سامنے آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے ماہرین سے رجوع اور تحقیق کے بغیر اس پر عمل نہ کیا جائے۔ جہاد کے لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو ہدفِ تنقید بنانے کی بجائے اپنے آپ کو پیش کر دے اور دوسرے مسلمانوں کو جہاد میں شریک کرنے کے لیے ترغیب دیتا رہے۔ یہی وہ راستہ ہے، جس سے کافروں کا زور توڑا جا سکتا ہے۔ اللہ بڑی طاقت کے مالک ہیں اور وہ دشمنانِ اسلام کو عبرت کا نشان بنا سکتا ہے۔

آیت ۸۶ میں معاشرتی آداب بتائے گئے کہ جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے ،تو تم اس سے بہتر الفاظ میں جواب دو (جیسے السلام علیکم کے جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) یا کم از کم انہی الفاظ میں جواب دو (جیسے السلام علیکم کے جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام)۔

پھر اس کے بعد کسی بے گناہ کے قتل کی صورت میں دیت کی ادائیگی کا ضابطہ بیان کیا اور کسی مومن کے ناجائز قتل کی صورت میں دائمی جہنمی ہونے کی وعید بیان فرمائی، پھر بلا تحقیق کسی کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے سے منع کرتے ہوئے بتایا کہ اگر کوئی اجنبی شخص تمہیں سلام کرتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی علامت ہے محض شک وشبہ کی بنیاد پر اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔

پھر محاذِ جنگ پر مصروفِ عمل مجاہد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ مجاہدین اور قاعدین ہمسر نہیں ہیں یعنی جہاد سے پیچھے رہنے والے، جہاد کرنے والوں کے برابر کبھی نہیں ہو سکتے، ہر مسلمان سے اللہ نے اجر وثواب کا وعدہ کر رکھا ہے مگر مجاہدین کا مرتبہ اور مقام بہت بڑا ہے، پھر ہجرت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویدار ہو کر بھی ایسی جگہ سے ہجرت نہ کرے جہاں اسے دین پر عمل

کرنے کی اجازت نہ ہوتو اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جو لوگ بلا عذر اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے، موت کے وقت فرشتے انھیں ملامت کرتے ہیں اور جہنم میں داخل ہونے کی وعید سناتے ہیں۔

پھر اللہ کے نام پر ہجرت کرنے والوں کو اللہ تعالی بڑی وسعت اور فارغ البالی کی بشارت دی گئی ہے۔ ہجرت کے لیے گھر سے نکلنے کے ساتھ ہی انسان اللہ کی طرف سے اجر عظیم کا حقدار ہو جاتا ہے خواہ اسے راستے ہی میں موت کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کے بعد جہاد اور نماز کی اہمیت کے ایک قرآنی حکم کا تذکرہ ہے۔

مسلمان غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر جب ظہر کی نماز پڑھنے لگے تو کافروں نے کہا کہ ہمیں اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو اس حالت میں ایک دم حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا بہت آسان تھا۔ انہوں نے عصر کی نماز میں حملہ کرنے کی پلاننگ کر لی، جس پر اللہ تعالی نے اپنے نبی کو کافروں کی اس خفیہ تدبیر کی اطلاع بھی دی اور اس کے سد باب کے لیے صلوٰۃ الخوف کا طریقہ بھی بیان کر دیا کہ اگر دشمن سے جان کا خطرہ ہو تو نماز کے لیے اس طرح صف بندی کریں کہ ایک صف امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت مکمل کر لے۔ دوسری صف نیت باندھ کر کھڑی رہے اور دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے پھر دوسری صف ایک رکعت امام کے ساتھ مکمل کر لے اور پہلی صف پیچھے ہٹ کر دشمن کے اچانک حملہ کی صورت میں جوابی کارروائی کے لیے تیار رہے پھر امام اپنی نماز مکمل ہونے پر سلام پھیر دے اور دونوں صفیں باری باری اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر لیں۔ اس طرح نماز کے فریضہ کی بروقت اور باجماعت ادائیگی بھی ہو جائے گی اور جہاد کے فریضہ کی ادائیگی میں بھی کوتاہی اور غفلت نہیں ہوگی۔

بظاہر یہ حکم اس سفر کے دوران ہے جو جنگ کے لیے ہو اور جس میں دشمن سے خطرہ محسوس ہو؛ البتہ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے کہ آپ نے ہر سفر کے

دوران جس کی ایک معینہ مسافت ہو نماز میں قصر کی سہولیت اختیار فرمائی۔اور اسی ضمن میں حالت سفر میں اُمت کو قصر نماز کا حکم بھی عنایت فرمایا۔

چنانچہ دشمنوں کی تدبیر دھری کی دھری رہ گئی اور نماز اور جہاد کی مشترکہ اہمیت بھی واضح ہوگئی کہ نماز جیسے عظیم الشان عمل کی وجہ سے جہاد کو مؤخر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور جہاد جیسے اہم عمل کی بنا پر نماز میں غفلت اور کوتاہی کی اجازت نہیں دی گئی۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی دوران جہاد ذکر میں مشغولیت رہے۔نماز کو وقت مقرر پر ادا کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ہر حال میں عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنے کی تلقین ہے۔ یہ دراصل اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ کسی گھر میں چوری ہوگئی تھی چور انتہائی چالاک اور چرب لسان تھے، انہوں نے ایک بے گناہ یہودی کو پھنسا کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کی۔بعض لوگ ان کی چرب لسانی سے متاثر ہو کر انہیں بری کرانا چاہتے تھے۔قرآن کریم نے ان کے جرم کو طشت از بام کرتے ہوئے تاکید فرمائی کہ بلا تحقیق کسی خائن مجرم کی حمایت کرنے کی بجائے عدل وانصاف کے قانون کے مطابق فیصلہ کر کے مجرمین کو سزا دینی چاہئے۔دنیا میں اگر تم نے کسی مجرم کو بچا بھی لیا تو کل قیامت میں اللہ کی گرفت سے اسے کون بچائے گا۔جس نے جرم کیا سزا بھی اسی کو ملنی چاہئے۔اپنے گناہ کا الزام دوسرے پر تھوپنا بہت بڑا جرم ہے اور بہتان تراشی کے زمرہ میں آتا ہے۔کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے خفیہ تدبیروں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی خفیہ تدبیر کرنی ہی ہے تو کسی نیک کام، صدقہ وخیرات یا مفاد عامہ کے لیے کرنی چاہیے۔اس پر اجر عظیم نصیب ہوگا۔

یہ واقعہ عدل وانصاف کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ ایک یہودی اور مسلمان (منافق) کے تنازع میں جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا میلان بوجہِ شفقت ورحمت مسلمان کی طرف ہوا تو اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو ایسا نہ کرنے کا حکم ہوا اور اسے قرآن کریم کا حصہ بنا دیا؛ تا کہ ہر اُمتی ہر معاملے میں اپنے ہاتھ سے عدل وانصاف کا دامن کسی بھی حالت میں چھوٹنے نہ دے، اور ہر صورت میں عدل سے کام لے خواہ اس کا فائدہ کسی کافر کو ہی کیوں نہ پہنچے۔

آیت ۱۱۵، اِجماعِ امت کے لیے دلیل قرآنی فراہم کر رہی ہے۔ ہر کسی کو یہ بات معلوم ہے کہ شریعت کے ماخذ چار ہیں: کتاب وسنت اور اجماع وقیاس۔ اجماعِ امت کو اس آیت میں 'سبیل المومنین' یعنی مومنوں کا راستہ کہا گیا ہے۔ فرمایا کہ جو کوئی مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر یعنی مومنوں کے متفقہ فیصلے کو رد کر کے کوئی الگ روش اختیار کرے اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علاحدہ مسجد بنائے تو وہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں انتشار پیدا کرنے کا مجرم ہوگا۔ یہ درحقیقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے دشمنی کی صورت ہے کہ ان کی امت میں پھوٹ ڈال دی جائے، ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جہنم رسید فرمائے گا۔

اس کے بعد متعدد آیات میں انسان کی سرکشی کا سبب بتلایا گیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے مقابلے میں شیطان کی اطاعت کرتا ہے؛ حالانکہ وہ اس کو ہدایت کے راستے سے بہت دور لے کر جا رہا ہے۔ پھر جنت وجہنم کی باتیں اور ہر شخص کو اپنے عمل کا بدلہ بھگتنے کے لئے تیار رہنے کی تلقین اور مساوات مرد وزن کا قرآنی ضابطہ اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے طرز زندگی کو اختیار کرنے کا حکم اور کائنات پر اکیلے اللہ کی بلاشرکتِ غیرے حکمرانی کا بیان ہے۔

آیات ۱۲۷ سے ایک بار پھر بعد خواتین کے مسائل وحقوق بیان کیے جا رہے ہیں کہ ان کے ضعف وکمزوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ ظلم وناانصافی کا معاملہ نہ کیا جائے۔ میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں خلع کا ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے لیے علاحدگی بہتر ہے، اور اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اگلی آیات میں اہل ایمان کوحکم دیا گیا کہ عدل کے قائم کرنے والے بن کر کھڑے ہوجاؤ، یہی اللہ کی شانِ عدل کی گواہی ہے۔ عدل کرتے وقت یہ نہ دیکھو کہ اس کا نقصان کس کو پہنچ رہا ہے، کوئی قرابت دار ہو یا غیر، پھر وہ غنی ہو یا فقیر، اللہ اس کا زیادہ خیر خواہ ہے، تم اسے فائدہ پہنچانے کے لیے عدل کے منافی روش اختیار نہ کرو، اگر تم نے یہ حرکت کی تو جان لو کہ اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ اس آیت کی رو سے معاشرے سے ظلم وزیادتی کو ختم کرنا اور ایک عادلانہ نظام کے قیام کے لیے جدو جہد کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

آیت ۱۴۰ میں اہل ایمان کو یہ ہدایت دی گئی کہ اگر کسی محفل میں اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہو یا ان کا مذاق اُڑایا جارہا ہو تو غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے کہ اس محفل کا احتجاجاً بائیکاٹ کر دیا جائے۔ نیز جس مجلس میں کوئی گناہ ہورہا ہو اسے روکنے کی کوشش کی جائے، اگر روکنا ممکن نہ ہو تو پھر اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے وہاں سے اُٹھ جانا چاہیے۔ جو ایسی مجلس میں بیٹھا رہے گا وہ بھی دراصل ان مجلس والوں ہی کی طرح شمار کیا جائے گا۔

پھر بتایا گیا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش میں اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ لوگ نماز میں سستی اور اللہ کے ذکر سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ تذبذب کا شکار رہتے ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر۔ ایسے گمراہوں کو ہدایت بھی نہیں ملا کرتی۔ یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے، مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں سے دوستی اور گٹھ جوڑ کی اجازت نہیں ہے۔ کافروں کو مسلمانوں پر کسی طرح بھی فوقیت نہیں دی جاسکتی، یہ لوگ اگر تائب ہو کر اپنا طرزِ عمل درست کر لیں تو ان کا شمار بھی مومنین کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ اگر تم ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہو اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اللہ تو دلوں کا بھید جاننے والا بڑا ہی قدردان ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے فہم قرآن کو ہمارے لیے آسان فرمائے اور اس کے فیوض وبرکات سے ہمیں پورے طور پر مالا مال فرمائے۔ اور معاشرے میں صالح انقلاب لانے کی توفیق ہمارے رفیق حال کر دے۔ آمین یارب العالمین۔

چھٹواں پارہ

پانچویں پارے کے اخیر میں منافقوں کی مذمت تھی اور سخت ترین عذاب کی وعید سنائی گئی تھی؛ اس لیے چھٹے پارے کے شروع میں یہ اہم اسلامی اصول بتایا گیا کہ اسلام دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کا حکم دیتا ہے اور برائی کی تشہیر کو پسند نہیں فرماتا؛ مگر اس کے باوجود مظلوم کو دادرسی کے لیے ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی اِجازت دی گئی ہے۔ عنقریب مظلوم کی فریادرسی ہوگی اور ظالم کو اپنے ظلم کی سزا مل کر رہے گی؛ البتہ اگر کوئی برائی پر درگزر کر کے نیکی کرے، پھر چاہے اس کا اظہار کرے یا پوشیدہ رکھے، دونوں صورتوں میں اللہ کو یہ عمل بہت پسند ہے۔ اللہ کا اپنا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو سزا دینے پر قدرت رکھنے کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔

آیات ۱۴۹ سے ایمان بالرسالۃ کے حوالے سے بڑی معرکۃ الآرا بات کی گئی کہ جو لوگ اللہ کو مانیں اور رسولوں کا انکار کریں یا کچھ رسولوں کو مانیں کچھ کا انکار کریں وہ پکے کافر اور ذلت آمیز عذاب کے مستحق ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو تسلیم کریں وہ کامل ایمان والے ہیں اور قیامت میں اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

اس کے بعد یہود اور ان کی فطری خباثتوں کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔ یہودِ مدینہ نے حضور علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ ہمارے نام پر اللہ تعالی سے ایک خط لے کر آئیں۔ اللہ تعالی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ اس قسم کے بیجا مطالبات سے دل برداشتہ نہ ہوں، ان کے آباؤ اجداد نے حضرت موسی علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کیا تھا کہ ہم سے اللہ کی بالمشافہ ملاقات کرائیں، تو ان پر ایک کڑک مسلط کی گئی۔

موسی علیہ السلام کو ہم نے واضح دلائل اور معجزات عطا کیے تھے۔مگر اس کے باوجود یہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ان کے سروں پر کوہ طور معلق کر کے ان سے عہد و پیان لیا گیا۔انہیں بیت المقدس میں عجز و انکساری کے ساتھ داخلہ کا حکم دیا، سنیچر کا دن ان کی عبادت کے لیے مقرر کیا مگر یہ کسی بات پر بھی پورے نہیں اترے۔ان کے جرائم کی فہرست بڑی طویل ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ان کی نازیبا حرکات کی بنا پر اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا ٹھپہ لگا دیا ہے کہ اب یہ ایمان لا ہی نہیں سکتے۔انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعوی کیا جبکہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا سولی پر چڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔انہوں نے شبہہ کے اندر کسی دوسرے کو پھانسی پر لٹکا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالی نے آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا۔وہ قرب قیامت زمین پر دوبارہ اُتریں گے، تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے، ایمان کو ظاہر کرنے والے سرخرو ہوں گے اور ایمان کو چھپانے والے خائب وخاسر ہوں گے۔

آیات ۱۶۰ سے بتایا گیا کہ یہودیوں کی ظالمانہ حرکتوں کی بنا پر پاکیزہ اور حلال چیزوں کو ان پر حرام کیا گیا۔منع کرنے کے باوجود سود کھانے، لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر ہڑپ کر جانے کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے؛ لیکن ان میں ایسے اعتدال پسند علم و فضل والے بھی ہیں جو علم حقیقت کی گہرائیوں تک رسائی رکھتے ہیں۔یہ اس علم کی صداقت کا فیض ہے کہ وہ اللہ پر، اس کے نازل کردہ کلام پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہوئے اسلام کو قبول کر کے نماز اور زکوۃ کی پابندی کرتے ہیں۔ان کے لیے بشارت ہے کہ عنقریب اللہ انھیں شاندار بدلے سے نوازے گا۔

پھر اختصار کے ساتھ سلسلہ انبیا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، عیسی، ایوب، یونس، ہارون، سلیمان کو نبی بنایا۔اور ایمان

بالرسالت کا مقصد ہے لوگوں پر اتمامِ حجت۔ فرمایا گیا کہ رسول بشارت دینے واور خبر دار کرنے والے تھے، انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ کے احکامات کیا ہیں، احکامات پر عمل کرنے کا حسین انجام کیا ہے اور احکامات سے پہلوتہی کی سزا کیا ہے۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ روزِ قیامت لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا جواز نہ رہے۔

یوں ہی آپ کو بھی (اے پیارے حبیب!) انہی انبیا علیہم السلام کی طرح نبی برحق بنایا گیا ہے۔ اگر آپ کی نبوت کی گواہی یہودی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اللہ تعالی اور فرشتوں کی گواہی کافی وشافی ہے۔

آیت ۱۷۰ سے کل عالم انسانیت کو دعوتِ عام دی جارہی ہے کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ رسولِ برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی غلامی کا قلادہ گلوگیر کر لیں۔ پھر بڑے پُر جلال انداز میں فرمایا گیا کہ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو جان لیں کہ آسمانوں اور زمین کا اقتدار اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کی نافرمانی انھیں سخت سزا سے دوچار کرسکتی ہے۔

اس کے بعد قرآن کریم کا روئے سخن عیسائیوں کی طرف ہو گیا، فرمایا: دین میں مبالغہ آمیزی نہ کیا کرو۔ ادب واحترام کے جذبات کو اپنی حدود میں رکھنا چاہیے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کہنا یا اللہ کا بیٹا کہنا کوئی دین داری نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام یا اللہ کے مقرب فرشتوں نے اللہ کا بندہ کہلانے میں کبھی کسی قسم کا عار محسوس نہیں کیا۔ معبود تو ایک ہی اللہ ہے، وہ اولاد سے پاک ہے۔ اس کے ہاں قرب کا معیار اعمال ہیں۔ جو ایمان اور اعمال صالحہ کرے گا اسے پورا پورا اجر وثواب ملے گا اور اللہ اپنی طرف سے اضافی جزا بھی دے گا اور بندگی سے شرم محسوس کرنے والے متکبرین کو دردناک عذاب دے گا اور پھر اللہ کی گرفت سے انہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا؛ لہٰذا عیسائیوں کی خیر اسی میں ہے کہ گمراہ کن افکار وتصورات سے باز آجائیں اور توحید خالص اختیار کر لیں۔

آیات ۱۷۴ سے ایک بار پھر بنی نوعِ انساں کو دعوت دی گئی ہے کہ تمہارے پاس قرآن حکیم کی صورت میں حق کی دلیل اور ہدایت کی واضح روشنی آچکی ہے۔اب جولوگ اللہ پر ایمان لائیں اور قرآنِ حکیم سے چمٹ جائیں تو اللہ انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا،اپنے فضل سے مالا مال کردے گا اور اپنی طرف سیدھے راہ کی ہدایت دے گا۔ قرآن سے چمٹنے سے مراد محض زبانی اقرار نہیں بلکہ دل سے یقین رکھنا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اس کی باقاعدہ تلاوت کرنا، اسے سمجھنا، اس کے انفرادی احکام پر عمل کرنا اور اس کے اجتماعی احکامات کے نفاذ کی کوشش کرنا نیز اس کی تعلیمات وپیغامات کو عام کرنا۔

سورۃ النساء کی آخری آیت میں وراثت کا ایک مسئلہ بیان ہوا کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ماں باپ بھی بقیدِ حیات نہ ہوں اور کوئی اولاد بھی نہ ہو، اِسے شریعت کی اصطلاح میں کلالہ کہتے ہیں اور اس کی ایک حقیقی یا باپ کی طرف سے بہن ہو، تو اس بہن کو کل ترکے کا آدھا ملے گا اور اگر وہ بہن فوت ہو جائے اور وہ بھی لاولد ہو تو یہ شخص اس کے پورے ترکے کا وارِث ہوگا۔اور اگر اس کی دو (یا دو سے زائد) بہنیں ہوں، تو انہیں کل ترکے کا دوتہائی ملے گا۔اور اگر اس شخص کے ورثا میں حقیقی یا باپ کی طرف سے بہن بھائی ہوں تو ان میں پورا ترکہ تقسیم ہوگا اور ہر بھائی کو ہر بہن سے دگنا حصہ ملے گا۔چونکہ اللہ تعالی ضلالت وگمراہی سے بچانا چاہتا ہے، اِس لیے وہ ان مالی معاملات کو بھی بالکل کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔

سورۂ مائدہ: یہ سورہ مدنی ہے؛ چوں کہ اس میں مائدہ (دسترخوان) کا قصہ مذکور ہے؛ اس لیے اسی مناسبت سے اس کا نام 'مائدہ' رکھ دیا گیا۔شریعت اور نفاذِ شریعت کے موضوع پر یہ ایک اہم ترین سورۂ مبارکہ ہے۔حدیث میں آیا کہ 'اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور خواتین کو سورۂ نور کی تعلیم دو اور ان کے مسائل سکھاؤ'۔(سنن بیہقی)

اس سورت میں حلال وحرام کے متعدد احکام اور تین قصے بیان کیے گئے ہیں۔اس

سورت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں وہ آیت بھی ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی جس میں تکمیل دین کا اعلان ہوا ہے۔اور یہ وہ آیت ہے جس کے بارے میں ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق سے کہا تھا کہ اے امیر المومنین! اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو 'یوم عید' قرار دے دیتے۔آپ نے فرمایا: میں اس دن کو بھی جانتا ہوں اور اس گھڑی کو بھی جانتا ہوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کی شام اور جمعے کا دن تھا۔گویا ہماری اس دن دو عیدیں تھیں۔

سورہ کی ابتدا میں ہر قسم کے عہود و مواثیق کی پاسداری کا حکم ہے خواہ وہ عہد وعقد انسان اور رب کے درمیان ہو یا انسان اور دوسرے انسان کے مابین؛ یعنی کلمہ شہادت پڑھنے کی وجہ سے ایمانی بنیادوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں نبھانے کا حکم ہے۔ گویا یہ آیت ان احکام کو بھی شامل ہے جو اللہ نے بندوں پر فرض کیے ہیں اور بیع وشرا، شرکت، اجارہ، نکاح اور قسم جیسے تمام عقود کو بھی شامل ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے عقود اور عہود کو کتنی اہمیت دی ہے۔

ایک موقع پر کافروں نے مسلمانوں کے جانور چھین لیے اور احرام باندھ کر بیت اللہ کی طرف عمرہ کے لیے چل دیے۔مسلمانوں نے ان پر حملہ آور ہو کر ان سے اپنے جانور واپس لینے کا ارادہ کیا جس پر اللہ تعالی نے فرمایا: حالتِ احرام میں کسی پر حملہ درحقیقت شعائر اللہ کی توہین ہے۔کسی کی دشمنی میں اس حد تک تجاوز درست نہیں کہ تم ظلم وزیادتی پر اُتر آؤ۔ تمہیں تو نیک کام میں تعاون اور برے کام میں عدم تعاون کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

پھر اس کے بعد کھانے پینے کی بہت ساری ایسی چیزوں کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے جنھیں زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھا جاتا تھا؛ کیوں کہ ان چیزوں کے کھانے میں صحت وجسم کا بھی نقصان ہے اور فکر ونظر اور دین واخلاق کا بھی۔مثلاً مردار، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے؛ البتہ اضطرار کی صورت میں

جب کہ جن پر بن آئے تو ان کا بس جان بچانے کی حد تک کھالینا شرعاً جائز ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر دین اسلام کے مکمل اور اللہ کے پسندیدہ نظام حیات ہونے کا اعلان ہے۔ پرندوں، چوپایوں اور درندوں کی مدد سے شکار کے لیے اصول وضوابط وضع کیے گئے ہیں۔ اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم اور ان کی خواتین سے نکاح کے جواز کا بیان ہے۔ پھر طہارت حاصل کرنے کے لئے وضو اور تیمّم کا طریقہ اور اس کے بعض مسائل کا تذکرہ ہے۔ شرعی احکام میں آسانی اور سہولت کے پہلو کو مدنظر رکھنے کی نوید سنائی گئی اور نِعم خداوندی پر شکر ادا کرنے کی تلقین ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر کافروں نے حملہ آور ہونے کا پروگرام بنایا اللہ تعالی نے انہیں مرعوب کر کے حملہ کرنے سے باز رکھا، اس انعام خداوندی کا شکر ادا کرنے اور توکل کا اہتمام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے بعد اہل کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس ضمن میں فوجداری معاملات کے لیے قانون سازی بھی کی گئی ہے۔ یہودیوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کو عہد و میثاق کا پابند بنا کر ان کے بارہ قبیلوں پر بارہ نگران مقرر کیے گئے تھے مگر انہوں نے عہد شکنی کی جس کی وجہ سے وہ سنگدل ہو گئے اور اللہ کے کلام میں ردوبدل اور خیانت کے جرم میں مبتلا ہو گئے۔

عیسائیوں کو بھی عہد و پیمان کا پابند بنایا گیا مگر وہ بھی عہد شکنی کے مرتکب ہوئے جس کی نحوست اور برے اثرات نے ان کے اندر بغض و عداوت کی خطرناک بیماری پیدا کر دی۔ اہل کتاب سے خطاب ہے کہ تمہارے پاس ہم نے اپنا رسول بھیج دیا ہے جو تمہاری خیانتوں پر تمہیں مطلع کرتا ہے اور نورِ ہدایت اور کتاب مبین لے کر آیا ہے۔ اس کی اتباع سے تم سلامتی کے راستے پا سکتے ہو اور کفر کی ظلمتوں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہو۔

عیسائیوں کے الوہیت مسیح کے عقیدہ کی مدلل تردید اور یہودیوں کے من گھڑت

عقیدہ پر گرفت ہے کہ اگر وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہوتے تو اللہ انہیں عذاب میں کیوں مبتلا کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو جہاد کے لیے تیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہیں مذہبی اور سیاسی قیادت کے منصب پر فائز فرما کر تمہارے خاندان میں انبیا و رسل اور بادشاہ وملوک پیدا کیے۔ تمہیں بیت المقدس کو عمالقہ کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لیے پیش رفت کرنی ہوگی۔ اللہ نے تمہیں فتح وکامرانی سے ہمکنار کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے؛ مگر وہ لوگ اپنی بزدلی اور طبعی خباثت کے پیش نظر جہاد سے پہلوتہی کرنے لگے اور عمالقہ کی طاقت وقوت سے مرعوب ہو کر حضرت موسی علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ اپنے رب کے ساتھ مل کر جہاد کر کے بیت المقدس کو آزاد کرالیں ہم تو اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہیں گے۔

پھر اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے باہمی اختلاف اور ان کی قربانی کا تذکرہ کر کے بتایا ہے کہ خیر وشر کی قوتیں روزِ اوّل سے باہم دست وگریبان ہیں۔ اللہ تعالی متقی کی قربانی قبول کیا کرلیا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفاذِ شریعت کے لیے ایسے ہی لوگوں کی جدو جہد کامیاب ہوگی جو اپنی ذات میں متقی یعنی اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے والے ہوں۔ قابیل دنیائے انسانیت کا پہلا قاتل ہے، جس نے اپنی ضد اور عناد کی خاطر اپنے بھائی ہابیل کو حسد کی وجہ سے قتل کر دیا۔ دنیا میں قیامت تک جتنے قتل ہوں گے ان کا گناہ قاتل کے ساتھ ساتھ قتل کی طرح ڈالنے والے پہلے قاتل قابیل کو بھی ملے گا۔

آگے بتایا گیا کہ ہابیل نے قابیل کو قتل ناحق جیسے بدترین جرم سے روکنے کے لیے عمدہ وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم مجھے قتل کرنے کی کوشش کرو گے تو میں ہرگز ردعمل کے طور پر تمہیں قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، سوچ لو کہ میرے ناحق قتل سے نہ صرف تم خود گناہ گار ہو گے بلکہ میرے تمام گناہ بھی تمہارے کھاتے میں چلے جائیں گے۔ لیکن قابیل پر اس نصیحت کا کچھ اَثر نہ ہوا اور اس نے ہابیل

کوشہید کر کے خسارہ کا سودا مول لے لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کے ذریعہ سکھایا کہ کیسے زمین کو کھود کر مرحوم بھائی کی لاش اس میں دفن کی جائے۔ جسے دیکھ کر قابیل کو بڑی ندامت وخجالت ہوئی کہ ہائے افسوس! میں تو اس کوے سے بھی گیا گزرا نکلا!۔

اس کے بعد انسانیت کے سب سے بڑے جرم - جسے آج کل دہشت گردی کہا جاتا ہے - کی حد کو اللہ تعالی نے اللہ اور رسول کے خلاف جنگ قرار دے کر اِن کلمات میں بیان فرمایا: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے (یعنی قید کر دیا جائے) یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ ساتھ ہی یہ ضابطہ بھی بیان کر دیا کہ انسانی جان اللہ کی نگاہ میں اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ ایک انسان کے قتل کا گناہ پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے اور کسی انسانی جان کو بچالینے کا اجر وثواب پوری انسانیت کو بچالینے کے برابر ہے۔

اہل ایمان کو تقوی پر کاربند رہنے، اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے اور جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو کر فلاح وکامیابی حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے کر چوری کے سد باب کا بہترین انتظام کیا ہے کہ ہاتھ کٹ جانے کے بعد وہ چور بھی اس جرم سے تائب ہو جائے گا اور دوسرے چوروں کے لیے بھی عبرت کا سامان پیدا ہو جائے گا، نیز یہ ملک کے امن وتحفظ کا بھی باعث ہوگا؛ لہٰذا انھیں ایسی سزا دینی ضروری ہے جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنا از حد ضروری ہے کہ اسلام انسان کی جان، اور عزت ومال کی حفاظت کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور ان کے لیے خطرہ بننے والوں کے لیے ایسی عبرت ناک سزائیں تجویز کرتا ہے کہ ان کا تصور ہی انسان کو جرم کے ارتکاب سے روک

دے اور ایسے لوگوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے جو اجتماعی امن کے لیے خطرہ ثابت ہوں۔ چند ہاتھ کٹنے سے لاکھوں انسانوں کو اگر امن اور سکون میسر آ جاتا ہے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ آج کی دنیا جو کہ جرائم کی کثرت کی وجہ سے جہنم کا نمونہ بن چکی ہے، چیخ چیخ کر اسلامی قوانین اور حدود کے نفاذ کی دعوت دے رہی ہے۔

اگلی آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کے بے جا اعتراضات کرنے سے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دل گرفتہ اور پریشان ہوئے تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ ان کافروں اور یہودیوں کی نازیبا حرکات سے آپ پریشان اور غمگین نہ ہوں۔ یہ لوگ عادی مجرم ہیں۔ اللہ کے کلام میں تحریف، جھوٹ اور حرام خوری ان کی گھٹی میں داخل ہے۔ یہ ایسے لاعلاج مریض ہو چکے ہیں کہ اللہ انہیں پاک وصاف کرنا ہی نہیں چاہتے۔ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب عظیم ان کا مقدر بن چکا ہے۔

پھر آیت ۴۵ میں فوجداری قانون بیان کیا گیا ہے کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کے بدلہ آنکھ، کان کے بدلہ کان، دانت کے بدلہ دانت ہوگا، لیکن اگر کوئی متاثر فریق درگزر اور معافی کا فیصلہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لیے گناہوں کی معافی کا وعدہ کر رہا ہے۔ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی مخالفت کی نوعیت دیکھتے ہوئے ان پر عمل درآمد نہ کرنے والے کافر و فاسق ہیں۔

قرآن کریم سابقہ کتب ساویہ کی تعلیمات کا جامع اور محافظ ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات سے تعلق رکھنے والی کوئی ایسی نصیحت اور کوئی ایسا کام نہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہو اور کتب سابقہ میں ہو مگر قرآن میں نہ ہو۔

اس کے بعد مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ قلبی دوستی لگانے سے منع کیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ امت مسلمہ کے سخت ترین دشمن ہیں۔ قرآن کی صداقت کا زندہ معجزہ ہم اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آپس میں شدید مذہبی اور سیاسی اختلافات کے باوجود یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے مقابلے میں متحد ہیں۔ لیکن تعجب اس پر ہے کہ عالم اسلام کے حکمران اور ممالک اسلامیہ کے لیڈران قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے باوجود یہود ونصاریٰ کی پینگیں بڑھاتے ہیں اور ان کے اشارۂ ابرو پر 'بنیاد پرست' مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں۔

اگر کوئی اسلامی نظام حیات کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس سے اسلام کی حقانیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پھر اللہ کے محبوب بندوں کی چار صفات بیان کی گئی ہیں: اوّل، اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ دوم: اہل ایمان کے حق میں انتہائی نرم اور کافروں کے حوالے سے انتہائی سخت ہوتے ہیں۔ سوم: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ چہارم: اللہ کی راہ میں جہاد کے حوالے سے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ گویا اس آیت میں خبردار کیا گیا ہے کہ اگر یہ صفات ہمارے اندر موجود ہیں تو ہم اللہ کے مطلوب بندے ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اللہ ہمیں اپنے دین کی علم برداری سے محروم کر دے گا اور کسی اور گروہ کو یہ اعزاز دے جو مذکورہ صفات کا حامل ہوگا۔

اہل کتاب کو مسلمانوں سے دشمنی کی وجہ صرف ان کا اللہ پر ایمان اور آسمانی نظام پر غیر متزلزل یقین ہے۔ مسلمان قابل اعتراض نہیں بلکہ قابل اعتراض تو وہ بدترین لوگ ہیں، جن پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوا اور سزا کے طور پر انہیں بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ یہ لوگ اس حد تک ہٹ دھرمی اور ضد میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اللہ پر اعتراض کرنے سے بھی نہیں چوکتے، یہ کہتے ہیں کہ -نعوذ باللہ- اللہ بخیل ہے، اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہاتھ تو ان کے بندھے ہوئے ہیں اور ان کی زبان درازی کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے۔ اللہ کے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے اپنے بندوں پر خرچ کرتا ہے۔ یہ لوگ بدزبانی اور سرکشی میں روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ یہ قوموں کو لڑانے کی

سازشیں کرتے رہتے ہیں۔اللہ ان جنگوں کی آگ کو ٹھنڈا کرتا رہتا ہے۔

پھر حضور علیہ السلام کو تبلیغ رسالت کے فریضہ کی ادائیگی میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرنے کا حکم ہے اور دشمنانِ اسلام سے آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔اس کے بعد نصاریٰ کے عقید تثلیث (Trinity) پر رد اور مریم و عیسیٰ علیہما السلام کی اُلوہیت کا بطلان واضح کر کے بتلایا ہے کہ عیسیٰ کیسے خدا ہو سکتے ہیں وہ تو اپنی والدہ مریم کے ہاں پیدا ہوئے اور وہ دونوں کھانے پینے کے محتاج ہیں۔

یہود کی بے اعتدالیوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت یہود اور مشرکین کو ہے اور نصاری میں عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے، اس لیے ان میں مسلمانوں کے دوست ہیں اور ان کے لیے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔لیکن آج ہمیں جن نصاریٰ کا سامنا ہے وہ حقیقت میں وہ نصاریٰ نہیں جو حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، ان کی اکثریت فکر و عمل کے اعتبار سے یہود کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔بے شمار ایسے ہیں جو ملحد و بے دین ہیں، صرف نام کے عیسائی ہیں باقی جو بچتے ہیں وہ مسخ شدہ عیسائیت پر عمل پیرا ہیں 'نصرانیت' کہیں بھی نہیں ہے۔

حضراتِ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی نافرمانی کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لوگ منزل سے بھٹک گئے اور دربدر کی ٹھوکریں ان کا مقدر بن گئیں۔آج ہمیں بھی اپنے حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ہماری محرومیوں اور زوال کی وجہ اللہ اور اس کے رسول کے راستے کو چھوڑنا تو نہیں!۔اگر ہم بھی اپنی منزل کو پانا چاہتے ہیں تو ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہیے۔

پروردگار عالم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کریم پڑھنے، سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ ﷺ

ساتواں پارہ

چھٹویں پارے کے اُخیر میں اس بات کا انکشاف کیا گیا تھا کہ جو اچھے نصاریٰ ہیں وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے قدرے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اب ساتویں پارے کا آغاز اسی تسلسل کی کڑی ہے کہ نصرانیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو قرآن کریم سن کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بے اختیار ان کی آنکھیں چھلک جاتی ہیں۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ قریش مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے مسلمانوں کی ایک جماعت ہجرت کر کے عیسائیوں کے ملک حبشہ چلی گئی۔ مشرکین نے ان کا تعاقب کیا اور غلط بیانی کے ساتھ نجاشی شاہ حبشہ کو مسلمانوں سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ نجاشی نے انہیں طلب کر کے سوالات کیے۔

مسلمانوں کے نمائندہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جواب میں قرآن کریم کی سورۂ مریم پڑھ کر سنائی۔ نجاشی اور اس کے ساتھیوں پر قرآن کریم سن کر رقت طاری ہوگئی، ان کی ہچکیاں بندھ گئیں، اور ان کی داڑھیاں آنسوؤں کی رم جھم سے تر ہوگئیں، اصل میں اللہ کے کلام میں تاثیر ہی کچھ ایسی ہے کہ اگر ایسے دل اسے سنیں جو بغض وکینہ سے خالی اور خوف وخشیت سے معمور ہوں تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے اشکوں کے تار بندھ جاتے ہیں۔ بالآخر کلام الٰہی سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں کو سرکاری مہمان کے طور پر اپنے ملک میں ٹھہرانے کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد آیت ۸۷ سے حلال وحرام کے حوالے سے کچھ گفتگو اور انتہا پسندی کی مذمت کی گئی ہے۔ اسلام اعتدال کا دین ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، نہ غلو اور نہ ہی کمی کوتاہی؛ اس لیے اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے

اجتناب کوتقویٰ اور کمال کا سبب سمجھا جائے اور نہ ہی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حرام اور حلال کے فرق ہی کو اُٹھا دیا جائے اور بے دریغ ایسی چیزوں کا استعمال شروع کر دیا جائے جنھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

آیت: ۸۹ میں قسم کا حکم بیان کیا گیا ہے ،یعنی کوئی شخص مستقبل میں کسی کام کے کرنے یہ نہ کرنے کی قسم کھائے ،اگر وہ اس قسم پر قائم رہتا ہے،تو فقہی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ قسم میں بری ہے اور اگر وہ قسم کوتوڑ دیتا ہے،یعنی جو کہا ہے اس کے برعکس کرتا ہے، تو اسے حانث کہتے ہیں ۔اس آیت میں قسم کا کفارہ بیان ہوا ہے، جو دس مسکینوں کو اپنے اوسط معیار کے مطابق دو وقت کا کھانا کھلانا یا ان کو لباس دینا یا غلام آزاد کرنا ہے(آج کل غلامی کا رواج نہیں ہے)۔اگر کوئی ان چیزوں پر قادر نہ ہوتو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔اللہ تعالی نے یہ بھی فرمایا کہ اپنی قسموں کی حفاظت کروتا کہ کفارے کی نوبت نہ آئے ۔حدیثِ پاک میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے کسی ایسی بات کی قسم کھائی ہے(جیسے ماں باپ یا بہن بھائیوں سے قطع تعلق کرنا) جس پر قائم رہنا شریعت کی رو سے منع ہو،تو اسے توڑ دے اور کفارہ اَدا کرے۔

آیت ۹۰ تا ۹۲ شراب اور جوئے (قمار) کی حرمت کا حتمی فیصلہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ شیطان اس کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کے افراد میں نفرتیں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ شراب کے نشے میں بہک کر یا جوئے میں مسلسل ہار کر انسان دوسروں کے خلاف ایسی حرکات کرتا ہے جس سے باہمی نفرت اور دشمنی جنم لیتی ہے۔مزید یہ کہ انسان ان کے ذریعہ اللہ کے ذکر اور بالخصوص نماز پڑھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ جوئے کے ذریعہ حرام کمائی کا حصول انسان کو ذکر کی لذت وحلاوت اور نماز کی چاشنی سے محروم کر دیتا ہے۔ بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ تم شراب اور جوئے سے باز آتے ہو یا نہیں؟۔

لہٰذا مسلمانوں کو جوا اور اُم الخبائث کے استعمال سے کلیتًا باز آ جانا چاہیے۔حدیث

شریف میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب فَهَلْ أَنتُمْ مُّنتَهُوْنَ کیا تم باز نہیں آؤ گے؟ کا قرآنی جملہ سنا تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بے اختیار پکار اٹھے: انتهَيْنا یا ربَّنا اے ہمارے رب! اب ہم باز آ گئے۔

اس کے بعد حالت احرام میں شکار کی ممانعت اور اس کی جزا کا بیان ہے۔ ہاں! محرم کو مچھلی کے شکار کی اجازت دی گئی ہے کہ سمندر میں حجاج کے قافلہ کو ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ اس کے بعد کعبۃ اللہ کی مرکزیت اور بقا انسانیت کی علامت ہونے کا بیان ہے۔ بعد ازاں خبیث اور طیب میں امتیاز برتنے کی تلقین ہے کہ کسی چیز کی قلت و کثرت اچھائی کا معیار نہیں ہے۔ یاد رہے کہ حلال و حرام، مطیع و عاصی، بھلا اور برا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دو شانیں بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ شدید عذاب دینے والا بھی ہے اور بہت بخشش و رحم کرنے والا بھی۔ اب ہم اپنے طرزِ عمل سے خود کو اللہ کی کسی ایک شان کا مستحق بنا سکتے ہیں۔

آیت ۹۹ سے ایک بڑے اہم دعوتی نکتے کو بیان کیا گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے لوگوں سے منوانا نہیں۔ اگر داعی کے پیش نظر لوگوں سے منوانا بھی ہو تو پھر وہ ان کی خواہشات کا پاس کرتے ہوئے حق کو چھپاتا ہے، حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کرتا ہے یا دعوت کے اصولوں پر قائم نہیں رہ پاتا۔ لہٰذا ایک داعی کو چاہیے کہ وہ کمی بیشی کیے بغیر حق واضح کر دے۔ اب لوگوں کا حساب لینا اللہ کے حوالے ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون حق سامنے آنے کے بعد اسے قبول کر رہا ہے اور کون حق کو جھٹلاتے ہوئے اس سے روگردانی کر رہا ہے۔

آیت ۱۰۱ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر ضروری سوالات کرنے سے منع فرمایا گیا کہ اگر بہت سی باتیں تم پر ظاہر ہو جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں۔ یہاں پر یہود کی مثال دی گئی کہ وہ بھی اللہ کا حکم آنے پر غیر ضروری سوالات کرتے تھے اور اللہ کی

طرف سے جوابات آنے پر مزید پابندیوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔اب ان پابندیوں کا پاس نہ کرکے اللہ کے احکامات کے عملی کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں نے بعض حلال جانوروں کو بتوں کے نام پر وقف کرکے ان کا دودھ دوہنا، ان پر سامان لادنا اوران کا گوشت کھانا ممنوع قرار دے رکھا تھا، ان میں سے چند یہ ہیں: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام۔اس قسم کے ناموں سے جانوروں کے تقدس کی اسلامی تعلیمات میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔قرآنی تعلیمات کے خلاف آباؤ اجداد کی ناجائز تقلید سے منع کیا گیا ہے۔فساد زدہ معاشرہ میں تبدیلی لانے کی پوزیشن میں نہ ہونے کے باوجود اگر ہم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہے تو گمراہ اور نافرمانوں کے غلط اَثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

حلال وحرام کے ان مسائل کے بعد قیامت کے دن کی منظر کشی اوراس ہولناک دن کے بے لاگ محاسبہ کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ جب تمام رسولوں کو جمع کرکے ان سے سوال کیا جائے گا کہ جب تم نے میرا پیغام میرے بندوں تک پہنچایا تو تمہیں کیا جواب دیا گیا۔تمام رسول اللہ کی بارگاہ میں عاجزی سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! تیرے علم کے مقابلے میں ہمارا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔تو لوگوں کے ظاہری طرزِ عمل سے ہی نہیں بلکہ ان کی باطنی کیفیات سے بھی واقف ہے؛ اس لیے کہ تو تمام رازوں کا جاننے والا ہے۔

تاہم اس خصوص میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص طور پر تفصیلی ذکر کیا گیا ہے، جو کہ بڑے صاحب عزیمت رسول ہوئے ہیں جنہیں مردوں کو زندہ کرنے، بینائی اور برص کے لاعلاج مریضوں کو چنگا کرنے اور مٹی کے جانوروں میں اللہ کے حکم سے روح پھونکنے کے معجزات عطا کیے گئے تھے، یعنی انہیں بھی احتساب کے عمل سے گزرنا پڑے گا اوران سے پوچھا جائے گا کہ عیسائیوں نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو اپنا معبود کیوں بنا رکھا تھا؟۔

وہ نہایت انکساری سے عرض کریں گے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نے تو تیری توحید و الوہیت کی تبلیغ کر دی تھی، میرے بعد لوگوں نے اپنی طرف سے میری اور میری والدہ کی عبادت شروع کر دی۔ اے مولا! یہ تیرے بندے ہیں اب تو ان کے ساتھ جو بھی معاملہ چاہے کر، خواہ معاف کر دے یا عذاب میں ڈال، یہ تیرا اختیار ہے۔ اللہ تعالی فرمائے گا کہ آج کے دن صرف سچائی کے علمبردار ہی عظیم الشان کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکیں گے۔ ان کے لیے دائمی طور پر باغات اور بہتی نہریں تیار ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے وہ اللہ سے راضی ہیں۔

آیت ۱۱۲ میں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ اللہ آسمان سے ہماری لیے تیار خوانِ نعمت نازل کرے، اس سے ہم کھائیں اور قلبی اطمینان پائیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ: اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت نازل فرما، جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری قدرت کی نشانی اور ہمیں رزق عطا فرما، بے شک تو بہترین رزق عطا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں یہ نعمت نازل تو کر دوں گا؛ مگر پھر جو شخص (مطلوبہ نشانی دیکھنے کے بعد) کفر کرے گا تو اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعمتِ الٰہی کے نزول کے دن کو عید کہا جا سکتا ہے اور اسی لیے اہل اسلام میلاد النبی ﷺ کے مبارک دن کو عید سے تعبیر کرتے ہیں۔ قیامت کے دن کی ہولناک منظر کشی اور اللہ کی ہمہ گیر سلطنت کے تذکرے پر سورۂ مائدہ اختتام پذیر ہوتی ہے۔

سورۂ اَنعام: سورۂ مائدہ کے بعد ساتویں پارے کے دوسرے پاؤ سے سورۂ اَنعام کا آغاز ہوتا ہے۔ چونکہ اس سورہ میں اَنعام (چوپائے) اور ان سے متعلقہ انسانی منافع و فوائد کا تذکرہ ہے، نیز جانوروں سے متعلق مشرکانہ و جاہلانہ رسوم و رواج کی تردید کی گئی ہے؛ اس لیے اس سورہ کا نام 'الانعام' رکھا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

کہ مکہ مکرمہ میں ایک ہی رات میں بیک وقت اس شان سے اس سورہ کا نزول ہوا کہ اس کے جلوس میں ستر ہزار فرشتے تسبیح وتحمید میں مشغول تھے۔ (معجم کبیر طبرانی)

اس سورۂ مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ مشرکین مکہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کررہے تھے کہ اپنی نبوت کی صداقت کا ثبوت دینے کے لیے ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ دکھایئے۔ نبی کریم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ اللہ معجزہ ظاہر فرمائے شاید یہ ایمان لے آئیں مگر بے ایمانی جن کا مقسوم بن چکی تھی وہ کہاں ایمان لانے والے تھے! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! یہ لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اسے جادو قرار دے دیں گے اور عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔

معجزات کے ذریعہ لوگوں کو زبردستی مومن بنانا مطلوب نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ قرآن جیسے معجزانہ کلام کو سن کر ایمان بالغیب کی دولت پالیں۔ فرمائشی معجزے کا مطالبہ پورا نہ ہونے پر قریش مکہ آپ کا مذاق اُڑاتے تھے جس پر آپ شدید دل گرفتہ ہوتے تھے، ان حالات میں آپ کی دل جوئی کے لیے یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔

سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے کہ اس نے آسمانوں، زمین، ظلمت اور نور کو پیدا کیا، اسی نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کے لیے ایک مدتِ حیات اور قیامت کا وقت مقرر فرمایا؛ لیکن کافر پھر بھی اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی قدرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ وہ ظاہر و باطن اور انسان کے ہر عمل کو جانتا ہے۔ منکروں کا ایک شعار یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں آنے کے باوجود ان میں غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی کئی قوموں کو ہم نے زمین میں اقتدار عطا کیا، اُن پر موسلا دھار بارشیں برسائیں، ان کے لیے باغات کے نیچے نہریں جاری کیں اور پھر ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا، اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو لے آئے؛ لہٰذا تمہیں ہلاک کر کے دوسروں کو تمہاری جگہ

دے دینا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

آیت ۷ میں فرمایا کہ کافروں کا حال تو یہ ہے کہ اگر لکھی ہوئی کتاب ان کے پاس اُتار دی جائے، جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیں، تو پھر بھی ایمان نہ لائیں بلکہ اسے جادو قرار دیں۔ اسی طرح اگر ان کے پاس فرشتہ اُتر کر آ جائے، تو ملکوتی شکل میں تو وہ دیکھ نہ پائیں اور اگر بشری لباس میں آئے تو پھر وہ کہیں گے کہ یہ تو ہم جیسا بشر ہے۔ حضور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر دور کے کفار و معاندین اپنے نبیوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں، آپ زمین میں مشاہدہ کر لیں، گزشتہ اُمتوں کے تباہ شدہ آثار اُن کے عبرت ناک اَنجام کا پتا دیتے ہیں۔

پھر قیامت کا تذکرہ شروع کر دیا کہ ہم جب انہیں قیامت میں جمع کر کے پوچھیں گے تو یہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہم شرک نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ آپ کی بات سنتے ہیں مگر ان کی بدعملی کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردہ چڑھا ہوا ہے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں اس لیے قرآن کی باتوں کا یہ اَثر قبول نہیں کرتے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس زندگی دنیا ہی کی ہے۔ قیامت کے دن ہم انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر کے پوچھیں گے: اب بتا یہ سچ ہے یا نہیں؟ پھر انہیں اپنے کفر کی سزا برداشت کرنی پڑے گی۔

مشہور بزرگ حضرت یحییٰ -جنھیں لوگ ان کے بہت زیادہ رونے کی وجہ سے 'بکّا' کہا کرتے تھے- جب اُن کے سامنے مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھی گئی، تو اسے سن کر آپ چیخ اُٹھے، اور تقریباً چار ماہ تک صاحب فراش رہے۔ اور بصرہ کے اَطراف سے لوگ ان کی عیادت کے لیے آیا کرتے تھے۔ (احیاء علوم الدین: ۲۸۳/۴)

آیت ۳۱ میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے حضور پیش ہونے کی حقیقت کو جھٹلایا، وہ اپنی بداعمالیوں کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے ہیں اور جب اچانک قیامت آ پہنچے گی تو وہ اپنی کوتاہی پر افسوس کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے

ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ غمگین نہ ہوں، یہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے بلکہ درحقیقت آیاتِ الٰہی کا انکار کر رہے ہیں۔ اگر آپ آج انھیں یہ کلام سنانا چھوڑ دیں تو وہ آپ کو پھر سے ماضی کی طرح الصادق الامین کہنا شروع کر دیں گے۔ آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا، انھیں اذیتیں دی گئیں تو انہوں نے صبر کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو جبراً ہدایت پر جمع فرما دیتا؛ لیکن بندے کو اِختیار دے کر آزمانا اور جزا وسزا کا نظام قائم کرنا دراصل اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔

آیت ۴۶ میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب فرما لے، تو کون ہے جو تمہیں نعمتیں عطا کر سکتا ہے!۔ مشرک رسول اللہ ﷺ سے طرح طرح کے فرمائشی مطالبات کرتے تھے، تو اللہ نے فرمایا: آپ کہہ دیں میں نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو فقط اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے۔ رسولِ رحمت ﷺ اگر چہ اللہ کے بتانے پر غیب کی باتیں جانتے تھے؛ مگر عالم الغیب علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، نبی کے سارے اُمور اللہ تعالی کی عطا سے ہیں۔

اس کے بعد بتایا کہ مشرکین مکہ کے متکبر اور ہٹ دھرم سرداروں کو اپنے ساتھ مانوس کرنے اور ہدایت کے راستہ پر لانے کی امید میں آپ ایسے مخلص اور غریب اہل ایمان کو اپنی مجلس سے نہ دھتکاریں جو اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے صبح وشام اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بھی امتحان کا ایک حصہ ہے کہ کافر و متکبر لوگ غریب مسلمانوں کو دیکھ کر حقارت سے ایسے جملے کسیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہم پر ترجیح دی ہے؟ اللہ شکر گزاروں کو بہت اچھی طرح جانتا ہے، ایمان والے جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے لیے سلامتی کی دعا کریں اور انہیں اپنے رب کی رحمتوں کی خوشخبری سنائیں اور اگر نادانی کے ساتھ کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے توبہ اور اپنی اصلاح کی تلقین کر کے امید

دلائیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔ ہم اسی طرح وضاحت سے اپنی آیات بیان کرتے ہیں تاکہ مجرمین کا طریقۂ کار واضح ہو جائے۔

آیت: ۶۴ میں فرمایا کہ اللہ اِس پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر عذاب بھیجے اور تمہیں ایک دوسرے سے بھڑا دے اور تمہیں ایک دوسرے سے لڑائی کا مزا چکھا دے۔ مفسرین نے فرمایا کہ اوپر کے عذاب کی ایک صورت تباہ کن آندھیاں اور طوفانی بارشیں ہیں اور نیچے کے عذاب کی ایک صورت سیلاب، زلزلے اور قحط سالی ہے۔ اور اوپر کے عذاب کی ایک صورت ظالم حکمرانوں کا مسلط ہونا اور ماتحتوں کا نافرمان ہو جانا ہے اور امت کے مختلف گروہوں کا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہونا بھی ایک صورتِ عذاب ہے اور اِن صورتوں کے مظاہر ہم وقتاً فوقتاً دیکھتے رہتے ہیں۔

آیت ۷۴ تا ۷۹ میں وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں، چاند پرستوں اور سورج پرستوں پر حجت تمام کردی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مظاہر پرست قوم کی حکمت کے ساتھ اِصلاح کرنے اور مظاہرِ کائنات کے فانی ہونے اور اللہ کی توحید کو دلائل سے ثابت کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا۔ رات کی تاریکی چھا گئی اور انہوں نے ایک روشن ستارہ دیکھا، تو کہا: (کیا) یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا کہ میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب جگمگاتے ہوئے چاند کو دیکھا، تو کہا: (کیا) یہ میرا رب ہے، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا ،تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہیں دے گا تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا، تو کہا: (کیا) یہ میرا رب ہے یہ (اِن) سب سے بڑا ہے؛ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا، تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے نہایت حکمت کے ساتھ قوم کو یہ بتایا کہ جو خود کو زوال، غروب

اور فنا سے نہ بچا سکے، وہ رب کیسے ہوسکتا ہے !۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: میں نے اپنا رخِ بندگی اس ذات کی طرف کردیا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، میں تمام باطل مذاہب سے رخ پھیر کر اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی اختیار کرتا ہوں۔آپ نے اپنی حجت باز اور جھگڑالو قوم سے فرمایا: تم اس اللہ کی ذات کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو جس نے مجھے ہدایت دی۔ اِس طویل عقلی اور فکری بحث اور دلائلِ حقہ کے بیان کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: یہ وہ قوی دلیلیں ہیں جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کیں۔

حضرت ابراہیم کو ان کی قوم کے لوگوں نے ڈرایا کہ تم نے ہمارے معبودوں کا انکار کیا ہے؛ لہٰذا تم پر اب کوئی آفت آئے گی۔خلیل اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ نہ جانے کس کس سے ڈرتا پھرتا ہے!۔

پھر کمال اختصار کے ساتھ تین سطروں میں اٹھارہ انبیا و رسل کا تذکرہ اور تعریف بیان کی گئی ہے اور ان کی طرز زندگی کو اپنانے کی تلقین ہے۔

آیت ۹۴ میں بیان کیا گیا کہ روزِ قیامت اللہ تمام انسانوں سے فرمائے گا کہ آج تم ہمارے پاس اسی طرح جمع ہو جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار بنایا تھا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ نے پہلے تمام انسانوں کی ارواح کو بنایا، انھیں جمع فرمایا اور ان سے دریافت کیا: أ لست بربکم . کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: بلیٰ۔ کیوں نہیں یعنی تو ہی ہمارا رب ہے۔ اس آیت میں مزید آگاہ کیا گیا کہ روزِ قیامت شرک کرنے والوں کو بتادیا جائے گا کہ آج تمہارا کوئی خود ساختہ معبود تمہاری سفارش کرنے کے لیے موجود نہیں۔

پھر قدرت خداوندی کی کائناتی حقائق میں مشاہدہ کرنے کی دعوت ہے۔ اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر درخت اور پودے پیدا کرتا ہے۔ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالتا ہے۔(مادی طور پر جیسے مرغی سے انڈہ اور انڈے سے مرغی اور روحانی طور پر

جیسے کافر کے گھر میں مسلمان اور مسلمان کے گھر میں کافر پیدا کرنا) دن وہی نکالتا ہے۔ سکون حاصل کرنے کے لیے رات کو لے آتا ہے۔

سورج چاند کو حساب کے لیے مقرر کیا ہے۔ خشکی وتری میں راستہ متعین کرنے کے لیے ستارے اسی نے بنائے ہیں۔ آسمان سے پانی برسا کر کھیتیاں اور باغات پیدا کیے جن کے اندر سبزیاں، پھل، کھجوریں اور انگور بنائے جو گچھے والے بھی ہیں اور بغیر گچھے کے پیدا ہونے والے پھل بھی ہیں۔ پھلوں کے موسم میں دیکھو کیسے خوشنما اور بھلے لگتے ہیں۔ علم، سمجھ بوجھ اور ایمان رکھنے والوں کے لیے قدرت الٰہی اور وحدانیت کے واضح دلائل ہیں۔

اس کائنات پر کافر بھی نظر ڈالتا ہے اور مومن بھی نگاہ کرتا ہے لیکن دونوں کے نظر ڈالنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ کافر دیکھتا ہے تو اسے پوری دنیا مادی اسباب میں جکڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن جب ایک مسلمان دیکھتا ہے تو اسے ہر چیز اور ہر مرحلے میں قدرت خداوندی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

پھر اخیر میں توحید کا بیان اور شرک کی نفی کی گئی کہ مشرکین جنات کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ مشرکین نے اللہ کی طرف بیٹے اور بیٹیاں منسوب کردیں حالانکہ اللہ کی کوئی بیوی ہی نہیں تو اولاد کیسے ہوسکتی ہے!۔ اللہ سب کا خالق ہے۔ باپ اپنی اولاد کا خالق نہیں ہوتا۔ لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ اللہ ہر مخلوق پر نگران ہے، وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں۔ اللہ نے حق کو بالکل واضح کردیا ہے۔ اب انسانوں کو اختیار ہے چاہے تو حق سے نظریں چرالیں یا حق کی روشنی میں کائنات کے اصل حقائق کو دیکھ لیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل مجدہ کائنات میں پھیلی اپنی نشانیوں سے استفادہ کرنے اور اپنی عبادت وبندگی میں زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آٹھواں پارہ

ساتویں پارے کے آخر میں مشرکین کا یہ مطالبہ ذکر کیا گیا تھا کہ اگر ہمیں کوئی حسی معجزہ دکھایا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اب آٹھویں پارے کے آغاز میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں، اگر ان کو حسی معجزات بھی دکھا دیے جائیں یہاں تک کہ قبروں سے مردے زندہ کر کے ان سے باتیں کریں یا ان کی فرمائش کے مطابق ہر شے ان کے سامنے حاضر کر دی جائے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ ان کے معجزہ دکھانے کا مطالبہ دراصل جہالت اور ہٹ دھرمی کا مظہر ہے۔

بعد ازاں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی مخالفت اور استہزا و اِنکار سے پریشانِ خاطر نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ اِنسی و جنی شیاطین نے ہمیشہ یہ رویہ اختیار کیا ہے، باقی آپ کی نبوت کے اِثبات کے لیے ان کے مطلوبہ معجزات کی کوئی ضرورت نہیں، خدائے بخشندہ نے آپ کو متعدد معجزات سے نوازا ہے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم الشان ہے، تو اگر یہ اسے دیکھ کر اور سننے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو یہ سمجھیں کہ یہ بخت کے مارے ہیں۔

آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر اپنے کام میں لگے رہیے۔ جس طرح مردہ اور زندہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح کفر کے اندھیروں میں بھٹکنے والے اور ایمان کی روشنی میں چلنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جب انہیں کوئی آیت سنائی جائے تو اسے ماننے کی بجائے یہ کہتے ہیں کہ ان آیتوں کی وحی اللہ ہم پر کیوں نہیں اُتارتا؟ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس پر وحی اُتارنی ہے کس پر نہیں۔ مجرموں کو ان کے جرائم کی وجہ سے ذلت و رسوائی اور عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر بتایا گیا کہ ہر دور میں انسانوں کی اکثریت گمراہی کے راستے پر گامزن رہی ہے؛ کیوں کہ اس راستہ کی لذت فوری حاصل ہوتی ہے۔ اب اگر اکثریت کو معیار بنا کر اس کی پیروی کی جائے تو انسان لازماً گمراہ ہو کر رہے گا۔ مغربی جمہوریت کی گمراہی کا بھی بنیادی سبب یہ ہے اس میں اللہ کے عطا کردہ شریعت کی پیروی کی بجائے عوام کی اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن مانا جاتا ہے۔

آیت ۱۲۵ میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا کہ جسے اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کی گمراہی کا فیصلہ کر لے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی شخص بلندی پر چڑھ رہا ہو۔ بلندی پر چڑھتے ہوئے سینہ تنگ ہونے کی مثال اعجازِ قرآنی کی معرکۃ الآرا مثال شمار ہوتی ہے؛ اس لیے کہ طب جدید کی تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی وجہ سے دم گھٹنے لگتا ہے اور سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ آج سے سوا چودہ سو سال پہلے اس سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے۔

اگلی آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ تمام جنات وانسانوں سے قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی اور ہر ایک کو احتساب کے عمل سے گزرنا ہوگا جبکہ یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کے پابند ہیں، پھر یہ بتایا کہ مجرموں کی گرفت کے لیے اللہ کا ضابطہ ہے کہ ظالم کی بے خبری میں گرفت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے مستغنی اور رحیم ذات ہے۔ وہ اگر انسانوں کو ختم کر کے کسی دوسری قوم کو لانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

آیت ۱۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے پھلوں اور جانوروں میں اپنی تخلیق کی قدرتوں کو نمایاں فرمایا ہے کہ بعض پھل ایسے ہوتے ہیں جو اُن بیلوں پر نمودار ہوتے ہیں جنھیں سہارا دیا جاتا ہے جیسے انگور۔ اور بعض پھل ایسے درختوں پر لگتے ہیں جو اپنے بل بوتے پر آپ کھڑے

ہوتے ہیں۔ یہ پھل اللہ کی عطا کردہ نعمت ہیں، انھیں کھاؤ اور جس روز پھل حاصل ہوں اسی روز عُشر اللہ کی راہ میں دے دو۔

اس کے بعد آیات ۱۵۱ تا ۱۵۴ میں تمام انبیا علیہم السلام کا دس نکاتی مشترکہ پروگرام مسلمانوں کے لیے معاشرتی ہدایات کے طور پر پیش کیا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل ہے۔ اللہ کی عبادت، والدین کے ساتھ حسن سلوک، تنگی کے خوف سے اولاد کے قتل سے گریز، برائی کے کاموں سے پرہیز، بے گناہ کے قتل سے بچنا، یتیم کے مال کو ناجائز اِستعمال نہ کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، قول وفعل میں انصاف کے تقاضے پورے کرنا، اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیان کو پورا کرنا اور صراطِ مستقیم کی پیروی کرنا۔ چونکہ یہ دس اَحکام شرعیہ ہی دینِ اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ اور لبِ لباب ہیں اور باقی تمام شرعی احکام اِنہی پر منحصر ہیں، اِسی لیے فرمایا: 'یہی سیدھا راستہ ہے فرقہ بندی چھوڑ کر اسی کی پیروی کرو اور کتابِ الٰہی کے احکام کو ملحوظ رکھو'۔

یہ وصیتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اُمی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علی الاعلان کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دین حق کی ہدایت کی ہے، یہی ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی کتاب کے تذکرہ کے ساتھ نزولِ قرآن کی بشارت کہ اس میں برکت بھی ہے، رحمت بھی اور ہدایت بھی۔

آیت ۱۶۰ میں یہ بشارت دی گئی کہ امت محمدیہ سے جو فرد بھی نیکی کرے اور پھر اس نیکی کو محفوظ رکھتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اسے اس کا دس گنا اجر عطا کیا جائے گا۔ اس کے برعکس جس نے برائی کی اور توبہ نہ کی اسے اس برائی کے برابر ہی سزا ملے گی۔

اگلی آیات میں صراطِ مستقیم کی وضاحت کی گئی ہے کہ نظری طور پر صراطِ مستقیم ایک خالص دین ہے جو زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کی اطاعت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ عملی طور پر صراطِ مستقیم دراصل ملت براہیمی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح انسان

اللہ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اس کی نماز اور قربانی کی طرح اس کا جینا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

سورت کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اصل رب اللہ ہی ہے جو ہر شے کا مالک و پروردگار ہے۔ اسی کی طرف تمام انسانوں کو لوٹ کر جانا ہے۔ وہی ہر انسان کے آخری انجام کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس نے دنیا میں ہمیں آزمایش کے لیے عارضی اختیارات دیے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ ہم ان اختیارات کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کر کے اس کی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں یا ان کا غلط استعمال کر کے اس کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔

سورۂ اَعراف: اعراف کے معنی بلندی کے ہیں اور اس کا معنی جاننا اور پہچاننا بھی ہے، نیز یہ جنت اور دوزخ کی درمیانی سرحد کا نام ہے۔ اصحابِ اعراف کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ان کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے۔ تو اپنی نیکیوں کی وجہ سے دوزخ کے مستوجب نہ ہوں گے اور برائیوں کی وجہ سے جنت کے مستحق نہ ہوں گے؛ سو وہ جنت اور دوزخ کے درمیان حجاب میں ہوں گے۔ یا یہ وہ لوگ ہیں جو اہل جنت اور اہلِ جہنم کو پہچاننے والے ہوں گے اور ایک قول کے مطابق یہ انبیا ہیں یا ملائکہ ہیں۔ چونکہ اعراف کا تذکرہ اس سورت میں موجود ہے؛ اس لیے اسی نام سے پوری سورت کو موسوم کر دیا گیا۔ اس سے پہلی سورت 'الانعام' کا مرکزی مضمون توحید تھا اور اس سورت کا مرکزی مضمون رسالت ہے۔ اس کے ساتھ ہی جنت و جہنم اور قیامت کے موضوع پر بھی سیر حاصل گفتگو موجود ہے۔

سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کی حقانیت کو ایک انوکھے انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس میں ایک طرف حضور علیہ السلام کی ہمت افزائی ہے تو دوسری طرف آپ کی تسلی کے لیے وحی الٰہی کے منکرین کا انجام ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ پر نازل شدہ قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں، یہ لوگ اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر رہیں گے

کیونکہ اس سے پہلے بھی ایسی قومیں گزری ہیں جنہیں وحی الٰہی کے انکار پر پلک جھپکتے میں نیست ونابود کردیا گیا۔

پھر یہ بتایا گیا ہے کہ آج کے دور کا فرقہ بندیوں، پارٹی بندیوں اور جنگ وجدل کا شکار ہونے والا انسان درحقیقت ایک ہی باپ کی صلب سے پیدا ہونے والا اور ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والا ہے۔ یہ سب کالے اور گورے، امیر وغریب، شاہ وگدا ایک ہی گھرانے کے افراد اور ایک ہی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اور انہیں باہمی افتراق و نزاع کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔ خالقِ انسان کی نگاہ میں اس انسان کی قدر ومنزلت کیا ہے؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے انسانیت کے جدامجد آدم علیہ السلام کے واقعے کو آیت ۱۱ تا ۲۷ بڑے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا کہ جب ابلیس نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا، تو ربِ ذوالجلال نے اس سے پوچھا کہ تم نے میرے حکم کے باوجود سجدہ کیوں نہ کیا۔ اس نے اپنی سرکشی کا جواز عقلی دلیل سے پیش کیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، میرا جوہرِ تخلیق آگ ہے اور آگ لطیف ہونے کی بنا پر مٹی سے افضل ہے۔ تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو رسوا کر کے مقامِ عزت سے نکال دیا۔

ابلیس کے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک مہلت طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مہلت عطا کردی، اِس پر اس نے کہا کہ میں صراطِ مستقیم پر گھات لگا کر بیٹھ جاؤں گا اور بنی آدم کو دائیں بائیں، آگے پیچھے، حتیٰ کہ ہر جانب سے گمراہ کروں گا۔ اللہ نے فرمایا: تمہارے پیروکار جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا علیہما السلام کو جنت میں داخل کیا اور انہیں خاص درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا۔ شیطان نے ان کو وسوسہ ڈالا اور مخلص اور خیرخواہ کا روپ اختیار کر کے کہا کہ آپ لوگوں کو اس درخت کے قریب جانے سے محض اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس کے قریب جا کر آپ لوگ فرشتے بن جائیں گے اور

آپ لوگوں کو ابدی زندگی مل جائے گی، اس نے قسمیں کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا، پھر ان سے اجتہادی خطا ہوئی اور اس درخت کو چکھنے سے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوئیں اور وہ درختوں کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے، یہاں قرآن نے یہ بھی بتایا کہ شیطان کا مقصد ان کے ستر کو بے حجاب کرنا تھا۔

اپنی اجتہادی خطا کا احساس ہونے پر آدم علیہ السلام نے توبہ کی اور ان کی توبہ کے کلمات آیت نمبر ۲۳ میں بیان ہوئے، پھر انہیں جنت سے زمین پر اتارا گیا اور فرمایا: ایک مقررہ مدت تک تمہیں یہاں رہنا ہے۔ پھر اللہ تعالی نے مقصدِ لباس بیان فرمایا کہ ہم نے بنی آدم پر لباس اس لیے اُتارا کہ ان کی ستر پوشی ہو اور سامانِ زینت ہو اور سب سے بہتر لباس تو تقوی ہے ۔ پھر بنی آدم کو شیطان کے شر سے بچنے کے لیے انتہائی پر حکمت خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے بنی آدم! جس شیطان نے تمہارے والدین کا لباس اُتروا کر انہیں جنت سے نکلوا دیا تھا کہیں تمہیں بھی فتنہ میں مبتلا کر کے جنت سے محروم نہ کر دے۔

پہلی تین ندائیں لباس کے بارے میں ہیں، ان میں سے دوسری ندا میں یہ بتایا گیا کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے لباس اُتروا دیے تھے اور ان کے ستر کھلوا دیے تھے۔ گویا ابلیس کا ایک بڑا ہدف یہ ہے کہ اولادِ آدم کو شرم وحیا کے لباس سے محروم کر دے اور انھیں فحاشی وعریانیت کی راہ پر لگا دے۔

شیطانی قوتیں ہر دور میں انسانوں کو بے حیا کرنے پر تلی رہتی ہیں۔ عہد نبوی میں شیطان کے ایجنٹ مشرکین مکہ برہنہ ہو کر طواب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ نے ہمارے باپ دادا کو اس کا حکم دیا تھا۔ اللہ نے واضح فرما دیا کہ وہ ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ ستر کے تقاضے پورے کرنے والا لباس انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے۔ حیوان ننگا پیدا ہوتا ہے اور زندگی بھر ننگا ہی رہتا ہے جب کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے لباس کے ساتھ عزت اور فضیلت بخشی ہے۔

آج جب ہم مغربی میڈیا کے ذریعہ بے حیائی اور عریانیت کے اُمڈتے ہوئے سیلاب اور عورت کی آزادی کے نام پر حیاباختگی کی فضا دیکھتے ہیں تو پھر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ قرآن نے لباس کے بارے میں تاکید اور تکرار کا اسلوب کیوں اختیار کیا ہے۔

مشہور مالکی فقیہ حضرت محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۵ھ) کے بارے میں قصر شاہی کے ایک معتبر آدمی کا بیان ہے کہ وہ ایک شب نماز عشا کے کچھ دیر بعد محل سے باہر سیر کرنے کے لیے نکلا، اچانک اس کے کانوں میں کسی گھر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز ٹکرائی: وَقَاسَمَهُمَا اِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۝

اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پس وہ فریب کے ذریعہ دونوں کو (درخت کا پھل کھانے تک) اُتار لایا۔

اور وہ بار بار اسی ایک آیت کی تکرار کر رہا تھا۔ اسے اسی حال میں چھوڑ کر وہ محل میں واپس چلا گیا۔ پھر جب صبح نماز فجر کے لیے اسی راہ سے اس کا گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ ابھی تک اسی حالت میں ہے اور بدستور وہی آیت اس کے وردِ زبان ہے۔ اور پھر میں نے اپنے ان کانوں سے چھٹائی پر آنسوؤں کے ٹپکنے کی آواز بھی سنی۔

اب مجھے تشویش لاحق ہوئی اور شوق ورشک میں میں ایک گوشے میں جا کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے نماز فجر کے لیے نکلا۔ میں اس کا تعاقب کرتا رہا، منزل پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ پوری رات اشک ریزی اور شب خیزی کرنے والا کوئی اور نہیں، وقت کا امام وفقیہ محمد بن سحنون تھا۔ (ترتیب المدارک وتقریب المسالک: ۲۸۱/۱)

اس کے بعد قیامت کے دن کی منظر کشی کرتے ہوئے اصحاب الجنۃ، اصحاب النار اور اصحاب الاعراف کے نام سے تین گروہ ذکر کیے۔ اس گروہ کا تذکرہ صرف اسی سورت میں ہے۔ اس کے بعد وہ منظر پیش کیا گیا، جس میں جنت والے، جہنم والوں کا ویسے ہی مذاق اڑائیں گے جیسے وہ لوگ دنیا میں ان کی نیکی اور صلاح وتقوی پر مذاق اڑایا کرتے

تھے۔ وہ کیسا منظر ہوگا جب جنت والے انعامات اور عیش وعشرت کے مزے لے رہے ہوں گے اور جہنم والے عذاب کی اذیت وکربناکی میں مبتلا ہوں گے اور جنتیوں سے کھانے کے ایک نوالہ اور پانی کے دو گھونٹ بھیک مانگ رہے ہوں گے اور اصحاب الاعراف اپنی فصیل سے دائیں بائیں جھانک کر جنت وجہنم والوں میں اپنے جاننے والوں کو پہچانیں گے اوران سے گفتگو کریں گے۔اہل جنت کے چہرے روشن اور چمکدار ہوں گے جبکہ اہل جہنم بدشکل، سیاہ اور ذلت ورسوائی کے عالم میں ہوں گے۔

آیت ۵۷ میں اللہ تعالی نے بارانِ رحمت کے نظام کے بارے میں بتایا کہ اس کے حکم سے ہوا پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو چلا کر لے جاتی ہے اور بنجر زمین پر برسا کر اس میں اللہ کی نعمتیں پیدا کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اچھی زمین اللہ کے حکم سے سبزہ اگاتی ہے اور خراب زمین باغ وبہار نہیں لاتی ۔ یہ مثالیں دے کر قرآن یہ بتاتا ہے کہ انسانوں کے دل ودماغ کی زمین کا حال بھی ایسا ہی ہے ، یعنی پاکیزہ دل ودماغ میں ایمان قرار پاتا ہے اور اعمال کے ثمرات پیدا ہوتے ہیں، جب کہ خبیث دل ودماغ میں خیر کے پھل اور پھول پیدا نہیں ہوتے۔

آیت ۵۹ سے حضرت نوح علیہ السلام اوران کی قوم کے حالات بیان کیے گئے ہیں کہ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: -معاذ اللہ- آپ کھلی گمراہی میں ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اللہ کا رسول ہوں اور میرا کام تمہاری خیرخواہی اور تم تک دعوتِ حق کو پہچانا ہے۔

آیت ۶۵ میں ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے قوم عاد کو دعوت توحید دی انہوں نے ہود علیہ السلام کو بے وقوف اور ناسمجھ قرار دے کر انکار کیا۔اللہ نے ان پر آندھی اور طوفان کا عذاب مسلط کر کے ہلاک کر دیا اور اپنے نبی اوران کے متبعین کو بچالیا۔ پھر قوم ثمود کا تذکرہ کہ صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت توحید دی۔ انہوں نے انکار کیا اور

بیجا مطالبے شروع کر دیے۔ کہنے لگے کہ پہاڑ سے اونٹنی پیدا کر کے دکھاؤ جو نکلتے ہی بچہ جنے۔ جب اونٹنی معجزانہ طریقہ پر ظاہر ہوگئی تو انہوں نے اسے قتل کر کے اپنے اوپر عذاب مسلط کرلیا۔ ان کی بستی پر ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ ان کا نام ونشان مٹ کر رہ گیا۔

آیت ۸۰ سے حضرت لوط اور ان کی قوم کا ذکر ہے کہ وہ بے حیائی میں اپنے زمانے کے سب لوگوں پر سبقت لے گئے، وہ اپنی جنسی خواہش کو غیر فطری طریقے سے پورا کرتے تھے اور جب اللہ کے نبی عذاب کا ڈر سناتے تو وہ اسے مذاق سمجھتے۔ بالآخر اللہ تعالی نے ان پر عذاب نازل کیا، آسمان سے پتھر برسائے اور اس طرح ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا، یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام کی وہ بیوی جو قومِ لوط کی ہم خیال تھی وہ بھی عذاب سے نہ بچ سکی، صرف حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ قبیلے کے چند نیکوکار لوگ ہی محفوظ رہے۔

آیت ۸۵ سے قومِ مدین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی اور تجارت میں بددیانتی سے منع کر کے ناپ تول پورا کرنے کی تلقین فرمائی اور انہیں راہ گیر مسافروں کو ڈرانے دھمکانے سے باز رہنے کا حکم دیا، جس پر وہ لوگ بگڑ گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی مخالفت پر اتر آئے۔

انہوں نے فرمایا کہ میری قوم تمہارے دو گروہ بن چکے۔ ایک ایمان والا اور دوسرا کفر والا۔ لہٰذا اپنے انجام کا انتظار کرو، عنقریب ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق گھریلو معاملات میں انصاف کرنے، دین ودنیا کو سنوارنے، اچھے کاموں میں حصہ لینے اور برائی کے ہر کام سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

نواں پارہ

آٹھویں پارے کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ شروع ہوا تھا، اس قصے کا بقیہ حصہ نویں پارہ کے آغاز میں بیان کیا جا رہا ہے۔ جہاں ان کی قوم کے سرداروں کی دھمکی مذکور ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی اپنے خیالات سے تائب ہوکر اگر ہمارے طریقہ پر نہ لوٹے تو ہم آپ لوگوں کو ملک بدر کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔

اہل ایمان نے اس کے جواب میں کہا کہ ہمیں اللہ نے ملتِ کفر سے نجات دے کر ملتِ اسلامیہ سے وابستہ ہونے کی نعمت سے سرفراز کیا ہے تو ہم کیسے غلط راستہ کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے اور تمہارے درمیان دوٹوک فیصلہ کر کے حق کو غالب کر دے۔ چنانچہ بڑی شدت کا زلزلہ آیا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کے منکر اس طرح تباہ ہوگئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ بچا اور مومنوں کو اللہ تعالی نے عافیت کے ساتھ بچالیا جس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو قوم کی خیرخواہی کرتے ہوئے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا مگر اسے تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ تباہ ہوگئے اب ان پر میں کیسے رحم کھا سکتا ہوں!۔

ان مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جھٹلانے والی قوموں کے بارے میں ہماری سنت اور ہمارا دستور یہ رہا ہے کہ ہم انھیں ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوشحالی اور تنگدستی کن حالات میں عذاب خداوندی کا مظہر ہوتی ہے اور کن حالات میں اللہ کی طرف سے ابتلا وآزمائش ہوتی ہے۔ اگر اچھے یا برے حالات کی تبدیلی اعمال میں بہتری پیدا کر کے اللہ کا قرب نصیب کر دے تو یہ تبدیلی امتحان ہے اور اللہ کی رضا کا باعث ہے اور اگر اعمال صالحہ میں ترقی نہ

ہو بلکہ وہی سابقہ صورتحال رہے یا نافرمانیوں میں اور اضافہ ہوجائے تو یہ تبدیلی عذاب ہے اور اللہ کی ناراضگی اور غضب کا موجب ہے۔ اللہ کے عذاب سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیے، وہ صبح و شام کسی وقت بھی اچانک آ سکتا ہے۔ ہم ان تباہ شدہ بستیوں کے حالات اس لیے سنا رہے ہیں کہ انبیا و رسل کی آمد کے باوجود بھی ان لوگوں نے اپنے اعمال میں بہتری پیدا نہ کرکے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرالیا۔ جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا کر ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا۔

آیت ۱۰۳ تا ۱۰۸ معرکۂ خیر و شر کا مشہور واقعہ قصہ موسی و فرعون کا بیان ہے اور اس میں بعض جزئیات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کریم میں بار بار دہرائے جانے والے واقعات میں سے ایک ہے اور جتنی تفصیل اس واقعہ کی بیان کی گئی ہے، اتنی کسی دوسرے واقعہ کی تکرار کے ساتھ تفصیل بیان نہیں ہوئی ہے۔ یوں تو اکثر سورتوں میں کسی نہ کسی انداز میں اس کا حوالہ مل جاتا ہے مگر سورۂ بقرہ، اعراف، طٰہٰ اور قصص میں مختلف پہلوؤں سے اس واقعہ کو زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں خیر کی بھرپور نمائندگی حضرت موسی و ہارون علیہما السلام کرتے ہیں جبکہ شر کی بھرپور نمائندگی فرعون، ہامان، قارون اور یہودی قوم کرتی ہے۔ یہ لوگ اقتدار اعلیٰ، نوکر شاہی، سرمایہ داری کے نمائندہ ہیں۔

سورۃ الاعراف میں فرعون اور قوم یہود کے ساتھ حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ہم نے اپنی آیات دے کر موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے حمایتیوں کی طرف بھیجا انہوں نے ان آیات کو ٹھکرا کر فساد برپا کیا۔ آپ دیکھیں ان مفسدین کو کیسے عبرتناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ موسی علیہ السلام جب رسول کی حیثیت سے فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا۔

موسی علیہ السلام نے عصا کا اژدھا اور ہاتھ کو چمکتا ہوا بنا کر دکھا دیا۔ فرعون نے

اسے جادوقرار دے کر مقابلہ کے لیے جادوگر بلوا لیے۔انہوں نے رسیوں اور لکڑیوں سے سانپ بنائے۔موسی علیہ السلام کے عصا کا اژدھا ان سب کو نگل گیا۔جادوگر چونکہ اپنے فن کے ماہر تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ نبی کا معجزہ ہے۔وہ مسلمان ہوکر سجدہ ریز ہوگئے۔فرعون نے یہ کہہ کر کہ موسی جادوگروں کا استاد ہے۔یہ چھوٹے شاگرد ہیں انہوں نے سازباز کرکے یہ ڈرامہ رچایا ہے اس نے سب جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر چڑھا دیا وہ مرتے مر گئے مگر ایمان سے منحرف نہیں ہوئے۔

موسی علیہ السلام نبی تھے،فرعون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا مگر بنی اسرائیل پر اس نے عرصۂ حیات تنگ کردیا۔مظالم سے تنگ آ کر قوم نے موسی علیہ السلام سے کہا: آپ کی نبوت تسلیم کرنے سے پہلے بھی ہم ستائے جارہے تھے آپ کے آنے کے بعد اس میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ مظالم پہلے سے بڑھ گئے۔

موسی علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ اپنے گھروں میں ہی قبلہ رو ہوکر نماز اور صبر کی مدد سے اللہ کی مدد کو اپنی طرف متوجہ کرو۔دنیا میں آزمائش کے طور پر اللہ جسے چاہے اقتدار پر فائز کرے؛لیکن آخرت میں متقیوں کو بہتر انجام ملے گا۔

پھر آیت ۱۳۰ سے اللہ تعالی نے فرعونیوں پر مختلف عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔اللہ نے یہ آفات اس لیے نازل فرمائیں تا کہ ان کے دلوں کی سختی کچھ دور ہو،وہ عافیت کے لیے اللہ کے حضور گڑگڑائیں اور حضرت موسیٰ کی دعوت کی طرف متوجہ ہوں۔ان پر آنے والی بلائیں یہ تھیں کہ پہلے قحط سالی اور سبزیوں اور پھلوں کی قلت کا عذاب آیا۔

جب انہیں کوئی فائدہ پہنچتا تو وہ کہتے کہ ہماری حسن تدبیر کا کرشمہ ہے اور جب انہیں کوئی نقصان یا تکلیف پہنچتی تو اسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے اور کہتے کہ ہم پر اپنا جادو آزمانے کے لیے تم بڑے سے بڑا معجزہ دکھادو،ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

ان پر اللہ نے طوفان، مکڑی، جوں، مینڈکوں اور خون کا پے در پے عذاب بھیجا مگر وہ تکبر کے ساتھ اپنے جرائم میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ جب ان پر عذاب کی کوئی شکل ظاہر ہوتی تو وہ جھوٹے عہد و پیمان کر کے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرا لیتے، مگر عذاب کے ختم ہوتے ہی پھر نافرمانیوں پر اتر آتے۔ ہماری آیات سے غفلت برتنے اور جھٹلانے کا ہم نے انتقام لے کر انہیں سمندر میں غرق کر دیا۔

ہم نے دنیا میں کمزور اور ضعیف سمجھی جانے والی قوم کو ان کے محلات، باغات اور اقتدار کا وارث بنا دیا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالی کے احکام پر عمل کرنے کی خاطر کتاب دینے کے لیے حضرت ہارون کو جانشین قرار دے کر حضرت موسیٰ کو طور پر ریاضت کرنے کے لئے بلائے گئے، جہاں وہ چالیس روز تک مقیم رہے۔

اللہ تعالی نے انہیں شرف ہم کلامی بخشا اور تورات عطا فرمائی۔ اللہ تعالی سے ہم کلامی کا ایسا مزہ تھا کہ موسیٰ نے اللہ کی زیارت کی درخواست کر دی۔ اللہ تعالی نے پہاڑ پر تجلّی کی جس کی تاب نہ لا کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، جس سے ثابت ہوا کہ انسان اپنے دنیاوی قویٰ کے ساتھ اللہ کی زیارت نہیں کر سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں قوم شرک میں مبتلا ہو کر بچھڑے کی پوجا کرنے لگی۔ موسیٰ علیہ السلام واپس آ کر قوم پر بہت ناراض ہوئے، بھائی ہارون کو بھی ڈانٹا اور پھر تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لیے، اپنے بھائی کے لیے اور پوری قوم کے لیے معافی طلب کرتے ہوئے مغفرت، رحمت اور ہدایت کی دعا مانگی۔ اللہ نے فرمایا میری رحمت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو صدقہ و خیرات کا اہتمام کریں۔ تقوی اور ایمان کو اختیار کریں اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم جن کا تذکرہ ان کی کتابوں تورات اور انجیل میں ہے اور وہ انہیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر کرتے ہیں، ان کی خود ساختہ پابندیوں کو ان پر سے ختم کر کے ان کے گناہوں کے بوجھ سے انہیں آزاد کراتے ہیں، ان پر ایمان لا کر

ان کی مدد ونصرت کریں تو یہ لوگ کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے۔

پھر حضور علیہ السلام کی رسالت کی عمومیت کو بیان کیا کہ آپ تمام انسانیت کے لیے نبی بن کر تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد تمام انسانوں کو حکم دیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور نبی کریم علیہ السلام کی پیروی کرو تا کہ تم اللہ کی بارگاہ سے ہدایت کی نعمت حاصل کرسکو۔

آیت ۱۵۹ سے بنی اسرائیل پر مزید احسانات الٰہیہ کا بیان ہے کہ ان میں کچھ سعادت مندوں کو اللہ نے ہدایت کی نعمت دی، ان سب کے لیے ایک پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کیے۔ بادلوں کا سائبان بنادیا۔ من وسلویٰ کی صورت میں آسمانی خوراک فراہم کی۔ اور فاتح کی حیثیت سے ایک شہر میں داخل ہونے کا اعزاز عطا کیا؛ لیکن بنی اسرائیل نے اللہ نعمتوں کی ناقدری کی اور اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کی، تو پھر اللہ پاک نے سزا کے طور پر انھیں دردناک عذاب سے دوچار کر کے بندروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا۔

آیات ۱۷۲ سے عہد اَلست کا ذکر ہے۔ اللہ پاک نے حضرت آدم کی نسل میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ارواح کو جمع فرمایا اور ان سے پوچھا: الست بربکم؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا کہ ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔ اس عہد کی یاددہانی اس لیے کرائی گئی تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے یہ عہد یاد ہی نہیں، یا پھر یہ عذر پیش کرے کہ شرک کا آغاز ہمارے باپ دادا نے کیا تھا اور ہمیں یہ جرم ان کی طرف سے ملا تھا؛ لہٰذا ہمارا کوئی قصور نہیں۔ عہد الست کی وجہ سے توحید کی معرفت انسان کے باطن میں رکھ دی گئی ہے اور شرک کی نفی انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شرک کرتا ہے تو وہ خود مجرم ہے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات

کا علم اور کرامات سے نوازا تھا، بدقسمتی سے اس شخص نے خواہشات کی پیروی کی اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ اب وہ کردار ایسی پستی میں گرا کہ حرص ولالچ میں کتے کی سطح پر پہنچ گیا۔ آگے فرمایا کہ یہ صرف بنی اسرائیل کے ایک شخص کی نہیں پوری قوم کی مثال ہے۔ اس قوم نے اللہ کی بے شمار نعمتوں سے استفادہ کیا لیکن ناشکری اور نافرمانی کی آخری حدوں تک جا پہنچے۔ بلاشبہہ اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پر قائم ودائم رہ سکتا ہے۔ انسان خود ہدایت اور اللہ کی قربت کی نہایت اونچی بلندی پر پہنچ جائے پھر بھی گمراہی کے خطرے سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

پھر فرمایا گیا کہ اللہ کے بندوں میں سے ایسے نیک سیرت لوگ بھی ہیں جو حق کے ذریعہ نصیحت اور عدل کرتے ہیں؛ البتہ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، اللہ نے انھیں مہلت دے رکھی ہے لیکن اس کی پکڑ بہت شدید ہے۔ کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیرت واخلاق اور انسانوں کے لیے دل سوزی کو نہیں دیکھتے! وہ انھیں دردناک عذاب سے خبردار کر رہے ہیں اور یہ انھیں پاگل قرار دے کر کس قدر ظلم اور ناانصافی کر رہے ہیں!۔ کیا یہ کائنات پر غور نہیں کرتے؟ کائنات کی ہر چیز با مقصد ہے۔ کیا ان کا بھی کوئی مقصد ہے کہ نہیں؟ ہر شے پر زوال آتا ہے کیا ان کو بھی فنا ہونا ہے کہ نہیں جس بدنصیب کی گمراہی پر اللہ ہی مہر تصدیق ثبت کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

جنات اور انسانوں میں جو لوگ اپنے دل ودماغ اور آنکھ اور کان کا صحیح استعمال کر کے توحید باری تعالی کو نہ مانیں وہ لوگ گمراہی میں جانوروں سے بھی بدتر ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کو اس کے اسماے حسنی کے ساتھ یاد کیا جائے۔ ملحدین کے خودساختہ نام اللہ کے لیے استعمال نہ کیے جائیں۔ پھر قیامت کا تذکرہ کہ وہ اچانک کسی بھی وقت آجائے گی۔ اس کا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ پھر نبی سے اعلان کروایا گیا

میں اپنے لیے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو مجھ پر کبھی کوئی تکلیف نہ آتی اور تمام بھلائیاں میں اپنے لیے جمع کر لیتا۔ میں تو اہل ایمان کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لیے آیا ہوں۔

پھر قدرتِ خداوندی کے بیان کے لیے ایک جان آدم علیہ السلام سے انسانی تخلیق کا تذکرہ اور پھر ازدواجی زندگی کے فائدہ کا بیان کہ اس کا مقصد زوجین کا ایک دوسرے کے ذریعہ سکون حاصل کرنا ہے۔ پھر شرک کی مذمت کہ ایسے کمزوروں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جو دوسروں کو تو کیا پیدا کریں گے خود اپنی پیدائش میں اللہ کے محتاج ہیں۔ جن بتوں کو یہ اپنا معبود سمجھتے ہیں وہ چلنے پھرنے اور دیکھنے سننے سے بھی محروم ہیں۔ جو اپنی مدد نہ کر سکیں وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے؟۔

ایک داعی اِلی اللہ کو اخلاقِ فاضلہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: عفو و درگزر کرتے ہوئے نیکی کا حکم دیتے رہیں، اگر کبھی شیطان کے اَثرات سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو جائے تو اللہ کی پناہ میں آ کر تقویٰ اور نصیحت کو اختیار کر لینا چاہیے۔ اتباع اور پیروی کے لیے وحی الٰہی کا ہونا ضروری ہے۔ جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنیں اور صبح و شام اللہ کو یاد کرتے رہیں۔ آخری آیت میں فرمایا کہ جو اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں وہ بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے اس کے حضور سجدہ ریز رہتے ہیں۔

سورۂ اَنفال: اَنفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی مالِ غنیمت کے ہیں۔ مگر کسی مجاہد کو غیر معمولی کارکردگی کی وجہ سے دوسرے مجاہدین کے مقابلے میں کچھ زائد دیا جائے تو اسے بھی نفل یا اَنفال سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ اس سورت میں چونکہ غنیمت اور جہاد فی سبیل اللہ کے احکامات بیان ہوئے ہیں؛ اس لیے اس کا نام ’انفال‘ پڑ گیا۔ نیز یہ کہ اس میں غزوۂ بدر کا تفصیلی تذکرہ ہے اس لیے بعض مفسرین نے اسے ’سورۂ بدر‘ بھی کہا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ 'یہ لوگ مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے وہ جس طرح چاہے اس کی تقسیم کا حکم جاری کرے۔

پھر کامل ایمان والوں کی صفات اور ان کی ظاہری و باطنی کیفیات مذکور ہوئیں کہ مومن صرف وہی لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز اُٹھتے ہیں۔ اور آیاتِ قرآنی کی تلاوت ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں، نیز ان کا بھروسہ صرف اور صرف اللہ پر ہوتا ہے۔ وہ بڑے اخلاص سے نمازیں قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے مومنوں کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش، بلند درجات اور عزت افزائی والے رزق کی بشارت ہے۔

آیت ۵ میں فرمایا کہ کچھ لوگ جہاد کے لیے دل و جان سے آمادہ نہ تھے اور مجاہدین کی خواہش تھی کہ ابوجہل کی قیادت میں مشرکینِ مکہ کے مسلح و منظم لشکر کے بجائے ابوسفیان کے تجارتی قافلے سے ٹکراؤ ہو جائے۔ اللہ تعالی نے مشرکینِ مکہ سے تصادم کو مقدر فرمایا تاکہ حق کی حقانیت اور غلبہ ثابت ہو جائے۔

اگلی آیتوں میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں مجاہدین کے اطمینانِ قلب کے لیے اور فتح کی بشارت کے طور پر فرشتے اِمداد و نصرت کے لیے بھیجے۔ کافر قتل اور زخمی ہوئے اور میدان سے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس غزوے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نصرت کا دیکھتی آنکھوں سے مشاہدہ کیا گیا اور ایک چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کو جس ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا تاریخ شاید اس کی کبھی نظیر نہ پیش کر سکے۔ مشرکین کے ستر افراد واصل جہنم ہوئے اور ستر ہی قیدی بنے۔ یہ ان کے لیے عذاب کی پہلی قسط تھی، اصل عذاب تو جہنم کی آگ کی صورت میں پائیں گے۔

میدانِ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے مٹھی میں ریت لے کر کافروں کی جانب پھینکی اور

فرمایا کہ یہ لوگ رسوا ہو جائیں۔ اللہ کی شان کہ یہ ریت ان کی آنکھوں میں جا پڑی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسول! وہ خاک آپ نے نہیں پھینکی، جس وقت کہ آپ نے پھینکی تھی؛ لیکن درحقیقت وہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بدر کو فیصلہ کن جنگ قرار دیا اور مسلمانوں سے فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں، جو تمہارے لیے حیات آفرین ہے۔ مزید فرمایا کہ اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو۔

آیات ۳۰ تا ۳۷ میں مشرکین مکہ کے ناپاک ارادوں اور طرزِ عمل کو بیان کیا گیا ہے، ہجرت سے قبل وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے، قید کرنے یا جلاوطن کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ قرآن حکیم کو سن کر وہ بدبخت مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ ہم بھی اس طرح کا کلام بنا سکتے ہیں۔ عوام پر اثر ڈالنے کے لیے اپنے خلاف بد دعا کرتے کہ اگر قرآن حق ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لا رہے تو اے اللہ! ہم پر عذاب نازل فرما۔

اللہ نے جواب دیا کہ اللہ شہر مکہ پر نہیں بلکہ مجرمین کو اس شہر سے نکال کر ان پر عذاب نازل کرے گا جیسا کہ بدر میں کیا گیا۔ ان مشرکین نے مکہ میں اللہ کے گھر کی حرمت اور نماز کا تقدس پامال کر دیا ہے، وہ اللہ کے گھر کے پاس نماز کے دوران تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے ہیں۔ اہل ایمان کے خلاف جنگی تیاریوں کے لیے مالی وسائل صرف کر رہے ہیں ان کے یہ تمام وسائل برباد ہوں گے، وہ دنیا میں بھی ذلت کا سامنا کریں گے اور آخرت میں بھی جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔

اگلی آیت میں مشرکین مکہ کو دعوت دی گئی ہے کہ ان کی خیر اسی میں ہے کہ توبہ کریں اور حق کو قبول کر لیں، اللہ ان کے تمام سابقہ جرائم معاف فرما دے گا؛ البتہ اگر انھوں نے

اس پیش کش سے فائدہ نہ اُٹھایا تو بدترین انجام سے دوچار ہوں گے۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو پانچ مرتبہ 'یاایہا الذین آمنوا' کے روح پرور خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ان آیات میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل پیرا ہوکر اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز آ کر مسلمان یقیناً دنیا کی سب سے مضبوط اور طاقت ور قوم بن سکتے ہیں۔ ایسی جماعت کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوسکتی جو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے، جو اللہ ورسول کے احکام کی اطاعت کرنے والی ہو، جو ایسی دعوت پر لبیک کہنے والی ہو جس میں دلوں کی زندگی اور عزت وسعادت کا راز پوشیدہ ہو، جو نہ دین میں خیانت کرتی ہو اور نہ دنیاوی معاملات میں خیانت کا ارتکاب کرتی ہو، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خوفِ خدا اور تقویٰ الٰہی کی صفت سے متصف ہو اور آخرت بات یہ کہ وہ گولہ بارود کی بارش میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے، اس کا کلمہ ایک ہو، اس کی صفوں میں کامل اتحاد ہو، وہ نفسانی اور گروہی تنازعات اور اختلافات میں مبتلا نہ ہو۔ ذرا غور فرمائیں کہ جس جماعت میں مذکورہ صفات پائی جائیں وہ کبھی شکست وریخت سے دوچار ہوسکتی ہے!۔

اخیر میں بتایا گیا کہ اے مسلمانو! ان مشرکین مکہ سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک دین الٰہی کا نظام غالب نہ ہوجائے اور فتنہ بالکل ختم نہ ہوجائے۔ گویا ایسا دور' فتنہ ہے جس میں اللہ کا دین غالب نہ ہو۔ آج ہم بھی ایسے ہی فتنہ سے دوچار ہیں۔ مشرکین کو ایک بار پھر دعوت دی گئی کہ اللہ کے دین کی مخالفت سے باز آجاؤ، اگر تم نے اپنی روش نہ چھوڑی تو اہل حق کا حامی وناصر اللہ ہے، وہ کیا خوب حامی اور کیا خوب مدد کرنے والا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں اللہ ورسول کے احکامات کی کامل پیروی کرنے اور مومنانہ صفات کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دسواں پارہ

دسواں پارہ سورۂ انفال کا تسلسل ہے۔سورت کے شروع میں بھی مالِ غنیمت کی کچھ تفصیل بیان ہوئی تھی اور یہاں اس پارے کے آغاز میں بھی مالِ غنیمت کا مضمون بیان کیا جارہا ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دیا جائے گا جب کہ چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے۔اس کے بعد غزوۂ بدر کے ذکر کو دوبارہ بڑے ہی دلکش انداز میں چھیڑا گیا ہے اور اس کی یوں منظر کشی کی گئی ہے کہ جیسے سامعین اپنی آنکھوں سے اس کا حال مشاہدہ کررہے ہیں۔ یہ قرآنِ حکیم کے اعجازات میں سے ایک معجزہ ہے۔

آغازِ پارہ میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے معرکے کا ذکر کیا ہے کہ معرکۂ بدر کے وقت مسلمان میدان بدر کے مدینہ سے متصل کنارے پر جب کہ کفار دور والے کنارے پر تھے اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ دشمن کے عقب میں تھا اور اس کی حفاظت پر ایک بڑا فوجی دستہ مامور تھا۔اس جنگ میں کیفیت یہ تھی کہ کفار کے حصے میں پانی تھا اور زمین بھی زیادہ ناہموار نہیں تھی۔جبکہ جہاں مسلمانوں نے اپنا پڑاؤ کیا تھا وہ زمین ریتیلی تھا اور اس پر چلنے میں بھی دشواری تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں پر پانی کی بھی شدید قلت تھی، ان تمام مشکلات اور بحرانوں کے باوجود اللہ تعالی نے اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمادیا تاکہ غزوۂ بدر میں مرنے والے کافر اپنی ہلاکت کو اور مسلمان اپنی زندگی اور فتح کو کھلی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔نیز یہ کہ ظاہر ہوجائے کہ حق پر کون ہے؟ اب جس کو حق کا ساتھ دینا ہے وہ بھی ساتھ دے پورے انشراح کے ساتھ، اور جس کو حق کی مخالفت کرنی ہے وہ بھی حق کی مخالفت کرے حجت پوری ہوجانے کے بعد۔

غزوۂ بدر کے حوالے سے جو حقائق یہاں ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے خاص خاص باتیں یہ ہیں: جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو کفار نے مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم سمجھی اور یوں ہی مسلمانوں کو کفار بہت کم دکھائی دیے، ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کا ہونا طے فرما دیا تھا اور اللہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی فریق بھی دوسرے کی کثرت سے مرعوب ہو کر راہِ فرار اختیار کر جائے۔مزید برآں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی نصرت کا تذکرہ کرنے کے نصرتِ الٰہی کے حصول کے چار عناصر ذکر فرمائے ہیں: امیدانِ جنگ میں ثابت قدمی۔ ۲) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا۔ ۳) آپس میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے بچ کر رہنا۔ ۴) دشمن کے مقابلے کے وقت ناموافق اُمور پر صبر کرنا۔

قریش پر غزوۂ بدر میں جو آفت آئی اور وہ ذلیل وخوار ہوئے تو اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کوئی قوم شکر کی بجائے کفر اور اطاعت کی بجائے معصیت شروع کر دیتی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اپنا معاملہ بدل دیتا ہے اور اسے نعمت کی جگہ نکبت اور راحت کی جگہ مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کے بعد قوموں کے عروج وزوال کا ناقابل تردید ضابطہ بیان فرمایا کہ اللہ کسی قوم کو اس وقت تک زوال پذیر نہیں کرتے جب تک وہ اپنی عملی زندگی میں انحطاط کا شکار نہ ہو جائیں۔شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اسے یوں منظوم کیا ہے ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ شیطانِ لعین بدر کے معرکے میں انسانی شکل میں موجود تھا اور کافروں کو لڑائی کے لیے اکسا رہا تھا۔سراقہ بن مالک کے روپ میں موجود شیطان کافروں کو یقین دلا رہا تھا کہ مسلمان کافروں پر غلبہ نہیں پا

سکتے۔ جب اللہ تعالی نے جبرائیل علیہ السلام کی قیادت میں فرشتوں کی جماعتوں کو اُتارا تو شیطان میدان بدر سے فرار ہونے لگا۔ کافروں نے اس سے پوچھا کہ سراقہ !تم تو ہمیں فتح کی نوید سنا رہے تھے۔ اب کہاں بھاگے جا رہے ہو؟۔ اس پر شیطان نے جواب دیا میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ کا خوف دامن گیر ہے اور اللہ کی پکڑ بڑی شدید ہے۔

آیت ۵۰ میں بتایا گیا کہ جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں تو ان کے منہ اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بدلہ ہے تمہارے جرائم کا۔ تم آلِ فرعون اور سابقہ کافر قوموں کی روش پر چلتے رہے۔ انھیں بھی کفر اور جرائم کی پاداش میں ایسی ہی عبرت ناک سزاؤں سے دوچار کیا گیا تھا۔

حضرت محمد عربی علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والے لوگ بدترین جانور ہیں۔ یہودیوں نے اس موقع پر میثاق مدینہ کی مخالفت کرتے ہوئے مشرکین مکہ کی حمایت کی تھی۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: عہد شکنی کرنے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنا چاہیے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو، پیچھے بیٹھے ہوئے عہد شکنی کرنے والے سرداروں کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔ اور پھر خیانت کرنے والوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی پاسداری لازمی نہیں رہ جاتی، ایسے معاہدے توڑ دینے چاہئیں۔ کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوجائیں گے وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اللہ نے انھیں بس مہلت دی ہے، اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر دردناک انجام کے لیے تیار رہیں۔

غزوۂ بدر کے پس منظر میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کے لیے مادی، عسکری اور روحانی تینوں اعتبار سے ہمہ وقت تیاری مکمل رکھیں۔ اس مقصد کے لیے وہ جو بھی مال خرچ کریں گے اس کا بہترین بدلہ اللہ کے یہاں پائیں گے۔

ظاہر ہے کہ غزوۂ بدر میں مادی تیاری مکمل نہ تھی یہ تو اللہ کی خاص نصرت کا نتیجہ تھا کہ مادی اور عسکری اعتبار سے کمزوری اور دونوں لشکروں میں بے پناہ تفاوت کے باوجود اللہ

تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی لیکن آئندہ کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حالات اور ضروریات کے مطابق بھرپور تیاری کریں تاکہ ان کے اسلحہ اور ساز وسامان کو دیکھ کر دشمن پر رعب طاری ہوجائے اور وہ اسلامی لشکر کے سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کرسکے۔

اگلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اللہ نے اپنی مدد اور ایمان والوں کی قوت سے آپ کو مضبوط کیا ہوا ہے اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے باہم شیر وشکر بنا کر آپ کے گرد جمع کردیا ہے، ان کے درمیان محبت والفت کا یہ بندھن اللہ ہی نے باندھا ہے۔ اگر کوئی انسان زمین کے تمام خزانے بھی لٹادے تب بھی دو افراد کے دلوں میں محبت کا رشتہ قائم نہیں کرسکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ مدد آئندہ بھی آپ کے ساتھ اور آپ کے جاں نثاروں کے شامل حال رہے گی۔

غزوۂ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے اور ستر ہی گرفتار ہوئے تو قیدیوں کا مسئلہ درپیش آ گیا۔ ابتداءِ اسلام میں جنگی قیدیوں کے احکام نہیں آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کے مشورے سے جنگی قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ فرمادیا۔ قرآن نے اس مرحلے پر اس فیصلے کو پسندیدہ تو قرار نہیں دیا، لیکن مسلمانوں کی خطاے اِجتہادی پر مواخذہ بھی نہیں فرمایا۔ تفصیلی احکام بعد میں نازل ہوئے۔

آیت ۷۲ سے واضح کیا گیا کہ اہل ایمان کی دوستی اور دلی محبت صرف ان اہل ایمان سے ہونی چاہیے جو دین کی خاطر مال وجان کی قربانیاں دینے والے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک کافر کا دوست کوئی کافر ہی ہوسکتا ہے۔ اگر دوستی کا یہ معیار اختیار نہ کیا گیا تو معاشرے سے فتنہ وفساد کبھی ختم نہ ہوگا۔ اگر اہل حق کی ہمدردیاں کسی نسلی یا لسانی تعلق کی وجہ سے کفار کے ساتھ ہوں گی تو وہ کبھی بھی کفار کے خلاف بھرپور وار نہ کرسکیں گے اور ان اہل باطل کی کمر نہ توڑ سکیں گے۔

سورت کے اختتام پر ان لوگوں کو ایک دوسرے کا رفیق قرار دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ

کی رضا کے لیے ہجرت اور جہاد کرتے ہیں، اور دین کی خاطر قربانی دینے والوں کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔ اس سورت کی ابتدا جہاد اور غنیمت کے ذکر سے ہوئی تھی اور اختتام نصرت اور ہجرت کے مضمون پر ہو رہا ہے۔ گویا کہ یہ سورت ابتدا سے اختتام تک جہاد ہی کے بیان کا اِحاطہ کرتی نظر آ رہی ہے۔

سورۂ توبہ: اس مدنی سورت میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والے تین مخلص مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا اِعلان ہے؛ اس لیے اس کا نام 'توبہ' رکھا گیا۔ اس سورۂ مبارکہ کا اسلوب انتہائی جلالی ہے۔ اور چونکہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے مضامین جہاد کے حوالے سے باہم مربوط ہیں، نیز یہ سورت ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر نازل ہوئی اور اس میں کفار کے لیے مہلت ختم کر کے کھلا ہوا اعلانِ جنگ ہے؛ اس لیے اس کے شروع میں رحمت کے اظہار کا کلمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لایا گیا۔

ابتدائی آیات میں مشرکین عرب کے لیے اعلان کیا گیا کہ ان تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کا پیغام پہنچانے کا حق اَدا کر دیا ہے اور حجت تمام کر دی ہے۔ اب وہ ایک معینہ مدت میں اسلام قبول کر لیں یا اسلامی ریاست کی حدود سے نکل جائیں۔ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اسلامی ریاست کی سرزمین پر ان کے ناپاک وجود کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

یہ سورت دراصل غزوۂ تبوک کے بعد واپسی پر نازل ہوئی۔ جہاد اور زکوۃ کے حوالہ سے منافقین کی خباثتوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کے مکروہ چہرے سے اسلام کا نقاب ہٹا کر انہیں معاشرے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ صلح اور امن کے معاہدوں سے کافروں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور ان کے اسلام دشمن طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، لہٰذا ان معاہدوں کو چار مہینہ کی مہلت دے کر ختم کرنے کا اعلان کیا جا رہا ہے اور حکم دیا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ کافر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی

موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ کافر جہاں بھی ملیں انہیں تہِ تیغ کریں۔اللہ ان کافروں پر آسمان سے کوئی عذاب اتارنے کی بجائے میدان جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرانا چاہتا ہے تاکہ انہیں سزا بھی مل جائے، یہ ذلیل و رسوا بھی ہوں اور مسلمانوں کے دلوں کا غصہ بھی اُتر جائے اور بعض کافر اس عبرتناک انجام سے سبق حاصل کر کے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر سکیں۔

اس کے بعد آیت ۱۶ میں دوٹوک بیان کر دیا گیا کہ جہنم سے خلاصی اور جنت کا حصول ان ہی لوگوں کے لیے ممکن ہو گا جن کی استقامت اور خلوص کو اللہ آزما کر اور ٹھوک بجا کر دیکھ لے گا۔جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق اَدا کریں گے اور اللہ، اس کے رسول اور مخلص اہل ایمان کے سوا کسی اور کو عزیز نہ رکھیں گے وہی جنت کی دائمی اور خوشگوار لذتوں سے سرفراز ہوں گے۔

چوبیسویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ دنیوی محبتیں اور تین دینی محبتیں بیان فرمائی ہیں۔اس کے بعد دعوت دی کہ اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرو۔ایک پلڑے میں دنیا کی آٹھ محبتیں یعنی والدین، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں، رشتہ داروں، مال، کاروبار اور گھر کی محبت رکھو اور دوسرے پلڑے میں دین کی تین محبتیں یعنی اللہ، رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت رکھو۔اب دیکھو کہ اگر دنیوی محبتوں والا پلڑا وزنی ہے اور دینی محبتوں والا پلڑا ہلکا ہے تو پھر جاؤ اور موت کا انتظار کرو۔انسان کی ترجیح تو دنیا ہو لیکن ذرا ضمیر کی تسلی کے لیے جزوی نیکی کر کے سمجھے کہ شاید اللہ اس سے راضی ہو جائے گا، ہرگز نہیں! دنیوی محبتوں کو دینی محبتوں پر ترجیح دینے والے درحقیقت فاسق ہیں اور اللہ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

اس کے بعد غزوۂ حنین کی کچھ تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔اور یہ اصول دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا ہمیشہ یہ طرزِ عمل رہا کہ وہ قلت وسائل اور افرادی قوت میں کمی کے باوجود اللہ

اور اس کے رسول کے حکم پر ثابت قدم رہے اور اللہ کی غیبی نصرت اور حمایت کے طلبگار رہے؛ لیکن حنین کا معرکہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کی تعداد اور افرادی قوت بہت زیادہ تھی۔ تقریباً بارہ ہزار مسلمان اس جنگ میں شریک تھے۔ اس تعداد کی کثرت اور فراوانی نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک فخر کی کیفیت پیدا کر دی۔

جب مسلمان کافروں کے آمنے سامنے ہوئے تو ہوازن کے تجربہ کار تیر اندازوں نے یک لخت مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ نبی رحمت علیہ السلام اپنی سواری کی پشت سے نیچے اُترے، آپ نے اعلان فرمایا کہ جس طرح اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میں عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا لخت جگر ہوں اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ رب نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ پورے وقار اور شجاعت کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِستقامت کی وجہ سے مسلمان بھی دوبارہ حوصلے میں آ گئے اور میدان جنگ میں واپس آ گئے اور اللہ تعالی سے مدد مانگی۔ جب اللہ تعالی سے مدد طلب کی گئی تو مالک کائنات نے دوبارہ مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرما دیا اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ جنگوں میں فتح وسائل کی کثرت اور فراوانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ہوا کرتی ہے۔

آیت ۲۸ میں واضح کر دیا گیا کہ ۹ ہجری کے حج کے بعد اب کافر حرم شریف میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور بتایا گیا ہے کہ توحید و آخرت پر ایمان نہ لانے والے اور اسلامی نظام حیات سے پہلوتہی کرنے والے اسلامی معاشرہ کے افراد بن کر نہیں رہ سکتے۔ انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ جزیہ اَدا کر کے اپنے رہنے کے لیے جواز پیدا کرنا ہوگا۔ اہل ایمان کو خدشہ تھا کہ مشرکین کی مسجد آمد سے جو مالی وکاروباری فوائد ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے، تو انھیں تسلی دی گئی کہ عنقریب اللہ مسلمانوں کو غنی کر دے گا اور انھیں مشرکین

کی طرف سے ملنے والے فوائد کی حاجت نہیں رہے گی۔

اس کے بعد مال و دولت اور سونے چاندی میں اللہ کے احکام کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے لیے وعید ہے کہ سونا چاندی جہنم میں تپا کر انہیں داغا جائے گا۔ پھر مہینوں اور تاریخوں میں تبدیلی کر کے حرام کو حلال کرنے کی کافرانہ حرکت پر تنبیہ کی گئی ہے۔اس کے بعد جہاد کے لئے نہ نکلنے پر وعید بیان کی ہے اور دردناک عذاب کا پیغام دیا گیا ہے۔

آیت ۳۲ میں آگاہ کیا گیا کہ اہل کتاب اپنی انتھک سازشوں اور ناپاک چالوں کے ذریعہ دین اسلام کی ترقی اور غلبہ حق کو روکنا چاہتے ہیں لیکن اللہ اس نورِ عدل ورحمت کو غالب کر کے رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار لگے......۔انسان ہی کہلانے کا حق دار ہے جس کا حیوانی تقاضوں سے اوپر کوئی پاکیزہ مقصد زندگی ہو۔اعلیٰ ترین مقصد وہ ہے جو مقصد تھا مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یعنی دنیا سے ظلم واستیصال کا خاتمہ اور عادلانہ نظام کا قیام۔

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

آیت ۴۰ میں سفرِ ہجرت کے موقع پر غارِ ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی رفاقتِ خاص کو ایک شانِ امتیازی کے ساتھ بتایا اور اس آیت میں چھ مرتبہ مختلف انداز میں سیدنا صدیق اکبر کا ذکر ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالی نے کلمہ کفر کو پست رکھا اور اللہ کا دین ہی سر بلند ہے۔آگے فرمایا کہ جب جہاد کے لیے عام لام بندی کا حکم ہو جائے، تو پھر جس حال میں بھی ہو تمام وسائل کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ منافقین قسمیں کھا کھا کر اور طرح طرح کے بہانے بنا کر جہاد سے پہلو تہی اختیار کریں گے، جبکہ سچے مومن دل وجان سے جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔

اگلی آیت میں بتایا گیا کہ حقیقی مومن اللہ کی راہ میں مال و جان لگانے سے کبھی نہیں

کتراتے۔ اللہ کی راہ میں نکلنے کا عذر وہی لوگ پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں اللہ و رسول اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متوجہ کیا گیا کہ آپ نے ان کا عذر کیوں قبول فرمالیا۔ ان لوگوں کو تو ویسے بھی نہیں نکلنا تھا! اگر نکلنا ہوتا تو اسی کی تیاری کرتے، پھر اگر بالفرض وہ نکل بھی جاتے تو پورے لشکر میں بددلی اور انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنی راہ میں نکلنے کی سعادت سے محروم کر دیا۔

منافقین کا شِعار یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچے تو وہ اس پر کڑھتے ہیں اور اگر مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو خوشی سے کہتے ہیں کہ ہمیں تو نتیجہ پہلے سے معلوم تھا، اس لیے ہم نے احتیاط سے کام لیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا: (اے رسول!) کہہ دیجیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی، سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔

آیت ۵۳ میں یہ حکم دیا گیا کہ منافقین کی طرف سے کسی بھی طرح کا مالی تعاون قبول نہ کیا جائے۔ منافقین غزوۂ تبوک کے دوران سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے اور اللہ کی راہ میں جان دینے کے لیے تو تیار نہ تھے؛ لیکن کچھ چندہ دے کر اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان آیات میں پابندی لگا دی گئی کہ ان کا چندہ قبول نہ کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں نکلنے سے کنی کترا کر وہ کفر کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ وہ چندہ دیتے ہیں انتہائی ناگواری سے اور نمازیں پڑھتے ہیں ٹوٹے دل سے۔ مسلمان ان کے مال اور اولاد کی کثرت سے متاثر نہ ہوں۔ اللہ انھیں عذاب دے گا اسی مال و اولاد کے ذریعہ۔ مال کسی حادثہ یا بیماری میں یا ان کی موت کے نتیجے میں ہاتھ سے نکل جائے گا اور اولاد ان کی مرضی کے خلاف طرزِ عمل اختیار کر کے ان کو اذیت دے گی۔ پھر یہ عملی اعتبار سے کفر کی حالت ہی میں موت سے دوچار ہوں گے۔ وہ قسمیں کھا کر مسلمانوں سے وابستگی کا یقین دلاتے ہیں، حقیقت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں، انھیں اگر کوئی جائے فرار مل جائے تو فوراً مسلمانوں کا

ساتھ چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔

آیت ۶۱ میں منافقین کی گستاخیوں اور بے ادبیوں کا ذکر ہے۔ وہ بد بخت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات کہتے اور اللہ کے احکامات وآیات کا مذاق اُڑاتے ہیں اور جواب طلبی پر کہتے ہیں کہ ہم تو بس مذاق کررہے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نبی کانوں کے کچے ہیں جبکہ نبی رحمت علیہ السلام کا تمام لوگوں کی بات سننا مومنین کے لیے باعثِ رحمت ہے اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان کی حرکات جلد بے نقاب ہو جائیں گی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اس کے بعد منافقین کی آنکھیں کھولتے ہوئے ان کے سامنے گزشتہ قوموں کا طرزِ عمل بطورِ عبرت پیش کیا گیا کہ اس دنیا میں کئی قومیں آئیں جنھوں نے اپنے اپنے دور میں اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کیا۔ بدقسمتی سے اکثر نے اللہ کے احکامات سے پہلوتہی کی اور ان کا مذاق اُڑایا۔ اس روش کی وجہ سے ان کی نیکیاں بھی برباد ہو گئیں اور وہ لوگ ہمیشہ ہمیش کے لیے خسارے کا سودا کر کے دنیا سے چلے گئے۔ گزشتہ اقوام میں سے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط اور قوم شعیب کی عبرت ناک داستانیں قرآن میں بیان کی گئیں۔

آیت ۷۹ میں منافقوں کا ایک شِعار یہ بتایا کہ نادار مومنین جب اپنی محنت کی کمائی سے تھوڑا سا مال صدقہ کرتے ہیں، تو یہ منافق ان پر طعن کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، (اللہ تعالی نے فرمایا کہ) اللہ ان کو ان کے مذاق کی سزا دے گا۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کو فرمایا: (یہ منافق آپ کے گستاخ ہیں) آپ کا اِن کے لیے استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے، اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں (تو ان کی شقاوتِ قلبی کی وجہ سے) اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

ان منافقین نا ہنجار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان مخلص مسلمانوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جن میں کوئی بڑھاپے، کوئی شدید بیماری اور کوئی سامانِ جہاد نہ ہونے کی وجہ سے جہاد میں

شرکت نہ کرسکا۔ ان لوگوں کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ جہاد میں شرکت نہ کرسکنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ اُمڈ آتے تھے؛ اس لیے فرمایا گیا کہ مخلصین کی اس جماعت پر کوئی گناہ نہیں، یہ عتاب صرف نامراد منافقین کے لیے ہے۔

آگے اللہ تعالی نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ عبداللہ بن ابی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دشمن تھا کی جب موت واقع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس موقع پر بار بار عرض کرتے رہے کہ آپ اس منافق کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر! اگر میرے جنازہ پڑھانے سے اللہ اس کو معاف کر دے تو مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔

چنانچہ جب آپ جنازہ پڑھانے لگے تو اللہ نے آپ پر وحی کا نزول فرمایا کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی اس بدبخت کے لیے دعاے مغفرت کریں تو اللہ اس کو معاف نہیں کرنے والا۔ اس پر پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ اللہ میرے اکہتر مرتبہ دعاے مغفرت کرنے کی وجہ سے اس کی خطا کو معاف کر دے گا تو میں اکہتر مرتبہ اس کے لیے دعاے مغفرت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر نرم دل، رحیم اور شفیق ومہربان تھے کہ اپنے بدترین دشمنوں سے بھی اِنتقام لینے پر آمادہ نہ تھے۔ اللہ تعالی ہمیں بھی اپنے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے، جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہونے اور دسویں پارے میں بیان کردہ واقعات کو پورے طور پر سمجھنے اور ان سے کامل نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ صفوۃ الانبیا والمرسلین ﷺ۔

گیارہواں پارہ

دسواں پارہ ان مخلص اہل ایمان کی جاں سپاریوں کے علاوہ اُن بدباطن منافقین کے ذکر پر ختم ہوا تھا جنھوں نے مالی وسائل اور سواری کی استطاعت رکھنے کے باوجود مرضِ نفاق میں مبتلا ہونے کے باعث تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔ اب گیارہویں پارے کے آغاز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں منافقین کے تذکرے کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ دراصل ان منافقوں کے ذہن میں یہ بدگمانی موجود تھی کہ مسلمان تبوک کے محاذ پر شکست سے دوچار ہوں گے؛ اس لیے وہ شرکت سے باز رہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اہل ایمان کی مدد فرمائی اور اپنے فضل خاص سے ان کو فتحیاب فرمادیا۔

اللہ تعالی نے پیشگی اپنے نبی کو اس بات کی اطلاع دے دی کہ جب آپ مدینہ میں پہنچیں گے تو بغیر کسی عذر کے جہاد سے پیچھے رہنے والے منافقین آپ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے عذر لنگ پیش کریں گے۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ ان سے فرمادیں کہ اب بہانے بنانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالی نے ہمیں تمہارے حالات سے مطلع کردیا ہے، اور آئندہ بھی اللہ ورسول تمہاری حرکتوں پر نظر رکھیں گے۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو حاضر اور غائب سب کا جاننے والا ہے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی اصلیت سے آگاہ کردے گا۔

آیت ۹۸ سے عرب کے دیہاتی لوگوں کے دو طبقوں کا بیان ہوا ہے: ایک وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جرمانہ وتاوان سمجھتے ہیں اور مسلمانوں پر برے دن آنے کے منتظر رہتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اِسے اللہ تعالی کی رِضا اور نبی کریم علیہ السلام کی نیک دعاؤں کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دین میں پہل کرنے والے اور نیکی میں سبقت

لے جانے والے انصار و مہاجرین اور ان کے متبعین کے لیے جنت کی دائمی نعمتوں کی خوشخبری اور عظیم کامیابی کی نوید ہے۔ اور ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اپنی غلطیوں کے اعتراف کے ساتھ نیک اعمال سرانجام دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے۔

آیت ۱۰۰ میں ان مہاجر وانصار صحابہ کی تحسین کی گئی جنھوں نے اول اول اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور مال و جان سے اس دین حق کا بھرپور ساتھ دیا۔ پھر ان سعادت مندوں کی تعریف وتوصیف کی گئی جنھوں نے اللہ اول اول سبقت کرنے والوں کی بڑی عمدگی سے پیروی کی، ان سب کو اللہ کی رضا اور جنت کے حصول کی بشارت دی گئی۔ آج کے روشن خیال دانش ور خود کو بڑا ذہین وفہیم اور سلف صالحین کو کودن اور کم فہم قرار دیتے ہیں، ان کی پیروی کی بجائے اپنی آرا سے نئے نئے اجتہادات کرتے ہیں اور اُمت کو نئے نئے فتنہ و اِبتلا میں گھسیٹے چلے جا رہے ہیں۔

اگلی آیات میں ان دو گروہوں کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک میں بغیر کسی شرعی عذر کے شرکت سے محروم رہے لیکن انھیں اپنی اس محرومی پر شدید احساسِ ندامت تھا، ان میں سے ایک گروہ نے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی سے قبل ہی خود کو سزا دے دی اور مسجد نبوی کے ستونوں سے خود کو باندھ لیا۔ زبانِ رسالت سے انھیں بشارت ملی کہ اللہ نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ دوسرے گروہ کا ذکر نیچے تفصیل سے آ رہا ہے۔

آیت ۱۰۷ میں مسجد ضرار کا تذکرہ ہے۔ قبا کے مخلص مسلمانوں نے مسجد بنا کر اللہ کی عبادت اور اعمالِ خیر کی طرح ڈالی تو کافروں نے ان کے مقابلہ میں فتنہ وفساد کے لیے ایک مرکز بنا کر اسے مسجد کا نام دیا۔ انہیں خفیہ طور پر عیسائیوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ یہ لوگ حضور علیہ السلام کو بلا کر افتتاح کرانا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں کی نگاہ میں مسجد مقدس بن جائے اور وہ درِ پردہ اس مسجد کے ذریعہ مسلمانوں میں انتشار اور فساد پھیلانے کی

سازشیں کرتے رہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ السلام کو منع فرما دیا اور بتایا کہ یہ مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے، کفر پھیلانے، اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے، اور اللہ و رسول سے جنگ کرنے والوں کے لیے سازشوں کا مرکز ہے۔

پھر کیا ہوا کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کو بھیجا اور اس مسجد کو آگ لگا کر جلانے اور پیوندِ زمین کر دینے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بظاہر نیک کام اگر منفی مقاصد کے لیے کیا جائے تو اللہ کے ہاں اسے قبولیت نہیں مل سکتی۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ اگر اسلامی معاشرہ میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے کوئی مسجد بھی تعمیر کی جائے تو اس کا تقدس تسلیم نہیں کیا جائے گا اور یہ بھی واضح ہوا کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لیے مذہبی رنگ میں کوشاں رہتے ہیں اور ایسی کارروائیوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مسجد قبا اور اس میں جمع ہونے والے مخلصین کی تعریف فرمائی اور ان کی ظاہری و باطنی طہارت کے جذبہ کو سراہا۔ یہاں ان اہل ایمان کی نو ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جو ہر مومن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے یعنی اہل ایمان ہمیشہ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا حکم دینے والے، بری باتوں سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔

اگلی آیت میں بتایا گیا کہ کلمہ پڑھ کر بندۂ مومن اللہ سے ایک عہد کرتا ہے، اس عہد کی رو سے وہ اپنا مال و جان اللہ کے حوالے کر دیتا ہے اور اللہ اسے اس کے بدلے میں جنت عطا فرمائے گا۔ اب اگر مومن مال و جان اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال کرے گا تو یہ بدعہدی اور امانت میں خیانت ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا :

أ لا إيمَانَ لِمَنْ لا أمانَةَ لَهُ ، وَلا دِيْنَ لِمَنْ لا عَهْدَ لَه . (بیہقی، مسند احمد)

مزید فرمایا گیا کہ عہد کی پاسداری کرنے والے مومن اللہ کی راہ میں جنگ و جہاد کرتے ہیں۔ دین کے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی جامِ شہادت نوش کرتے ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ برس تک انتھک محنت کی، دعوت کے ذریعہ ایک ٹھوس جماعت بنائی، اسے منظّم کیا، اس کی تربیت کی اور پھر بدر کے میدان میں باطل سے ٹکرا دیا۔ جب کہ غیر جماعتی زندگی بسر کرنے سے یہ مرحلہ کبھی نہیں آسکتا؛ لہٰذا اللہ سے عہد کو نبھانے کے لیے ہم پر اسوۂ رسولِ اکرم علیہ السلام کی پیروی لازم ہے۔

اللہ کا جنت دینے کا وعدہ اُدھار ہے؛ لہٰذا شکوک وشبہات کے ازالے کے لیے فرمایا کہ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اس وعدے کا ذکر تمام آسمانی کتابوں میں کیا گیا ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد کون پورا کرنے والا ہے؟ لہٰذا مومنوں کو اللہ سے کیے گئے اس سودے پر خوشیاں منانی چاہیے کہ یہی اصل کامیابی اور نفع کا سودا ہے۔ سودے کے لیے اس آیت میں بیع کا لفظ ہے جس سے بیعت کی اصطلاح بنی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بیع' تو اللہ سے ہے؛ لیکن اس کے بیعت تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر ہوتی ہے۔ اسی لیے سورۂ فتح میں بیعت مصطفوی کو بیعت خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حق و باطل کا معرکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باطل کے خلاف منظّم جدوجہد کے لیے اب بیعت کسی ایسے امتی کے ہاتھ پر ہوگی جس کے خلوص واخلاص، دیانت اور قیادت کی صلاحیت پر اعتماد ہو؛ البتہ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اصل عہد اس اُمتی سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے۔ باطل کے خلاف کامیابی کے لیے منظّم جدوجہد ضروری ہے، اس کے لیے تنظیم کے قیام کی منصوص اور مسنون اساس بیعت ہی ہے۔

آیت ۱۱۸ میں ان تین مومنوں کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک سے بغیر کسی عذر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔ ان لوگوں نے

منافقین کی طرح جھوٹی بیان بازی نہیں کی بلکہ بارگاہ رسالت مآبﷺ میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ جب اللہ نے منافقوں کے عذر کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو ان تین صحابہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اب اللہ تعالیٰ ان کی غلطی کیوں کر معاف کرے گا۔ ان کا ضمیر بوجھل تھا اور دل صدمے سے دوچار تھے اور یہ کسی نہ کسی طرح اپنی اس غلطی کا ازالہ چاہتے تھے۔ رسول اللہﷺ نے ان صحابہ کے سماجی بائیکاٹ کا اعلان کردیا، چالیس روز تک یہ صحابہ کرام معاشرے سے کٹ کر زندگی گزارتے رہے اور ان کے اہل خانہ کے علاوہ کوئی ان کے ساتھ کلام کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہاں تک کہ چالیسویں روز ان کو پیغام ملا کہ اپنی بیویوں سے بھی علیحدگی اختیار کرلیں۔ اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ زمین اپنی وسعت اور کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ بالآخر پچاس دن کے بائیکاٹ کے بعد اللہ نے ان تین صحابہ کرام کی توبہ کو قبول فرمالیا۔

اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت اور پیچھے رہ جانے والے مخلصین کی سچی توبہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سچائی کو ہر حال میں اپنانے کی تلقین ہے اور کسی بھی حال میں نبی کا ساتھ نہ چھوڑنے کی تاکید ہے۔ ان صحابہ کرام کے واقعے میں ہمارے لیے نصیحت ہے کہ جب انسان سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کو جھوٹے عذر پیش کرنے کی بجائے اللہ کی بارہ گاہ میں جھک جانا چاہیے۔ جو گناہ پر اکڑنے یا اصرار کرنے کی بجائے اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف فرمادیا کرتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی غزوہ کے موقع پر صحابہ کرام سے مالی تعاون کا تقاضا کیا تھا تو حضرت عثمان نے سات سو اونٹ بمع سامان اللہ کے راستے میں پیش کیا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے کل مال کا نصف حصہ اللہ کے راستے میں وقف کردیا تھا اور پُرامید تھے کہ اہل ایمان میں سے آج کوئی ان پر سبقت نہ لے کر جاسکے گا۔ لیکن جناب ابوبکر نے اپنا سارا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ابوبکر گھر میں کیا چھوڑ کر آئے ہو؟۔ابوبکر نے کتنا عشق افروز جواب دیا کہ یارسول اللہ! گھر میں اللہ ورسول کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔

اسلام کو اپنی دعوت کی ابتدا میں جیسے دشمنوں کی طاقت توڑنے کے لیے جہاد کی ضرورت تھی یوں ہی ان بنیادوں کی بھی ضرورت تھی جن پر اسلامی مملکت کی عمارت کھڑی کی جاسکے۔اس مقصد کے لیے شرعی احکام کے نزول کا سلسلہ مستقل جاری تھا اور حضور اکرم علیہ السلام ایسے افراد کی تیاری میں ہمہ تن مصروف تھے جو مستقبل کے مدرس، مربی، معلم، قاضی، حاکم، عامل اور منتظم بن سکیں؛ اس لیے حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی معتد بہ تعداد کو مدینہ میں ہی رہنا چاہیے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرسکیں۔

سورت کے آخر یہ ایمان افروز اور خوش کن بشارت دی گئی کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوعِ انسانی ہی میں سے ہیں اور آپ کا وجودِ مبارک کل بنی نوعِ انساں کے لیے باعث فخر وسرور ہے۔آپ اپنی امت سے والہانہ محبت فرماتے ہیں، امت کے لیے ہر خیر و بھلائی کی خواہش رکھتے ہیں، اور اس حوالے سے ہلکی سی تکلیف بھی آپ پر انتہائی ناگوار گزرتی ہے۔خاص طور پر باعمل اور مخلص اہل ایمان کے حق میں تو بہت ہی مہربان اور شفیق ہیں۔اس کے باوجود اگر اُمت آپ کے نقش قدم پر نہ چلے تو یہ اس کی حرماں نصیبی ہے۔اور آپ کے لیے اللہ کی عنایات و مدارات ہی کافی ہیں۔

سورۂ یونس: اس مکی سورت کا حروفِ مقطعات سے آغاز ہوتا ہے اور اس میں قرآن کریم کے حکیمانہ کلام ہونے کے ساتھ منکرین قرآن کی گندی ذہنیت کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ محض اس لیے اسے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ ایک اِنسان پر کیوں نازل ہوا!۔ اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین مکہ کو اچھی طرح آگاہ کردیا گیا ہے کہ تم پر حجت پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا اَب تم اپنے منطقی برے اَنجام کو بس پہنچنے ہی والے ہو۔

اس میں یہ بھی بتایا گیا کہ خاتم المرسلین علیہ السلام کی نبوت و رسالت سے کسی کو تعجب نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ آپ کی بعثت کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول آتا رہا ہے۔ اس کے بعد دلائل قدرت اور نظام کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا کہ انسان دو قسم کے ہوتے ہیں: تکذیب کرنے والے اور تصدیق کرنے والے۔ جھٹلانے والوں کا انجام آگ ہے اور تصدیق کرنے والوں کا انجام دائمی باغات ہیں۔

آیت ۱۲ میں ان جھٹلانے والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے اور اس کا مذاق اُڑانے سے بھی باز نہیں آتے اور اللہ کے نبی سے استہزا کے طور پر کہتے ہیں کہ آپ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں یا اسی میں کچھ تبدیلیاں کر دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے ان میں سے کسی بات کا اختیار نہیں میں تو وحی کا پابند ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے معاذ اللہ! یہ کلام خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزارا ہے، تو کیا تم سمجھتے نہیں یعنی اس چالیس سالہ زندگی میں تم نے میرے قول وقرار میں، کردار میں کوئی جھول یا نقص دیکھا ہے؟۔ تو ذرا سوچو کہ جب میں انسانوں پر جھوٹ نہیں باندھتا تو بھلا اللہ رب العزت پر کب جھوٹ باندھنے کی جرأت کر سکتا ہوں!۔

اگلی آیتوں میں بتایا گیا کہ جس طرح لوگ خیر کے لیے جلدی مچاتے ہیں ایسے ہی اگر شر کو بھی اللہ تعالی جلدی نازل کر دیتا تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، اسی وجہ سے اللہ تعالی کافروں پر عذاب اُتارنے میں جلدی نہیں کرتا۔ انسان کا مزاج ہے کہ جب تکلیف میں مبتلا ہو تو اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے اور جیسے ہی تکلیف ہٹا دی جائے ویسے ہی اللہ کو بھلا دیتا ہے جیسے کسی مشکل میں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔ پہلی قوموں کے گناہوں پر ان کی گرفت کی گئی پھر اللہ نے تمہیں ان کی جگہ دی تاکہ تمہارے اعمال کو دیکھ کر ان کے مطابق تمہارے مستقبل کا فیصلہ کریں۔

آیت ۱۸ میں فرمایا کہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر ایسے باطل معبودوں کو پوجتے ہیں جو انہیں نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ مشرکوں کے بت اور تمام معبودانِ باطل من دون اللہ ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انبیاے کرام علیہم السلام اور اللہ تعالی کے مقرب بندے اس کے اِذن سے اس کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔

آیت ۲۲ سے اللہ تعالی نے اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جس میں دریاؤں میں بادبانی کشتیوں کا چلنا اور بارش سے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے لیے پودوں اور سبزوں کا اگنا شامل ہے لیکن انسان کی فطرت یہ ہے کہ طوفان کے گرداب میں پھنس جائے تو آخری سہارے کے طور پر اللہ کو پکارتا ہے لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو اللہ کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد دنیا کی زندگی کو ایک کھیتی کی مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح آسمان سے بارش برستی ہے، کھیتی اُگتی ہے، اپنے جوبن پر پہنچتی ہے؛ لیکن پھر اچانک اللہ کی طرف سے کوئی آفت اسے رات یا دن میں اجاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی بھی ابتدا کے بعد جوانی کے عروج تک پہنچتی ہے؛ لیکن اچانک کسی آفت کا طبعی موت سے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اے انسان! کھیتی کا معاملہ تو آسان ہے کہ اس کا کوئی حساب نہیں۔ لیکن تجھ کو موت کے بعد دوبارہ اُٹھایا جائے گا اور تیرے کیے دھرے کا تجھ سے سختی سے حساب کتاب ہوگا۔

آیت ۲۵ سے بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تمام انسانوں کو سلامتی کی راہ کی طرف بلا رہا ہے، جو لوگ اللہ کے حکم پر لبیک کہیں گے ان کے لیے بھلائیاں ہی بھلائیاں ہیں۔ روزِ قیامت ان کے چہرے ہر قسم کی ذلت ورسوائی کی سیاہی سے محفوظ ہوں گے اور وہ ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے۔ اس کے برعکس اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے چہرے ذلت ورسوائی کی وجہ سے اندھیری رات کی طرح سیاہ ہوں گے، انھیں اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے۔

اگلی آیات میں قرآن مجید کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک عظیم نصیحت آئی ہے، جو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت۔ اگلی آیت میں اولیاء اللہ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں نہ کسی آنے والی بات کا خوف ہوگا اور نہ ہی کسی گزری ہوئی بات کا رنج و ملال، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ہمیشہ تقوے پر کاربند رہے، ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس کے بعد نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اختصار کے ساتھ تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے متکبر سرداروں کے مقابلہ میں اللہ پر توکل کیا اور اللہ کا پیغام سنانے کے عوض کوئی تنخواہ طلب نہیں کی، اللہ نے انہیں اپنے پیروکاروں کے ساتھ کشتی میں بچالیا اور مخالفین کو طوفان میں غرق کر کے عبرتناک انجام سے دوچار کر دیا۔

پھر موسیٰ و ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجنے کا بیان ہے کہ انہوں نے متکبرانہ انداز میں جھٹلایا۔ موسی علیہ السلام نے معجزات دکھائے۔ انہوں نے اسے جادو قرار دے کر مقابلے کے لیے اس دور کے بڑے جادوگر بلالیے۔ موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا جادو میرے معجزہ کے مقابلے میں ناکام ہو کر رہے گا۔ موسی علیہ السلام نے بددعا کی جس پر اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ فرعون نے غرق ہوتے وقت کلمہ پڑھا۔ اللہ نے اسے رد کر دیا کہ زندگی بھر گناہ اور فساد مچا کر اب مرتے وقت ایمان لاتے ہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالی سکراتِ موت، موت اور غرغرہ کی کیفت طاری ہونے سے پہلے تک اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؛ لیکن اس مرحلے پر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالی نے فرعون کو فرمایا کہ آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تم بعد میں آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بنے رہو۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اتنا بڑا مقتدر اور متکبر بادشاہ کس طرح بے بس اور ذلت کی موت کا شکار ہوا۔ قرآن کا یہ معجزہ ساڑھے چودہ سو سال بیت جانے کے بعد آج بھی بالکل سچا

ہے کہ مصر کے فرعون کی حنوط شدہ نعش آج بھی موجود ہیں۔ اس واقعے سے ہمیں نصیحت حاصل کرنی چاہیے کہ انسان کو دنیا اور اقتدار کے نشے میں بالکل اندھے ہوکر اپنے انجام اور آخرت کو فراموش نہیں کر دینا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی شدید ہے۔

یہ سورت حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے معنون ہے۔ اس کی آخری آیات میں بیان ہوا کہ سرکش قوموں میں سے صرف قومِ یونس ہی ایک ایسی قوم تھی کہ جو عذابِ الٰہی آنے سے پہلے ایمان لے آئی۔ انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالی نے انہیں دنیا میں رسوا کن عذاب سے نجات دے دی۔ امر واقعہ یہ ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان سے مایوس اور اللہ کے عذاب کو یقینی دیکھ کر 'نینوی' کی سرزمین چھوڑ کر چلے گئے۔ آگے جانے کے لیے جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو درمیان راہ انھیں کشتی سے سمندر کی لہروں کی نذر کر دیا گیا۔ اللہ کی شان کہ ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا مگر مچھلی کے پیٹ میں بھی آپ زندہ رہے۔ بالآخر چند روز بعد مچھلی نے آپ کو ساحل پر لاکر اگل دیا۔ ادھر یہ ہوا کہ ان کی قوم کے مرد اور عورتیں، بچے اور بڑے سب صحرا میں نکل گئے اور انھوں نے آہ وزاری اور توبہ واستغفار شروع کر دیا اور سچے دل سے ایمان قبول کر لیا جس کی وجہ سے اللہ کا عذاب ان سے ٹل گیا۔

مومنین ومنافقین، موسیٰ وفرعون اور یونس اور ان کی قوم کے واقعات کو بیان کرنے کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ کفر وشرک سے باز نہ آئے اور اپنی اَنا پر اَڑے رہے تو قیامت سے پہلے ہی ان پر عذاب آسکتا ہے۔ ساتھ ہی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کو یہ خوش خبری ونوید سنائی گئی کہ اللہ کی مدد ونصرت قریب ہے۔ یہ ہماری سنت رہی ہے کہ ہم بالآخر اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں جیسے سورۂ یونس کی ابتدا قرآن حکیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کا اختتام بھی اس سچی کتاب کی اتباع وپیروی کے حکم پر ہی ہو رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ اہل حق کا ساتھ دینے، دین پر جمے رہنے اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بارہواں پارہ

گیارہویں پارے کے اخیر میں سورۂ ہود کی ابتدا ہو چکی ہے۔ لیکن اس کی تفصیلات کا آغاز ہم بارہویں پارے سے کر رہے ہیں۔ اس مکی سورت کا مرکزی موضوع رسالت کی ہمہ گیریت کے بیان پر مشتمل ہے۔ دوسرے انبیا کے علاوہ قومِ عاد، ان میں مبعوث کیے گئے نبی حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے؛ اس لیے سورت کا نام ہود رکھ دیا گیا۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے، وہ اس کے قیام کی جگہ (اِس سے مراد باپ کی پشت یا ماں کا رحم یا زمین پر جاے سکونت ہے) اور سپردگی کی جگہ (اِس سے مراد مکان یا قبر ہے)، سب کچھ روشن کتاب میں مذکور ہے۔ مزید فرمایا: تخلیقِ کائنات کا مقصد انسان کے خیر وشر کی آزمائش ہے۔ پھر انسان کی خودغرضی کو بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت عطا کرے، تو اس پر شکر گزار نہیں ہوتا؛ لیکن نعمت چھن جانے پر نا اُمید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

اِسی طرح اگر مصیبت کے بعد کوئی نعمت ملے تو انسان اِتراتا ہے اور شیخی بگھارتا ہے، البتہ جو ہر حال میں صابر و شاکر رہیں اور عملِ صالح کریں تو ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اے پیارے حبیب! کفار طرح طرح کی فرمائشیں کرتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، یا آپ کی تائید کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نہ اُترا، تو آپ ان کی بیہودہ باتوں پر تنگ دل نہ ہوں، آپ کا کام تو صرف لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا دینا ہے، سو وہ آپ نے کر دیا۔

آیت ۸ میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس لیے بنائی ہے تاکہ وہ انسان کا امتحان لے کہ ان میں سے کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے۔ روزِ قیامت تمام انسانوں کو

دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ امتحان کا نتیجہ سنایا جائے اور نتیجہ کے مطابق جزا وسزا دی جائے۔ یہ تو کفار کی کج فہمی ہے کہ وہ انسان کے دوبارہ جی اُٹھنے کے عمل کو جادو قرار دے رہے ہیں۔اب اگر ان کو اس جھٹلانے پر فوراً سزا نہیں دی جاتی تو طنزاً پوچھتے ہیں کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آرہا!۔ یہ کافر عنقریب بہت اچھی طرح جان لیں گے۔

اِس سورت میں ایک بار پھر قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا اِنکار کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا کہ اپنے تمام حامیوں کو ملا کر اِس جیسی کوئی دس سورتیں بنالاؤ؛ مگر وہ کہاں لانے والے!۔قرآن کریم جیسی سورتیں بنانے سے ان کا عاجز آجانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔انسانوں کا ایسا کلام بنانے سے عاجز آجانا اس کی حقانیت کا داخلی ثبوت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر بتایا کہ قرآن کریم کو تسلیم کرنے والا اپنی بصارت کے تقاضے پورے کررہا ہے، اس لئے وہ بینا ہے اور نہ تسلیم کرنے والا اپنی بصارت کے تقاضے پورے نہیں کرتا اس لئے وہ نابینا ہے اور قرآن پر ایمان لانے والا اپنی سماعت کے تقاضے پورے کرتا ہے اس لئے وہ سننے والا ہے اور ایمان نہ لانے والا اپنی سماعت کے تقاضے پورے نہیں کرتا اس لئے وہ بہرا ہے اور یہ لوگ آپس میں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔

اس پارے میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص ان اقوام کا ذکر کیا ہے جو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنیں۔حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو توحید و رسالت کی بات سمجھائی اور نہ ماننے کی صورت میں انہیں دردناک عذاب کی وعید سنائی۔ قوم میں اونچی سوسائٹی کے لوگ، سرداراور اربابِ اقتدار کہنے لگے کہ آپ ہمارے جیسے عام انسان ہیں اور آپ کا ساتھ دینے والے معاشرہ کے نچلے طبقے کے لوگ ہیں، دنیا کے اعتبار سے آپ کے اندر وہ کون سی خوبی ہے جس کی بنیاد پر ہم آپ پر ایمان لائیں۔ہمیں تو آپ جھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہدایت کے

لیے مفادات اور مال و دولت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ دلائل اور رحمت خداوندی درکار ہوتی ہے اور یہ نعمت ہمیں حاصل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کی پوجا کیا کرتی تھی، تو آپ نے اپنی قوم کے لوگوں کو شرک کی قباحتوں سے آگاہ کیا اور ان کو شرک سے باز رہنے کی تلقین کی؛ مگر انہوں نے جناب نوح علیہ السلام کا شدید مذاق اڑایا۔

نوح علیہ السلام کو جب یقین ہو گیا کہ میری قوم کے صاحب ایمان لوگوں میں اب مزید کوئی اضافہ نہیں ہوگا تو جناب نوح علیہ السلام نے پروردگار سے دعا مانگی: اے میرے پروردگار! میں مغلوب ہوں تو میری مدد فرما۔ اللہ تعالی نے جناب نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول و منظور فرمالیا اور ان کو حکم دیا کہ آپ ایک بہت بڑی کشتی تیار کریں جب کشتی تیار ہو جائے تو اس میں اہل ایمان کو بھی سوار ہونے کا حکم دیں۔

جناب نوح علیہ السلام جب کشتی بنا چکے تو اللہ تعالی نے آسمان سے پانی کو نازل کر دیا اور زمین کو بھی پانی اگلنے کا حکم دے دیا۔ آسمان اور زمین سے آنے والے پانی کی زد میں تمام کافر آ گئے؛ یہاں تک کہ جناب نوح علیہ السلام کا کافر و نافرمان بیٹا بھی طوفان کی نذر ہو گیا۔ اللہ کی طرف سے حکم ہوا: اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا۔ چنانچہ پانی خشک ہو گیا، اللہ کا فیصلہ نافذ ہو گیا اور کشتی کوہِ جودی پر ٹھہر گئی۔

نوح علیہ السلام نے اللہ سے التجا کی: اے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے کہ میرے اہل کو بچا لیا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا: اے نوح! وہ آپ کے اہل میں سے نہیں، اس کے اعمال ٹھیک نہیں اور جس بات کی حقیقت آپ کو معلوم نہ ہو اس کے بارے میں سوال نہ کریں۔ غور طلب امر ہے کہ ایمان سے محرومی کی وجہ سے باپ کی نبوت بھی اس کے کسی کام نہ آ سکی۔ اللہ تعالی نے واضح کر دیا کہ اسلامی معاشرہ کے اَجزائے ترکیبی قوم، وطن یا نسبی رشتہ داری نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں، ایک نبی

اُمی کا اس تاریخی واقعہ کو بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نبی برحق ہیں؛ لہٰذا ایمان والوں کو صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔اور بہتر انجام متقیوں کے لیے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا ذکر کیا جو خود کو اپنے دور کی سپر پاور تصور کرتی تھی۔ یہ قوم ڈیل ڈول اور جسمانی طاقت میں بہت زیادہ تھی، ان کا دعوی تھا کہ دنیا میں ہم سے طاقت ور کوئی نہیں ہے۔ جناب ہود علیہ السلام ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن انہوں نے جناب ھود علیہ السلام کی ایک نہ سنی۔ جناب ھود نے کہا: اے قوم عاد! تم کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے، اگر تم اپنے پروردگار سے بخشش ومغفرت طلب کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو تو اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اور اضافہ کرے گا؛ لیکن قوم عاد کے لوگ طاقت کے نشے میں چور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ایک ایسی طاقتور طوفانی ہوا کو ان پر مسلط کر دیا جس نے قوم ھود کو اُکھاڑ کر پھینک دیا اور اپنی طاقت پر ناز کرنے والے زمین پر یوں پڑے تھے جس طرح کٹے ہوئے درخت کے تنے ہوا کرتے ہیں۔

قومِ عاد کے بعد اللہ تعالی نے قوم ثمود کا ذکر کیا۔قوم ثمود کے لوگ بھی اللہ تعالی کی توحید کو فراموش کر چکے تھے۔ جناب صالح علیہ السلام نے ان کو توحید کا درس دیا لیکن وہ اس درس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور انہوں نے جناب صالح علیہ السلام سے اس بات کا تقاضا کیا کہ ان کو کوئی نشانی دکھلائی جائے۔ جناب صالح علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا مانگی تو بستی کی ایک بڑی پہاڑی پھٹی جس سے ایک اونٹنی نکلی اس اونٹنی نے باہر نکلتے ہی بچہ دیا۔ یہ بہت بڑا معجزہ تھا کہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہونے والی اونٹنی نے بچے کو جنم دیا مگر بستی کے لوگوں نے اتنے بڑے معجزے کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس پر اللہ تعالی کا غضب اُترا اور ان پر ایک چنگھاڑ کو مسلط کر دیا کہ ایک فرشتے نے چیخ ماری اور اس چیخ کی وجہ سے بستی کے لوگوں کے بھیجے اور دماغ پھٹ گئے۔

آیت ٦٩ سے ابراہیم اور لوط علیہما السلام کا تذکرہ ہے کہ ہمارے فرشتے قاصد بن کر انسانی شکل میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مہمانی کے طور پر بچھڑا ذبح کر کے بھونا اور انہیں کھانے کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے کھانے میں کسی رغبت کا مظاہرہ نہیں کیا تو ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ لوگ کہیں دشمنی کی وجہ سے کھانے سے گریز نہ کر رہے ہوں؛ لہٰذا ان سے خوف زدہ ہو گئے تو انہوں نے بتا دیا کہ ہمارے نہ کھانے کی وجہ دشمنی نہیں ہے بلکہ ہم فرشتے ہیں اس لیے نہیں کھا رہے۔ ہم تو قوم لوط کے لیے عذاب کے احکام لے کر آئے ہیں۔ ہم راستہ میں آپ کو اولاد کی خوشخبری دینے آئے ہیں۔ اللہ تمہیں اسحاق نامی بیٹا اور یعقوب نامی پوتا عطا فرمائے گا۔

ان کی بیوی قریب ہی کھڑی ہوئی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ عورتوں کے اندازِ گفتگو میں اپنے چہرہ پر ہاتھ مارتی ہوئی کہنے لگیں کہ میں بانجھ اور میرا شوہر بڑھاپے کی آخری عمر میں ہے۔ بھلا ہمارے ہاں کیسے اولاد ہو سکتی ہے!۔ فرشتوں نے کہا: اس میں تعجب اور حیرانی کی کون سی بات ہے۔ اللہ تمہارے گھرانے پر اپنی رحمتیں اور برکتیں اتارنا چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی نرم دل تھے اس خوشخبری کو سن کر لوط علیہ السلام کی قوم کی سفارش کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا کہ ان کی ہلاکت کا اٹل فیصلہ ہو چکا ہے، آپ برائے کرم اس میں کچھ مداخلت نہ کریں۔

آیت ٧٧ سے اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کا ذکر کیا ہے کہ قوم لوط کے لوگ ہم جنس پرستی کی بیماری کا شکار تھے۔ جناب لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ وہ اس بدکرداری سے اجتناب کریں لیکن وہ لوگ جناب لوط علیہ السلام کی دعوت سے بالکل بھی متاثر نہ ہوئے۔ جناب لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے اہل خانہ کو اس برائی سے محفوظ فرما لینا۔ اللہ تعالیٰ نے جناب لوط علیہ السلام کی مدد کرنے کا ارادہ فرما لیا اور اپنے فرشتوں کو جناب لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف عذاب کی خبر دے کر

بھیجا۔ جب فرشتے قوم لوط کے پاس پہنچے تو وہ خوبصورت انسانوں کے روپ میں تھے جناب لوط علیہ السلام ان کی آمد پر بہت دل گرفتہ ہوئے کہ اب بستی کے لوگ ان خوبصورت نوجوانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائیں گے۔ آپ کے غم کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا جناب لوط آپ کی قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے پاس آنے والے ان فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ بستی پر عذاب مسلط کر دیں۔ چنانچہ فرشتوں نے بستی کو اپنے پروں پر اُٹھا کر زمین پر پھینک دیا اور پوری بستی کو بے دردی سے پتھروں سے روند ڈالا۔

اس کے بعد آیت ۸۴ سے اللہ تعالیٰ نے قوم مدین کا ذکر کیا ہے جو کہ شرک کی برائی کے ساتھ ساتھ ناجائز منافع خوری کا شکار تھی۔ جناب شعیب علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ پورا ماپا کرو اور پورا تولا کرو مگر وہ جناب شعیب علیہ السلام کی دعوت کو ماننے پر آمادہ و تیار نہ ہوئے اور انہوں نے کہا ہمیں ایسا دین نہیں چاہیے جو انسان کو کاروبار بھی نہ کرنے دے۔ جناب شعیب علیہ السلام نے ان کو امم سابقہ کے انجام سے بھی آگاہ کیا مگر ان کے تیور نہ بدلے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر اسی طرح کی چیخ کو مسلط کر دیا جس چیخ کے ساتھ قوم ثمود تباہ ہوئی تھی۔ اور یہ لوگ صبح کو اپنے گھروں میں تابِ عذاب نہ لا کر ایسے اوندھے منہ پڑے تھے گویا کہ وہ کبھی زمین پر آباد ہی نہیں تھے۔

پھر مذکورہ نافرمان قوموں کے انجام پر بڑا بصیرت افروز تبصرہ کیا گیا ہے جو عذابِ الٰہی کے ذریعہ ہوئیں۔ ان قوموں پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے شرک کی راہ پر ہٹ دھرمی سے چل کر خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا۔ جب اللہ کا عذاب آیا تو ان کے خود ساختہ معبودان کے کچھ کام نہ آئے۔ اللہ مختلف عذابوں سے نافرمان قوموں کی پکڑ کرتا ہے اور اس کے عذاب کی ہر صورت ہی بڑی دردناک ہوتی ہے۔

اس کے بعد بتایا کہ برائی سے روکنے والے عذاب کی گرفت میں آنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ کاش! ہلاک ہونے والی قوموں میں ایک موثر حصہ ایسے لوگوں

کا ہوتا جو نافرمانوں کو برائی سے روکتا۔لیکن ایسے لوگ ہوتے بہت کم ہیں۔البتہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو برائی سے روکنے والوں کو اللہ بچالیتا ہے۔اور جب تک بستی میں برائی سے روکنے والوں کا ایک موثر گروہ ہوتا ہے اللہ ایسی بستی پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔یعنی اگر کسی قوم میں اِصلاح وتبلیغ کی جدوجہد کرنے والے اَفراد پیدا ہو جائیں تو وہ قوم ہلاکت سے بچ سکتی ہے۔

آخری آیات میں یاددہانی کرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ رسولوں کے واقعات اس لیے بیان فرمائے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل جوئی ہو اور اہل ایمان کے لیے سامانِ نصیحت ہو۔کافروں کے لیے چیلنج ہے کہ وہ ہمارے رسول کے خلاف جو اقدام کر سکتے ہیں کر گزریں، ان کا وہی انجام ہوگا جیسا سابقہ رسولوں کے مخالفین کا ہوا تھا بلکہ اس سے بھی بدتر کہ یہ پیغمبر آخر الزماں اور محبوبِ خالق دوجہاں سے عناد وعداوت کر رہے ہیں۔اللہ آسمانوں اور زمین کے تمام رازوں، تمام انسانوں کے اعمال اور پھر ان کے انجام سے واقف ہے۔تمام انسانوں کے معاملات آخری فیصلہ کے لیے اسی کے سامنے پیش ہوں گے۔خیر اسی میں ہے کہ اللہ ہی کی بندگی کی جائے اور صرف اور صرف اسی پر بھروسہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اس آیت سے زیادہ سخت آیت کوئی نازل نہیں ہوئی۔صحابہ نے ایک موقع پر ریش مبارک میں چند سفید بال دیکھتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ! بڑھاپا بہت تیزی سے آرہا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے'۔علما فرماتے ہیں کہ آپ کا اشارہ سورۂ ہود کی اسی آیت کی طرف تھا جس میں آپ کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے۔سچ ہے کہ اِستقامت عین کرامت ہے۔اللہ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ یوسف: اس مکی سورت میں چونکہ بڑے منفرد انداز میں حضرت یوسف

علیہ السلام کا بس ایک ہی واقعہ ذکر ہوا ہے تو اس مناسبت سے اس کا نام 'یوسف' رکھ دیا گیا۔ دیگر انبیاے کرام کے واقعات پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن حضرت یوسف کا واقعہ بس اسی ایک سورت بتمام وکمال بیان کر دیا گیا۔ گرچہ حضرت یوسف کا نام دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے لیکن ان کے اس واقعے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ قرآن نے اسے 'احسن القصص' قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اس میں جتنی عبرتیں اور نصیحتیں پائی جاتی ہیں وہ شاید ہی کسی دوسرے قصے میں پائی جاتی ہوں۔ جامعیت کے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں دین بھی ہے توحید وفقہ بھی، سیرت وسوانح بھی ہے خوابوں کی تعبیر بھی، سیاست وحکومت کے رموز بھی ہیں، انسانی نفسیات بھی، معاشی خوشحالی کی تدبیریں بھی ہیں، حسن وعشق کی حشر سامانی بھی، زہد وتقویٰ کی ست گیری بھی ہے اور انبیا وصالحین کا تذکرہ بھی وغیرہ ذالک۔

ایک بڑی خوبی اس قصے میں یہ بھی پائی جاتی ہے کہ اس قصے کے ضمن میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مخالفین کے حال ومستقبل کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی طرح ہمارے پیارے آقا علیہ السلام کے ساتھ بھی قریشی بھائیوں نے حسد کیا، قتل کے مشورے کیے، آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا، تین دن تک غارِ ثور میں روپوش ہونا پڑا، وہاں سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں بتدریج آپ کو عروج حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ بن گئے۔ مکہ فتح ہوا تو قریشی بھائی نادم وشرمندہ ہوئے، انھیں آپ کے سامنے سرافگندہ ہونا پڑا، اسے حسن اتفاق کہیے یا عمد وقصد کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا: 'میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو تم پر کوئی الزام نہیں'۔

اِبتداے سورت میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان ہے۔ پھر یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر ہے کہ انہوں نے گیارہ ستارے اور چاند اور سورج کو اپنے سامنے سجدہ کرتے

ہوئے دیکھا جس کی تعبیر واضح تھی کہ ان کے گیارہ بھائی اور والدین ان کے سامنے جھکیں گے اور ان سب کے درمیان یوسف علیہ السلام کو امتیازی مقام حاصل ہوگا۔ اس خواب کے بعد بھائیوں نے حسد کرنا شروع کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے قتل کا پروگرام بنا کر اپنے والد کو راضی کر کے انھیں جنگل میں لے گئے۔ انہیں کنویں میں پھینک کر کپڑوں کو کسی جانور کے خون سے آلودہ کر کے والد کو بتا دیا کہ ہم جنگل میں کھیلتے رہے اور بھائی کو بھیڑیا کھا گیا۔ یعقوب علیہ السلام ان کی سازش کو سمجھ گئے اور یوسف علیہ السلام کے فراق میں پریشان رہنے لگے اور دن رات روتے رہے۔ ایک تجارتی قافلہ نے کنویں سے یوسف علیہ السلام کو نکال کر مصر کے بازار میں فروخت کر دیا۔

یوسف علیہ السلام کی خوبصورتی کے چرچے پھیل گئے، بادشاہ نے انہیں خرید کر اپنا منہ بولا بیٹا قرار دے دیا اور اس طرح یوسف کنویں سے نکل کر شاہی محل میں رہنے لگے۔ شاہ مصر کی بیوی حسنِ یوسف پر ریجھ گئی اور انہیں دعوت گناہ دینے لگی، یوسف نے اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کی۔ شوہر کو معلوم ہونے پر اس عورت نے بدکاری کا الزام لگا دیا۔ اللہ نے اسی کے خاندان کے بچے سے حضرت یوسف کی بے گناہی کی شہادت دلوا کر انہیں باعزت بری کروا دیا۔

کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کا اختلاط اور خلوت میں میل جول فتنہ وفساد کا باعث ہوتا ہے، نہ زلیخا کو خلوت میسر آتی اور نہ ہی وہ برائی کی منصوبہ بندکرتیں؛ اس لیے اسلام نے مرد وزن کے خلوت میں ملنے کو حرام قرار دیا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا فرد شیطان ہوتا ہے۔

اب جب مصر کی عورتوں نے بادشاہ کی بیوی پر ملامت کی تو اس نے حسن یوسف کا مظاہرہ کرنے کے لیے عورتوں کی دعوت کر کے یوسف علیہ السلام کو سامنے بلوایا۔ تمام عورتیں حسن یوسف کو دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گئیں اور پھلوں کو کاٹتے ہوئے اپنے ہاتھ بھی

کاٹ بیٹھیں اور کہا: حاشاللہ! یہ بشر نہیں، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ پھر عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا کہ یہی تو وہ پیکرِ جمال ہے، جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اے پروردگار! گناہ میں مبتلا ہونے سے قید کی مشقت میرے لیے بہتر ہے اور تیرے ہی کرم سے مجھے اِس عورتوں کی سازش سے نجات ملی ہے۔

پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا گیا تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے دو قیدی ساتھیوں نے ان کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے ان کے خوابوں کی یہ تعبیر بتائی: ایک سے کہا کہ تم دربار میں پہنچو گے اور اپنے آقا کو شراب پلاؤ گے اور دوسرے کو بتایا کہ تمہیں سولی دی جائے گی اور پرندے تمہارا گوشت نوچ کر کھائیں گے اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ آپ نے دونوں کو دعوتِ توحید دی۔

کہتے ہیں کہ سچا داعی، انتہائی مشکل اور پریشان کن حالات میں بھی دعوت کے فریضے سے غافل نہیں ہوتا۔ ذرا دیکھیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں بھی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے ہیں۔ جو لوگ آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے ان کو بھی آپ نے پہلے توحید کی دعوت دی اس کے بعد خواب کی تعبیر بتلائی اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے قیدیوں نے آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان قبول کر لیا تھا۔

کچھ روز بعد بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات تندرست گائیں، سات دبلی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور فصل کے سات خوشے سرسبز ہیں اور سات خشک۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے خواب کی تعبیر پوچھی لیکن وہ نہ بتا سکے۔ پھر یوسف علیہ السلام کے قیدی ساتھی کے ذریعے جواب بادشاہ کا ساتھی بن چکا تھا، یوسف علیہ السلام کے خوابوں کی تعبیر میں مہارت کا علم ہوا، چنانچہ آپ سے رجوع کیا گیا۔ آپ نے تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تم پر سرسبزی اور شادابی کے آئیں گے اور پھر سات سال قحط سالی کے آئیں

گے۔ تمہیں چاہیے کہ آبادی کے سات سالوں میں فاضل پیداوار کو خوشوں میں ہی محفوظ رکھنا تاکہ خشک سالی میں تمہارے کام آئے۔

بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تدبیر بتانے کی وجہ سے آپ اس کی نظروں میں بچ گئے۔ اور اس نے اتنی خوبصورت تعبیر سے متاثر ہو کر آپ کی رہائی کا فیصلہ کر دیا مگر یوسف علیہ السلام نبوت کے دامن کو داغدار ہونے سے بچانے کے لیے تحقیقات کا مطالبہ کیا جس پر انہیں بے گناہ قرار دے کر رہائی ملی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو عموماً اور ایک داعی و پیشوا کو خصوصاً اپنے دامن کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال بعد جب رہائی نصیب ہوئی تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ آپ کی براءت وطہارت کا اعلان واعتراف نہ کر لیا جائے، تاکہ کل کو آپ کو کوئی طعنہ نہ دیا جائے کہ معاذ اللہ ! تھے تو مجرم مگر رحم اور ترس کھاتے ہوئے رہا کر دیا گیا۔ اور پھر شاہِ مصر نے اپنی کابینہ میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا۔ ساتھ آپ کو خزانے، تجارت اور مملکت کا خود مختار وزیر بنا دیا۔

اس واقعے سے صبر کی فضیلت اور اس کے بہترین نتائج کا بھی یقین آجاتا ہے کہ حضرت یوسف نے کنویں کی تاریکی سے جیل کی تنہائی تک اور عزیز مصر کے گھر سے بھائیوں کو معاف کرنے تک ہر جگہ مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن تھامے رکھا، اس صبر کے جو نتائج سامنے آئے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر، راحتوں اور نعمتوں کے دروازے کی چابی، نصف ایمان اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ورحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ اور مجرب نسخہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا باقی واقعہ تیرھویں پارے میں بیان ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں واقعاتِ قرآنی سے سبق سیکھنے خصوصاً احسن القصص سے عبرت پکڑنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

تیرہواں پارہ

بارہویں پارے میں عرض کیا گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے شہرت کے سبب بادشاہ (عزیزِ مصر) نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگنے والے الزام کی صفائی نہ ہو جائے میں جیل سے باہر نہیں آؤں گا۔ چنانچہ خود عزیزِ مصر کی بیوی کے خاندان سے ایک فرد نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص سینے کی جانب سے پھٹی ہے تو یہ قصوروار ہیں اور اگر پشت کی جانب سے پھٹی ہے، تو عورت قصوروار ہے، اور آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی، اس طرح سے آپ کی براءت ثابت ہوئی اور خود عزیزِ مصر کی بیوی نے بھی اعتراف کرلیا کہ یوسف علیہ السلام پاک دامن ہیں اور میں نے ہی انہیں دعوتِ گناہ دی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پاکدامنی ثابت ہونے پر تفاخر کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ کا شکر اَدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں اپنے نفس کی براءت کا دعویٰ نہیں کرتا، نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے؛ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے (اسے اس کے نفس کی برائی سے محفوظ فرماتا ہے) بے شک میرا پروردگار بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

کہتے ہیں کہ اچھے اخلاق، اعلیٰ اوصاف اور بہترین تربیت بہر حال اپنا رنگ دکھا کر رہتی ہے۔ حضرت یوسف کی تربیت ایک عظیم باپ کے ہاتھوں خاندانِ نبوت میں ہوئی تھی اور آبا و اجداد کی اخلاقی میراث میں سے بھی آپ کو حصہ وافر ملا تھا، مثالی تربیت اور اخلاقی کمال ہی کی وجہ سے آپ مصائب و شدائد کے سامنے بڑی پامردی سے کھڑے رہے جس کی وجہ سے کلفت کے بعد راحت کا اور ظاہری ذلت کے بعد حقیقی عزت کا دور آ کر رہا۔

آپ اِبتدائی طور پر وزیرِ خزانہ اور بعد میں عزیزِ مصر کے منصب پر فائز ہوئے۔

جناب یوسف علیہ السلام نے زرعی نظام کو بڑی توجہ سے چلایا اور خوشحالی کے سات سالوں میں مستقبل کے لیے بہترین پلاننگ کی یہاں تک کہ جب پوری دنیا میں قحط سالی عام ہوگئی تو مصر کی معیشت انتہائی مضبوط اور مستحکم ہو چکی تھی۔ قحط سالی اپنے عروج پر پہنچی تو غلے کے حصول کے لیے دنیا بھر سے قافلے مصر پہنچنے شروع ہو گئے۔ اِسی سے علما نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ عہدے کی تمنا اگرچہ پسندیدہ بات نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کے سوا کوئی اور عہدے کا اہل نہ ہو تو اہل شخص اپنی خدمات پیش کر سکتا ہے۔

جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے بھی مصر کا رخ کیا جب وہ عزیز مصر کے محل میں داخل ہوئے تو جناب یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو پہچان گئے جب کہ آپ کے بھائی آپ سے غافل تھے۔ آپ نے باتوں باتوں میں اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگلی مرتبہ اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لانا اگر تم اپنے چھوٹے بھائی کو نہ لائے تو تمہیں غلے سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور ساتھ ہی جو پونجی ان کے بھائی غلہ خریدنے کے لیے لائے تھے اس کو بھی اپنے بھائیوں کے سامان میں ڈال دیا۔ جب جناب یوسف علیہ السلام کے بھائی جناب یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے عزیز مصر کی بہت زیادہ تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ بابا عزیز مصر کی خواہش تھی کہ ہم بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے کر جائیں۔ جناب یعقوب علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ کیا میں تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح میں نے اس سے قبل یوسف کے معاملے میں تم پر اعتماد کیا تھا۔

اس پر جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے خاموش ہو گئے۔ جب سامان کو کھولا گیا تو اس میں سے غلے کے ساتھ ساتھ پونجی بھی برآمد ہوگئی۔ اس پر یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا دیکھئے بابا عزیز مصر نے تو ہماری پونجی بھی ہمیں دے دی ہے۔ اب جناب یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں بنیامین کو تمہارے ساتھ اس صورت میں روانہ کروں گا کہ تم اس کی حفاظت کی قسم کھاؤ۔ بیٹوں نے جناب یعقوب علیہ السلام کے سامنے حلف دیا

تو جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ جب مصر میں داخلے کا وقت آئے تو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونا۔

جب دوبارہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے پاس پہنچے تو جناب یوسف علیہ السلام نے جناب بنیامین کو علیحدہ ایک طرف کر لیا اور ان سے کہا کہ میں آپ کا بھائی یوسف ہوں۔اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اپنا پیالہ جناب بنیامین کے سامان میں رکھوادیا۔

جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو اعلان کروایا گیا کہ قافلے والو تم چور ہو۔جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم! ہم زمین پر فساد پھیلانے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔اس پر ان سے کہا گیا کہ اگر تم میں سے کسی کے سامان سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہو گیا تو اس کی کیا سزا ہوگی؟ جواب میں کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جو مجرم ہوگا وہ خود اپنے کیے کا ذمہ دار ہوگا۔چنانچہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو جناب بنیامین کے سامان میں سے پیالہ برآمد ہو گیا۔

جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اس موقع پر بڑے عجیب ردعمل کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے قبل ان کے بھائی یوسف علیہ السلام نے بھی چوری کی تھی۔اس پر جناب یوسف نے کہا کہ جو تم الزام تراشی کرتے ہو اس کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ بخوبی آگاہ ہے۔

جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہم بھائیوں میں سے کسی ایک کو پکڑ لیں۔جناب یوسف علیہ السلام نے کہا کہ معاذ اللہ! ہم کسی مجرم کی جگہ کسی دوسرے کو کس طرح پکڑ سکتے ہیں۔جناب یوسف علیہ السلام کے ایک بھائی نے کہا کہ میں تو واپس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ بابا یعقوب مجھے اجازت نہیں دیں گے یا اللہ تعالیٰ میرے حق میں کوئی فیصلہ نہیں فرما دیتا۔

جناب یوسف علیہ السلام کے بھائی جناب یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان

کو جناب بنیامین کی گرفتاری کی خبر دی تو جناب یعقوب علیہ السلام نے بلند آواز سے جناب یوسف علیہ السلام کا نام لیا اور آپ اتنی شدت سے روئے کہ آپ کی بینائی بھی ختم ہو گئی۔ جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو اور یوسف اور ان کے بھائی کو تلاش کرو۔

اب جناب یوسف علیہ السلام کے بعض بھائی دوبارہ مصر آئے تو حالت بدلی ہوئی تھی۔ غربت اور مفلوک الحالی نے ان کو بری طرح متاثر کیا ہوا تھا۔ انہوں نے جناب یوسف علیہ السلام کے پاس آ کر اپنی غربت کی شکایت کی اور صدقے کا تقاضا کیا تو حضرت یوسف اپنے بھائیوں کی لاچارگی کی یہ کیفیت برداشت نہ کر سکے اور ان نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے تم نے اپنے دورِ جاہلیت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟۔

بھائیوں نے کہا کہ آپ یوسف کو کیسے جانتے ہیں کہیں آپ ہی تو یوسف نہیں!۔ کہا ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا بے شک جو صبر اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

یوسف علیہ السلام جو کہ مصر کے اقتدار اعلیٰ پر متمکن ہونے کے ساتھ ساتھ نبوت کے منصب اعلیٰ پر بھی فائز تھے، ایمان اور تحمل کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھائیوں کی پریشانی اور جرم کے طشت از بام ہونے پر گھبراہٹ کو بھانپ لیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں سے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا جائے گا۔ میں تمام زیادتیوں اور مظالم کو معاف کرتا ہوں۔ اس حلم و بردباری نے ان پر بڑا اثر کیا اور انہوں نے بھی اعتراف جرم کے ساتھ اپنے لیے عفو و درگزر کی درخواست پیش کر دی۔

اُدھر بیٹے کے غم میں رو رو کر حضرت یعقوب اپنی بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ یوسف علیہ السلام نے معجزانہ تاثیر کی حامل اپنی قمیص روانہ کر دی اور کہا کہ اسے بابا جان

کے چہرے پر ڈالنا اُن کی بینائی واپس آ جائے گی اور آئندہ ان کو بھی اپنے ہمراہ لانا۔ جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب آپ کی قمیض لے کر روانہ ہوئے تو جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر میں موجود بیٹوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔اس پر بیٹوں نے کچھ بے اَدبی والے الفاظ کہے۔ جناب یعقوب علیہ السلام خاموش ہو گئے۔

جب مصر سے آپ کے بیٹے آئے اور انہوں نے آپ کے چہرے پر قمیص ڈالی تو جناب یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آ گئی۔ جناب یعقوب علیہ السلام کے گھر میں موجود بیٹے انتہائی شرمندہ ہوئے اور انہوں نے ان سے معافی مانگی۔ جناب یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو معاف کر دیا۔

اب سب اہل خانہ مصر کو روانہ ہوئے۔شہر سے باہر سرکاری پروٹوکول کے ساتھ ان کا استقبال کیا گیا، اور دربار شاہی میں پہنچتے ہی والدین اور گیارہ بھائی یوسف کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا اور اس نے مجھ پر احسان فرمایا۔ یوسف علیہ السلام نے ربِ ذوالجلال کا اِن کلمات میں شکر اَدا کیا: اے میرے رب! تو نے مجھے (مصر کی) حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔

جناب یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ احسن القصص' عروج وزوال کی ایک داستان اور صبر و اِستقامت کی حسین دستاویز ہے۔اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ صبر کا پھل ضرور دیتا ہے، چاہے اس میں کچھ دیر کیوں نہ ہو جائے۔اور تقویٰ و پاکیزگی کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔واقعتاً یوسف کا معاملہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے کس طرح شر میں سے بہت بڑا خیر ظاہر کر دیا۔ حاسدوں نے حضرت یوسف کو نقصان پہنچانا چاہا لیکن ان کے اسی عمل نے حضرت یوسف کو عظیم مقام کا حامل بنا دیا۔ لوگ ایسی کئی اور نشانیاں بھی چاروں طرف دیکھتے ہیں پھر بھی حق سے اعراض کیے جاتے ہیں۔

اختتام سورت پر بتایا گیا کہ قرآن کے بیان کردہ واقعات میں لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔ جس طرح حضرت یوسف کو حاسدین نے در بدر کر کے کنویں میں ڈال دیا لیکن بعد میں عاجزی ولاچارگی کے ساتھ ان کے سامنے حاضر ہوئے۔ اسی طرح مکہ والے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک روز مکہ سے ہجرت کرنے پر تو مجبور کریں گے مگر ایک دن پھر ان کے سامنے ندامت وخجالت والا آئے گا کہ وہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت ہے کہ تقویٰ اور صبر واستقامت کی صفات رکھنے والے ہی سرخرو ہوتے ہیں۔ قرآن اس حقیقت کو کھول کھول کر مختلف اسالیب میں بیان فرماتا ہے۔ اور ماننے والوں کے لیے یہی ہدایت اور پیامِ رحمت ہے۔

سورۂ رعد: اس سورت میں تینوں بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت پر بحث کی گئی ہے۔ اس کی پہلی آیت میں حقانیت قرآن کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جن سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے ان کی ابتدا میں عام طور پر قرآن کا ذکر ہوتا ہے جس سے اس قول کو چیلنج کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں جو قرآن کو - معاذ اللہ - انسانی کاوش قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت وجلالت کا بیان ہے کہ بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلندی پہ قائم رکھنا، سورج اور چاند کو ایک نظم کے تابع کر کے چلانا، زمین کا پھیلاؤ اور اس میں پہاڑوں کو لنگر کی طرح قائم رکھنا، دریاؤں کی روانی، نظامِ لیل ونہار، طرح طرح کے پھل، انگوروں اور کھجوروں کے باغات اور اُمورِ کائنات کی تدبیر وغیرہ۔ پھر فرمایا کہ 'اہلِ عقل کے لیے اِس میں نشانیاں ہیں'۔

پھر اللہ کے علم وقدرت کا مزید بیان ہے۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ اسے اللہ ہی جانتا ہے۔ جدید طب زیادہ سے زیادہ بچہ کی جنس(Sex) اور صحت کے بارے میں الٹرا ساؤنڈ کی مدد سے اندازہ لگا سکتی ہے؛ لیکن نیکی بدی، غربت و امارت، علم و جہالت اور زندگی کے ماہ و سال ان تمام باتوں کا علم بچہ کے بارے میں اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ انسانی حفاظت کے لیے فرشتوں کے ذریعہ اللہ نے سیکیورٹی نظام بنا رکھا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کا ضابطہ کہ جب تک کسی قوم کی عملی زندگی نہیں بدلتی اللہ اس کی حالت کو نہیں بدلتا۔ بارش سے بھرے ہوئے بادل، بجلی کی چمک اور کڑک اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ فرشتے بھی خوف اور ڈر کے ساتھ اللہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

اگلی آیتوں میں فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز ہے، وہ سب خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہی ہے، یعنی مظاہرِ کائنات میں سے ہر چیز کا قادرِ مطلق کی جانب سے تفویض کی ہوئی اپنی ڈیوٹی کو انجام دینا' عبادت کہلاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان سے برسنے والی بارش کے نتیجے میں ندی، نالے جاری ہوتے ہیں، پھر سیلاب سے بلبلے والے جھاگ پیدا ہوتے ہیں۔ آگے چل کر فرمایا: پس رہا جھاگ تو وہ تو (بے فائدہ ہونے کی وجہ سے) زائل ہو جاتا ہے: لیکن جو چیز لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے فرق کو واضح کرنے کے لیے اِسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

لوگوں کی ہدایت کو کرامات اور معجزات کے ساتھ منسلک نہیں کیا گیا بلکہ ہر قوم کی ہدایت کے لیے انبیاورسل نے مستقل محنت کی ہے۔ اگر کسی کلام کی تاثیر سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر چلایا جا سکے، زمین کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکے یا مردوں کو زندہ کر کے ان سے گفتگو کی جا سکے تو وہ کلام یہ قرآن ہی ہو سکتا ہے۔ نشانیاں طلب کرنے

والوں کے لئے اس سے بڑی نشانی اور کیا ہوسکتی ہے؟ پہلے انبیا و رسل کا مذاق اڑانے والوں کو مہلت دے کر عبرتناک طریقہ سے پکڑا گیا لہٰذا آپ کا مذاق اڑانے والے بھی بچ نہیں سکیں گے۔ نبی کوئی مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتی وہ تو عام انسانی زندگی گزارنے والے افراد ہوتے ہیں۔ بیوی بچے اور بشری تقاضے ان کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جہاں تک ان کے معجزات کا تعلق ہے تو یہ ان کا ذاتی کمال نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کے حکم سے صادر ہوتے ہیں، وہ لوگ مقامِ نبوت سے ناواقف ہیں جو بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ انھیں سوچنا چاہیے کہ جب سے نزول قرآن شروع ہوا ہے اہل ایمان پھیلتے جارہے ہیں اور کفر کا دائرہ محدود ہوتا جارہا ہے اور یہ تنگ جزیرہ میں محصور ہوتے جارہے ہیں۔

سورۂ ابراہیم: سورۂ ابراہیم کے شروع میں ایک بار پھر قرآن کی حقانیت اور اللہ تعالی کی قدرت واختیار کا ذکر ہوا ہے؛ لیکن کفار ومشرکین آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، حق کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور اپنی کم بختی کے باعث کجی کے طلب گار رہتے ہیں۔ اس میں انبیاے کرام کا اِختصار کے ساتھ ذکر ہے؛ مگر ابوالانبیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اپنے معصوم بچے اور بیوی کو لق ودق صحرا میں چھوڑنے کا خصوصیت کے ساتھ تفصیل سے تذکرہ ہے۔ بس اسی مناسبت سے یہ پوری سورت انھیں کے نام پر 'سورۂ ابراہیم' سے معنون کردی گئی۔

اگلی آیتوں میں بتایا گیا کہ ہر قوم میں اس کی زبان میں سمجھانے والے نبی ہم نے مبعوث کیے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں فرعون کے بدترین تعذیب کے طریقوں سے نجات دی۔ شکر کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ناشکری سے نعمت چھن جاتی ہے۔ اس کے بعد قوم نوح، عاد، ثمود کا مختصر تذکرہ اور نبیوں کے خلاف ان کے گھسے پٹے اعتراض کا بیان ہے کہ تم ہمارے

جیسے انسان ہو نبی کیسے ہو سکتے ہو؟ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے طریقہ سے ہٹانا چاہتے ہو۔ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے جواب میں فرمایا کہ ظالم اور معاند و متکبر ہلاک ہوں گے اور ان کی جگہ انبیا کے متبعین زمین کے اقتدار کے وارث بنا دیے جائیں گے۔

آیت ۲۱ میں بتایا گیا کہ قیامت کے دن جب مجرمین کو آپس میں بات چیت کا موقع ملے گا تو وہ ایک دوسرے پر اعتراضات کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالیں گے کہیں گے کہ دنیا میں تم نے ہم سے گناہ کروائے اب عذاب کو بھی ہم سے ہٹواؤ۔ تو وہ کہیں گے کہ ہم تو خود عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں تمہیں کس طرح بچا سکتے ہیں۔ پھر جہنمی شیطان کی طرف متوجہ ہو کر اسے ملامت کریں گے، وہ کہے گا کہ مجھے کیوں ملامت کرتے ہو میں نے تو ذرا سا اشارہ کیا تھا تم خود ہی اس پر چل کر گناہوں کے مرتکب بنے ہو؛ لہٰذا نہ تو میں اپنے آپ سے عذاب کو ہٹا سکتا ہوں اور نہ ہی تم سے ہٹا سکتا ہوں۔

اس کے بعد ایمان اور کفر کی مثال دی گئی کہ کلمہ طیبہ کی بدولت ایمان کا مضبوط اور تناور درخت بن جاتا ہے جسے آندھی اور طوفان بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے جبکہ کلمہ خبیثہ کے نتیجہ میں کفر کی کمزور جھاڑیاں اگتی ہیں جو معمولی اشارے سے زمین سے اکھڑ جاتی ہیں۔

آیت ۳۷ سے اس واقعے کا ذکر ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو مکے کی بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ کر آئے، تو رخصت ہوتے وقت اللہ سے دعا کی: اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیری حرمت والے گھر کے نزدیک بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے، تا کہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور لوگوں میں سے بعض کے دلوں کو اِن کی طرف مائل فرما اور اِن کو پھلوں سے روزی عطا فرما۔

اس کے بعد کی آیت میں بڑھاپے کے عالم میں حضرت اسماعیل واسحاق علیہما السلام جیسی اولاد کے عطا کیے جانے پر اللہ کا شکرادا کرتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں: اے میرے رب! مجھے ہمیشہ نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری بعض اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری دعا کو قبول فرما، اے ہمارے رب! مجھے، میرے ماں باپ اور سب مومنوں کی قیامت کے دن مغفرت فرما۔ اس کے بعد ظالموں کی گرفت کے آسمانی نظام کا تذکرہ ہے کہ ظالموں کو آزادی کے ساتھ دندناتے ہوئے پھرتا دیکھ کر دھوکا میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اور جب اچانک ان کی گرفت کے لیے نظام الٰہی حرکت میں آئے گا تو انہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔

جس دن دہشت سے سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، لوگ سر اٹھائے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے، ان کی پلک تک نہ جھپک سکے گی اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے۔ اس دن ظالم یہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں کچھ مہلت دے دے تا کہ ہم تیرے پیغام کو قبول کریں اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں۔ اللہ تعالی فرمائے گا: کیا تم نے اِس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا۔ تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے تھے، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر یہ بھی بالکل واضح ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا۔ اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں اور انہوں نے ایسی گہری (خطرناک) سازشیں کیں کہ ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ہل جائیں اور اللہ کے پاس ان کی سازشیں لکھی ہوئی ہیں، تو تم اللہ کو اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدے کے خلاف کرنے والا نہ سمجھو۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں انبیا و مرسلین کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے خصوصاً سید الانبیا والمرسلین کی سنتوں کے پیکر میں ڈھلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

چودھواں پارہ

سورۂ حجر: چودھویں پارے کا آغاز سورۂ حجر سے ہوتا ہے۔اس میں چونکہ وادیِ حجر کے رہنے والوں یعنی قوم ثمود کا ذکر ہے؛ اس لیے اس کا نام 'سورۃ الحجر' پڑ گیا۔وادیِ حجر مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔اس سورت کی پہلی آیت تیرہویں پارے میں ہے اور بقیہ پوری سورت چودھویں پارے میں ہے۔اس مختصر سورت میں عقیدۂ اسلام کے تینوں بنیادی مضامین توحید و رسالت اور قیامت پر منفرد انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔

ابتدائی آیات میں فرمایا کہ اے میرے حبیب! یہ کافر اگرچہ آج مسلمان ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں مگر ایک وقت آنے والا ہے جب یہ تمنا کریں گے کہ کاش! یہ لوگ مسلمان ہوتے۔لہٰذا آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں یہ کھاتے پیتے رہیں اور دنیا کے عارضی مفادات میں مگن رہیں اور امیدوں اور آرزوں کے دھوکے میں پڑے رہیں، عنقریب انہیں دنیا کی بے ثباتی کا پتہ چل جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اہلِ جہنم جب جہنم میں جمع ہوں گے، تو جہنمی ان گناہگار مسلمانوں پر طعن کریں گے کہ تم تو مسلمان تھے، پھر بھی ہمارے ساتھ جہنم میں جل رہے ہو، پھر اللہ تعالی اپنے کرم سے گناہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں لے جائے گا تو کفار تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو اِس مرحلے پر نجات پا لیتے۔

یہ لوگ حضور علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس شخص پر قرآن اتارا گیا ہے وہ تو مجنون اور دیوانہ ہے۔اگر یہ سچا رسول ہوتا تو ہر وقت فرشتوں کو اپنے ساتھ رکھتا۔اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہم فرشتوں کو بھیجیں گے تو عذاب دے کر بھیجیں گے پھر ان لوگوں کو کسی قسم کی مہلت بھی نہیں مل سکے گی۔مزید فرمایا کہ اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ

کھول دیں اور یہ منکرین خود اس سے چڑھ کر جائیں، تو پھر بھی کہیں گے کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، اور ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔

پھر آیت ۲۲ سے قدرت خداوندی اور توحید باری تعالی کے کائناتی شواہد کا بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے آسمان کو دیکھنے والوں کے لیے خوبصورت بنایا ہے اور اس میں چوکیاں قائم کر کے شیطانوں سے محفوظ بنا دیا ہے اور اگر کوئی چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو شہاب مبین اس کا پیچھا کرتا ہے، زمین کو ہم نے پھیلا کر اس میں پہاڑ گاڑ دیے ہیں تا کہ یہ ڈانواں ڈول ہونے سے بچی رہے اور اس میں مناسب چیزیں ہم نے اگا دی ہیں۔ تمہاری معیشت کا سامان ہم نے اس زمین کے اندر ہی رکھا ہے۔ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں دنیا میں ہم ایک مقررہ اندازہ کے مطابق ہی اتارتے ہیں۔ پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو ہمارے حکم سے ہوائیں چلا کر لے جاتی ہیں اور پھر بارش برستی ہے اور بلند فضاؤں میں کسی سہارے کے بغیر اللہ تعالی ہی نے لاکھوں گیلن کے حساب سے پانی اسٹور کر رکھا ہے۔

زندگی اور موت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم پہلوں اور پچھلوں کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں اور قیامت میں ان سب کو بڑی آسانی کے ساتھ جمع کرنے پر بھی قادر ہیں۔

آیت ۲۶ سے تخلیق انس وجن کا بیان ہے کہ اللہ نے انسان کو اس سنے ہوئے گارے سے پیدا کیا جو سوکھ کر کھنک رہا تھا۔ اس سے قبل جنات کو آگ کے شعلے کی لپک سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیا کہ جب میں انسان کو بنا سنوار دوں اور اس میں اپنی روح ڈال دوں تب تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔ گویا انسان کی اصل عظمت اس وجہ سے ہے کہ وہ صرف خاکی وجود نہیں رکھتا بلکہ اس کے باطن میں روحِ ربانی کا چراغ بھی جل رہا ہے۔

تمام فرشتوں نے انسان کے سامنے سجدہ کیا؛ لیکن ابلیس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالی کا اس موقع پر ابلیس سے جو مکالمہ ہوا اس

مکالمے کے دوران اس نے کہا تھا کہ اے اللہ میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سبھی کو گمراہ کروں گا، اس پر اللہ نے کہا یہ وہ راہ ہے جو مجھ تک سیدھی پہنچتی ہے، میرے مخلص بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے اور ان تمام لوگوں سے جہنم کا وعدہ ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لیے ان گمراہ لوگوں میں سے لوگ تقسیم کیے گئے ہوں گے۔ یعنی لوگ اپنے اعمال کی مناسبت سے جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

قرآن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے جب کہ دوسری آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے حاملین کو سونپی گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ دوسری آسمانی کتابیں دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں جبکہ قرآن کئی صدیاں گزرنے کے باوجود ہر طرح کے تغیر وتبدل اور کمی بیشی سے پاک ومحفوظ ہے۔ قرآن کے معجزہ ہونے کے پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو اس کا محفوظ ہونا بھی ہے اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حفظ کرنا آسان فرمادیا ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں قرآن کے حافظ نہ پائے جاتے ہوں، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جو اپنی مادری زبان کے چند صفحے کا رسالہ یاد نہیں کر سکتے، وہ اتنی بڑی کتاب اپنے سینے میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

پھر جنت وجہنم اور رحمت خداوندی کے تذکرہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بدکردار قوم اور اس کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور اس کے بعد قوم ثمود اور ان کی تباہ شدہ بستی حِجر کو درس عبرت کے لیے بیان فرمایا۔ پھر عظمت قرآن اور خاص طور پر بار بار دہرائی جانے والی سورۂ فاتحہ کی سات آیتوں کا ذکر کیا۔ کافروں کے سامانِ تعیش کو للچائی ہوئی نظروں کے ساتھ نہ دیکھنے کی تلقین اور اپنے پیروکار مومنین کے لئے نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دے کر فرمایا کہ آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر ڈٹے رہئے اور کافروں کے استہزا کی پرواہ نہ کیجئے ان کے لئے ہم ہی کافی ہیں انہیں عنقریب پتہ چل جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں

سے آپ کی دل آزاری ہوتی ہے مگر آپ صبر سے کام لیتے ہوئے تسبیح وتحمید میں مشغول رہیں اور مرتے دم تک سجدہ ریز ہوکر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالی نے اس امر کا بھی اعلان فرمایا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتا ہے تو اس سے نبٹنے کے لیے خود اللہ کی ذات کافی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دشمن کو ذلت اور عبرت کا نشان بنا دیا۔ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط رسول اللہ کو مذاق کا نشانہ بناتے تھے، اللہ نے میدان بدر میں ان کو حسرت ناک انجام سے دوچار کیا۔ یوں ہی ابولہب کا جو حشر ہوا زمانہ جانتا ہے، نیز اس کے ایک بیٹے نے رسول کائنات علیہ السلام کا استہزا کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا کی کہ اس کو جنگل کا جانور کھا جائے، چنانچہ آپ کی بددعا پوری ہوئی اور ایک کاروباری سفر کے دوران جنگل کا شیر اس کو کھا گیا۔

سورۂ نحل: نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں نحل کے محیر العقول طریقہ پر چھتہ بنانے اور شہد پیدا کرنے کی صلاحیت کا تذکرہ ہے؛ اس لیے پوری سورت کو اس کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ شہد کی مکھی بھی عام مکھیوں جیسی ایک مکھی ہے لیکن وہ بحکم الٰہی ایسے حیرت انگیز کام کرتی ہے جن کے کرنے اور سمجھنے سے انسانی عقل عاجز ہے۔ خواہ چھتہ بنانے کا عمل ہو یا آپس میں مختلف ذمہ داریوں کی تقسیم، یا دور دراز واقع درختوں، باغات اور فصلوں سے قطرہ قطرہ شہد کا حصول۔ ان کا ہر عمل بڑا ہی عجیب وغریب ہوتا ہے۔ ان کے بنائے ہوئے چھتے میں بیس سے تیس ہزار تک خانے ہوتے ہیں۔ یہ خانے مسدس ہوتے ہیں اور آج کے کسی جدید ترین آلہ سے اگر ان کی پیمائش کی جائے تو ان میں بال برابر بھی فرق نہیں آئے گا۔ پھر اس چھتے میں شہد جمع کرنے کا گودام، بچے جننے کے لیے میٹرنٹی ہوم اور فضلہ کے لیے اسٹور سب الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہزاروں مکھیوں پر ایک ملکہ حکمرانی کرتی ہے۔ اس چھوٹی سی مملکت میں اس کا سکہ چلتا ہے اور اسی کے حکم سے

ڈیوٹیوں کی تقسیم ہوتی ہے۔

چھتے پر کام کرنے والی مکھیوں میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں، بعض انڈوں کی حفاظت پر مامور ہوتی ہیں، بعض نابالغ بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں، بعض انجینئرنگ اور چھتے کی تراش خراش اور تعمیر میں لگی رہتی ہیں، جب کسی مکھی کو تلاش و جستجو کے دوران کسی جگہ پر شہد کی موجودگی کا پتا چلتا ہے تو وہ واپس آ کر ایک خاص قسم کے رقص کے ذریعہ دوسری ساتھیوں کو منزل تک پہنچنے کے لیے راستے کی نشان دہی کرتی ہے؛ لیکن یہ احتیاط ضرور کرتی ہے کہ جس پھول کو وہ نچوڑ چکی ہوتی ہے اس پر ایک خاص قسم کی نشانی چھوڑ آتی ہے تا کہ بعد میں آنے والی کارکن کا وقت ضائع نہ ہو اور اسے 'خجل خراب' نہ ہونا پڑے۔ اگر کوئی مکھی غلطی سے گندگی پر بیٹھ جائے یا کوئی زہریلا مواد لے آئے تو چیکنگ پر مامور عملہ اسے باہر روک لیتا ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ الغرض! شہد کی مکھی کے عجائبات سن کر آپ حیران ہو جائیں گے۔ کاش! حضرت انسان مکھی ہی سے کچھ عبرت حاصل کر لیتا اور دوا یا خوراک کے نام پر زہر کھلانے سے باز آ جاتا۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں کا ذکر ہے اس لیے اس کا ایک نام 'سورۂ نعم' بھی بتلایا گیا ہے۔ آیت ۵ سے چوپایوں کی پیدائش کا ذکر ہے، جن میں انسانوں کے لیے کئی طرح کے فوائد ہیں۔ یہ انسانوں کے لیے راحت کا سبب ہیں، اِن میں بعض جانوروں کو کھایا جاتا ہے اور بعض میں دیگر فوائد ہیں، جیسے بھیڑوں کی اون سے گرم لباس حاصل ہوتا ہے، کچھ باربرداری کے کام آتے ہیں اور کچھ سواری کے کام آتے ہیں، جیسے گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ۔ نیز وہ تمہارے لیے ایسی سواریاں (مثلاً ہوائی جہاز وغیرہ) بھی مستقبل میں پیدا کرے گا جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو۔

سمندری دنیا کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ بحری جہازوں اور کشتیوں کی مدد سے پانی میں سفر کرنے اور سامان منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے جبکہ اس سے تمہیں مچھلیوں کا

تر وتازہ گوشت اور زیورات بنانے کے لئے موتی اور جواہر بھی فراہم ہوتے ہیں۔ مظاہر قدرت کا مستقل تذکرہ جاری ہے اور اس سے خالقِ کائنات تک رسائی حاصل کرنے کی تعلیم ہے۔ انسان کی نفسیات میں احسان شناسی کا مادہ ہے، اس لیے اللہ تعالی اپنے احسانات وانعامات کا تذکرہ کر کے فرمارہا ہے کہ ہماری نعمتیں بے حد وحساب ہیں اگر تم شمار کرنا بھی چاہو تو نہیں کر سکتے ہو۔

پھر کافروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں چاہیے کہ خفیہ وعلانیہ ہر ڈھکی چھپی کا علم رکھنے والے رب کی خالقیت وعبودیت کا اقرار کرلو۔ تم سے پہلے لوگوں نے بھی سازشیں کر کے آسمانی تعلیمات کا انکار کیا تھا، ان پر ایسا عذاب مسلط کیا گیا جوان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اور ان کی بستیاں چھتوں کے ساتھ تہس نہس کر کے رکھ دی گئیں۔ پھر ان لوگوں کو قیامت کی ذلت ورسوائی سے الگ واسطہ پڑے گا۔ وہاں ان کے شرکا بھی کسی کام نہیں آئیں گے۔ ایسے ظالموں کو بدترین ٹھکانہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ جلنا پڑے گا۔ جبکہ نیکوکار اور متقی لوگوں کا بہترین ٹھکانہ جنت ہوگا، جس میں باغات اور نہریں ہوں گی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے۔

حضرت ابوعثمان اسماعیل صابونی علیہ الرحمہ (م ۴۴۹ھ) بہت بڑے واعظ اور باکمال مفسر ہوئے ہیں۔ ایک دن وعظ کے دوران کسی نے ان کے ہاتھ میں ایک کتاب دی جس میں خوفِ الٰہی سے متعلق مضامین تھے۔ آپ نے اس کتاب کی چند سطریں مطالعہ فرمائیں اور ایک قاری سے کہا کہ سورۂ نحل کی یہ آیت پڑھو :

أَ فَأَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَو يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَشْعُرُونَ o

یعنی کیا وہ برے مکر وفریب کرنے والے لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا (کسی) ایسی جگہ سے ان پر عذاب بھیج

دے جس کا انہیں کوئی خیال بھی نہ ہو۔

پھر اسی قسم کی دوسری آیاتِ وعید قاری سے پڑھواتے رہے اور حاضرین کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے۔ خود ان پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ خوفِ خدا سے لرزنے اور کانپنے لگے اور آپ کے پیٹ میں ایسا درد اُٹھا کہ بے چین ہو گئے۔ کچھ لوگ آپ کو اُٹھا کر گھر لے آئے اور طبیبوں نے بہت علاج کیا مگر درد میں کوئی کمی نہ واقع ہوئی؛ بالآخر اسی حالت میں آپ کا اِنتقال ہو گیا۔ (اولیاے رجال الحدیث:۱۵۳)

آیت ۵۷ سے بتایا کہ مشرک اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں، وہ ان تمام نسبتوں سے پاک ہے، (ان کا اپنا حال یہ ہے کہ) اگر ان کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جائے تو ان کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتے ہیں، (بیٹی کی پیدائش کو) بری خبر جانتے ہوئے، اپنی قوم سے چھپتے پھرتے ہیں کہ بیٹی کو ذلت اٹھا کر زندہ رکھیں (یا رسوائی سے بچنے کے لیے) اسے زندہ درگور کردیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس عہد میں قرآن نازل ہو رہا تھا، اس میں بیٹیوں کے حوالے سے لوگوں کی سوچ کیا تھی، پھر اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے روپ میں کتنا تقدس عطا کیا۔

پھر اللہ نے کائناتی شواہد سے توحید و رسالت کے مزید دلائل پیش کر کے جانوروں کی مثال شروع کردی۔ چوپایوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ اللہ تعالی خون اور گوبر کے بیچ میں سے خالص مزیدار دودھ تمہیں پلاتا ہے۔ شہد کی مکھی میں مظاہر قدرت کا مطالعہ کر کے دیکھو، اسے ہم نے پہاڑوں، گھروں کی چھتوں اور درختوں پر چھتہ بنانے کا سلیقہ عطا فرمایا ہے۔ پھر ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوس کر دور دراز کا سفر طے کر کے اپنے چھتہ تک پہنچنے کی سمجھ عطا فرمائی۔ پھر مکھی کے پیٹ سے مختلف رنگوں اور ذائقوں کا شہد نکالا جو انسانوں کے مختلف امراض کے لیے شفا اور صحت عطا کرنے والا ہے۔ سوچ و بچار کرنے والوں کے لئے اس میں دلائل موجود ہیں۔

اس کے بعد توحید کے مزید دلائل پیش کرنے کے بعد معبود حقیقی اور معبودان باطلہ کا فرق دو مثالوں سے سمجھایا ہے۔ایک غلام ہے جو اپنے جان و مال کے معاملے میں بالکل بے اختیار ہے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔دوسرا آزاد شخص ہے جو وسیع مال و دولت رکھتا ہے اور شب و روز فقرا و مساکین کی مدد کرتا ہے۔جس طرح ان دونوں افراد کو برابر سمجھنے والا عدل وانصاف کے تقاضوں کا خون کرنے والا ہے اسی طرح معبود حقیقی کے ساتھ بتوں کو شریک سمجھنے والا عقل و خرد سے عاری ہے۔ایک غلام گونگا، بہرا، کسی کام کا نہیں ہے۔اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے اور دوسرا معتدل طرز زندگی رکھنے والا اور معاشرہ میں خیر اور نیکی کو پھیلانے والا ہے۔کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔

اس کے بعد آیت ۹۰ میں قرآن کریم کے ہدایت و رحمت ہونے کا بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی عدل واحسان اور غریب پروری کی تعلیم دیتا ہے اور ظلم و بے حیائی اور منکرات سے باز رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔علما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ جامع ترین آیت ہے؛ حتی کہ اس آیت کو سننے کے بعد ولید بن مغیر جیسا دشمنانِ اسلام بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔اس کی جامعیت ہی کی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کے زمانے سے آج تک ہر خطیب خطبہ جمعہ میں اسے پڑھتا ہے۔

اگلی آیت میں وعدے کی پاسداری کا حکم دیا اور قسمیں کھا کر توڑنے سے منع فرمایا۔ دنیاوی فائدے کے لیے یا دھوکہ دہی کے لیے قسمیں کھانے کو معیوب قرار دیا اور فرمایا کہ: ان لوگوں کی مثال اس عورت جیسی ہے، جو سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے، یعنی محنت کر کے اسے ضائع کر دیتی ہے۔اگلی آیات میں فرمایا کہ دنیا کے حقیر اور ناپائیدار فائدے کے لئے اللہ کے عہد کو نہ توڑو، دائمی اور ابدی نعمتیں صرف اللہ کے پاس ہیں۔اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا کہ ہر مومن مرد اور عورت جو نیک کام کریں گے تو ہم ان کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کو بہترین جزا دیں گے۔

آیت ۱۰۳ میں ان کافروں کی ہرزہ سرائی کا جواب دیا گیا ہے جو کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ محمد عربی علیہ السلام ایک روم کے ایک نومسلم (مراد حضرت سلمان فارسی) سے سن کر اس کو آگے لوگوں کو سناتے ہیں۔ تو اس کا جواب دیا گیا کہ موٹی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ عجمی راہب آپ کو عربی قرآن کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے؛ کیوں کہ وہ تو عجمی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے قرآن کی زبان تو واضح عربی ہے۔

آیت ۱۰۶ میں ایک حکم بیان ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کفار کے نرغے میں آجائے اور کافر اسے قتل کرنے کی دھمکی دے کر کلمہ کفر کہنے پر مجبور کریں، اگر چہ عزیمت تو یہ ہے کہ جان چلی جائے، مگر کلمہ کفر زبان پر نہ آئے، مگر پھر بھی کم ہمت لوگوں کو یہ رخصت دی گئی کہ اگر دل میں ایمان قائم ہے، تو جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے سے انسان ایمان سے محروم نہیں ہوتا۔

اس کے بعد محرمات کی مختصر فہرست کا اعادہ ہے اور اللہ کے حلال کردہ کو کھانے اور حرام کردہ سے گریز کرنے کا حکم ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے پسندیدہ طرز زندگی کو اپنانے کا حکم اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کرنے والوں کے لیے زرین ضوابط کا تذکرہ ہے کہ حکمت، موعظہ حسنہ اور سنجیدہ بحث ومباحثہ کی مدد سے اللہ کی طرف لوگوں کو بلایا جائے۔ پھر انتقام اور بدلہ لینے کا قانون بتایا کہ اس میں مساوات پیش نظر رہے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اللہ کی مدد اور توفیق سے دین اسلام پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کے ساتھ آخر میں خوشخبری سنادی کہ اللہ تعالی تقوی اور احسان (اعلی کردار) کے حاملین کی ہر قدم پر مدد ونصرت فرمایا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر چلنے، خدمت اسلام انجام دینے اور قرآن کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

پندرہواں پارہ

سورۂ اِسراء/ بنی اسرائیل: اسراء کا معنی 'رات کو لے جانا' ہے؛ چونکہ اس سورت میں واقعہ اسراومعراج کا بیان ہے جو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ اور آپ کے بہت بڑا اعزاز ہے۔ کائناتِ انسانی میں یہ شرف سرورِ کائنات علیہ السلام کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ تو بس اسی مناسبت سے اس کا نام 'اسراء' رکھ دیا گیا۔ نیز اس میں قوم بنی اسرائیل کے بہت سے واقعات بھی بتفصیل تمام بیان ہوئے ہیں؛ اس لیے اسے 'سورۂ بنی اسرائیل' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس زمینی سفر کا مقصد اس بات کا اظہار تھا کہ بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ کی تولیت سے معزول کر دیا گیا ہے، اب مسجد حرام کی طرح اِس مسجد کی تولیت بھی تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں اور فداکاروں کے سپرد کر دی گئی ہے۔

اس سورت توحید اور قیامت کے اِثبات کے ساتھ اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم بھی ہے؛ مگر مرکزی مضمون اثبات رسالت اور خاص طور پر رسالت محمدیہ کا اثبات ہے۔ ابتدائی آیات میں بتایا گیا کہ جس ذات نے اپنے بندہ کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر کرادیا وہ ہر قسم کی کمزوری اور نقص سے پاک ہے۔ مسجد اقصی کے چاروں طرف مادّی اور روحانی برکتیں پھیلی ہوئی ہیں کہ پھل پھول اور باغات کی سرزمین ہونے کے علاوہ نبیوں اور فرشتوں کی بعثت ونزول کا مقام بھی ہے۔

'عبد' کا اطلاق چونکہ جسم وروح کے مجموعہ پر ہوا کرتا ہے؛ اس لیے یہ معراجِ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم بیداری میں بہ نفس نفیس پیش آئی تھی۔ اگلی آیات میں معراج کے سفر کو مومن اور کافر میں امتیاز اور فرق کا ذریعہ بتایا ہے اور یہ تبھی ہوسکتا ہے

جب جاگتے ہوئے جسمانی سفر کی شکل میں ہو؛ ورنہ خواب تو کوئی بھی دیکھ سکتا ہے۔ بلکہ خواب میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعات ومناظر انسان دیکھتا ہے اور کوئی بھی اسے جھوٹا نہیں کہتا۔

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزۂ معراج کی پہلی منزل مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا ذکر صراحت کے ساتھ ہے جسے اسرا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تاریخِ نبوت، تاریخِ ملائک اور تاریخِ انسانیت میں سب سے حیرت انگیز اور عقلوں کو دھنگ کرنے والا واقعہ ہے، اس کی مزید تفصیلات سورہ النجم اور احادیث میں مذکور ہیں۔

خلاصہ سفرِ معراج یہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ سے سیر کر کے بیت المقدس تک تشریف لے گئے۔ بیت المقدس میں ہدایت کا ایک عظیم الشان مرکز تھا جس کی تولیت کا فریضہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے انجام دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولادوں میں ہزاروں کی تعداد میں انبیا پیدا ہوئے جو بیت المقدس کے گرد ونواح میں اللہ کی توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔

بیت المقدس کی تعمیر سے پیشتر حضرت اِبراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے اِسماعیل علیہ السلام کی ہمراہی میں خانۂ کعبہ کو تعمیر فرمایا تھا اور ہدایت کے اس عظیم الشان مرکز کی تولیت کا شرف آلِ اسماعیل کو حاصل ہوا۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے اللہ تعالی نے نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالی نے ہدایت کے ان دونوں مراکز کے لیے ابتدائی طور پر تبلیغ کے مختلف دائرے متعین کیے تھے بعد ازاں اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمگیر راہنما کی حیثیت سے مبعوث فرمایا اور ان کو ایک ہی رات میں بیت اللہ سے بیت المقدس تک پہنچا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرائیل امین کی معیت میں بیت المقدس کی عمارت میں داخل ہوئے جہاں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیا صف

باندھے ہوئے موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلیٰ امامت پر کھڑے ہو کر نماز کی امامت فرمائی اور تمام انبیا ومرسلین نے آپ کی اقتدا میں نماز اَدا کی اور یوں کائنات کے لوگوں کو یہ بات سمجھادی گئی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آنے والوں کے امام نہیں بلکہ جانے والوں کے بھی امام ہیں۔

المختصر! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمسفر معراج سے واپس آئے تو ابوجہل نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا کوئی انسان ایک رات میں بیت المقدس کا سفر کر کے واپس آ سکتا ہے۔ تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا کبھی ممکن نہیں۔ ابوجہل نے اِتراتے ہوئے کہا: پھر ذرا سوچو کہ جس کو تم نبی مانتے ہیں انہوں نے اس سے بھی بڑی بات کی ہے کہ وہ بیت المقدس اور اس کے بعد آسمانوں کی سیر کر کے واپس آ گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر رسول رحمت علیہ السلام نے ایسا کہا ہے تو پھر یقیناً درست کہا ہے؛ اس لیے کہ ان کی کوئی بات کسی بھی حالت میں کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔

اگلی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ تم ملک شام میں دوبارہ فساد مچاؤ گے اور دونوں بار بطورِ سزا تمہارے اوپر عذاب مسلط کیا جائے گا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب انھوں نے تورات کی مخالفت کی اور حضرت شعیب علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبیوں کو ناحق قتل کیا تو ان پر بخت نصر اور اس کے لشکر کو مسلط کر دیا گیا جو پورے ملک میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئے۔ انھوں نے علما ورؤسا کو قتل کر دیا، تورات جلا ڈالی، بیت المقدس کو ویران کر دیا اور بہت سارے اسرائیلیوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔

دوسری بار یہود کا فتنہ وفساد اس وقت عروج کو پہنچ گیا جب انھوں نے حضرت زکریا ویحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا اور وہ گناہوں کی حد سے بڑھ گئے۔ اس مرتبہ بادشاہِ ہیردوس یا خردوس کو ان پر مسلط کیا گیا جس نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ الغرض! فتنہ وفساد ہمیشہ

سے یہودیوں کی خمیر کا اٹوٹ حصہ رہا ہے۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی انھوں نے اپنے آباؤاجداد کی روایت کے مطابق جب جرائم اور سازشوں کی راہ اختیار کی تو ان پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کر دیا گیا جنھوں نے انھیں کسی خودرو پودے کی طرح جزیرۂ عرب سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ماضی قریب میں ہٹلر ان کے لیے خدائی کوڑا ثابت ہوا جس نے بے شمار یہودیوں کو تہ تیغ کیا اور بہت سوں کو زندہ ہی جلا ڈالا۔ آج پھر ان کی فتنہ سامانیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں تو دیکھیے کہ اب وہ کس عذابِ قدرت کا شکار ہوتے ہیں، اور کیا قہر خداوندی ان پر برستا ہے!۔ یہ قانونِ فطرت رہا ہے کہ جب کسی آبادی کے مقتدر لوگ سرکشی و نافرمانی پر اُتر آئیں تو انہیں عذابِ الٰہی ملیامیٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔

اس واقعات میں دراصل قوموں کے عروج وزوال کا پورا سبب بیان کر دیا گیا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری کرتی ہے تو اللہ تعالی اس قوم کو زمین پر حکومت عطا فرماتا ہے اور جب کوئی قوم نافرمانی کے راستے پر چل پڑتی ہے تو اللہ تعالی اس کے دشمنوں کو اس پر غالب فرما دیتا ہے جو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دیتے ہیں۔

آیت ۱۳ سے بتایا کہ ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے ، (یعنی اللہ کی قضا وقدر میں جو طے ہے وہ ہو کر رہے گا) اور قیامت کے دن یہ اعمال نامہ ایک کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں ہوگا، (بندے سے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھو، آج تم خود ہی احتساب کرنے کے لیے کافی ہو۔ جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر آئے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (اِتمامِ حجت کے لیے) ہم رسول نہ بھیج دیں۔

اس کے بعد اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دیتے ہوئے بہت سی سبق آموز باتیں بتائیں کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی

بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو 'اُف' تک نہ کہو، ان کو جھڑکو بھی نہیں اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرو اور ان کے لیے عاجزی اور رحم دلی کا بازو جھکائے رکھو اور یہ دعا کرو اے میرے رب! ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں رحم کے ساتھ میری پرورش کی۔

پھر روزی کی کمی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے کی مذمت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ تمہاری روزی بھی اللہ کے ذمہ ہے اور تمہاری اولاد کی روزی بھی اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ زنا کاری سے بچو ناحق قتل نہ کرو، یتیم کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھا، عہد شکنی نہ کرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، بغیر تحقیق کے کسی بات کو نقل نہ کرو، زمین پر متکبرانہ انداز میں نہ چلو۔ یہ سب برائی کے ناپسندیدہ کام ہیں۔قرآن کریم میں ہر بات کو مختلف انداز میں ہم بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں؛ مگر یہ لوگ حق سے اور بھی دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے؛ مگر تم اسے سمجھنے سے قاصر ہو۔ ہر چیز اللہ کی تسبیح مگر انسان اشرف المخلوقات ہوکر اگر ذکر الٰہی سے غفلت برتے تو بڑی اچنبھے کی بات ہوگی!۔ پھر کچھ آیتوں کے بعد خیر وشر کے ازلی معرکہ کا آئینہ دار قصہ آدم وابلیس ذکر کرکے انسان کو شیطان کے گمراہ کن داؤ پیچ سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ بحر وبر میں انسانی مشکلات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں حل کرسکتا۔ پھر بتایا کہ تمام مخلوقات میں انسان کو خصوصی فضیلت اور اعزاز کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔آیت ۷۰ کے بعد فرمایا کہ جس طرح پہلے لوگوں نے اپنے رسولوں کو اپنے وطن سے نکال کر عذاب کو دعوت دی تھی مکہ والے بھی ایسا ہی کرنا چاہتے تھے؛ مگر ہم نے آپ کے اعزاز میں آپ کی قوم کو عذاب سے بچانے کے لیے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا۔

آیت ۷۸ سے اشارۃً پانچ نمازوں کا حکم ہے۔ فجر کے وقت قرآن سننے کے لیے دن رات کے فرشتوں کا خصوصی اِجتماع ہوتا ہے۔ رات کو تہجد کا اِہتمام جاری رکھیں۔ آپ کو مقامِ محمود (شفاعتِ کبریٰ) عطا کرنے کا وعدہ کیا جارہا ہے۔حق آنے پر باطل

زائل ہو جایا کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت دی ہے کہ جب مکہ فتح ہوگا تو حید کا پھریرا لہرائے گا اور شرک کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے گا۔ صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مذکور ہے کہ جب نبی کریم علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے تو خانۂ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ انہیں لکڑی سے ٹھوکر لگا کر گراتے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے کہ 'حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے'۔

قرآن کریم مومنین کے لیے شفا و رحمت ہے اور ظالموں کے لیے خسارہ ونقصان کا باعث ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ یہودیوں نے رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ (اے محبوب!) کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے اَمر سے ہے اور اس کی حقیقت کو جاننے کی علمی صلاحیت تمہارے اندر مفقود ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جن چیزوں کی حقیقت جاننے پر ہدایت ونجات موقوف نہیں ہے، ان کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے!۔

آیت ۹۰ سے مشرکینِ مکہ کے بعض فاسد مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، حتی کہ آپ ہمارے لیے زمین سے پانی کا کوئی چشمہ جاری کر دیں۔ یا آپ کھجوروں اور انگوروں کے باغات کے مالک بن جائیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں یا آپ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں، وہ لے آئیں یا آسمان کو ٹکڑے ٹکرے کر کے ہم پر گرادیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور پھر آسمان سے ہم پر کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔ ان سب مطالبات کے جواب میں اللہ نے فرمایا: اے رسولِ گرامی قدر فرمادیں کہ میرا رب ہر عیب سے پاک ہے، (میں کوئی

شعبدے باز نہیں ہوں بلکہ) میں ایک بشر ہوں جسے اللہ نے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

آگے بتایا کہ ساری دنیا کے جنات وانسان مل کر بھی قرآن کریم جیسا کلام بنانے پر قادر نہیں ہوسکتے۔ پھر حضرت موسی علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مباحثہ اور انہیں عطا کی جانے والی نو نشانیوں کا اجمالی تذکرہ کیا اور فرعون نے جب موسی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو ملک بدر کرنا چاہا تو ہم نے فرعونیوں کو غرق کر کے ان کا قصہ ہی تمام کردیا۔ قرآن کریم حق کے ساتھ اترا ہے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ انہیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناتے رہیں اور ان کی دل جمعی کا باعث بنتا رہے۔

مشرکینِ مکہ اعتراض کرتے تھے کہ کبھی آپ اللہ کہتے اور کبھی رحمٰن کہتے ہیں، ہم تو رحمٰن کو نہیں جانتے، تو اللہ نے فرمایا: (اے رسول!) فرمادیجیے کہ معبودِ برحق کو تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو تم اسے جس نام سے بھی پکارو، سب اسی کے نام ہیں۔ آخری آیت میں فرمایا کہ اللہ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ کوئی اس کی سلطنت میں اس کا شریک ہے اور نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہے، بلکہ کائنات اس کی مدد و نصرت کی محتاج ہے۔

سورۂ کہف: کہف عربی میں غار کو کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں گزشتہ اُمت کے چند ایمان والے نوجوانوں کا ذکر ہے، جو کہ وقت کے بے دین بادشاہ کے شر وفساد سے بچنے اور اپنے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے لیے ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے؛ تو پوری سورت انھیں نوجوانوں سے معنون ہو کر 'کہف' کہلائی۔ اس سورت کا اصل موضوع 'معرکہ ایمان و مادیت' ہے۔ اس میں جتنے اشارے، واقعات اور مثالیں گزری ہیں وہ سب ایمان اور مادیت کی کشمکش کو بیان کرتی ہیں، نیز اس کا آخری دور کے فتنوں خصوصاً فتنہ دجال سے خاص تعلق ہے۔ اسی آقا علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کی آخری دس آیات پڑھے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا'۔

سورت کی اِبتدائی آیات میں تمام تعریفوں کا مستحق اللہ کو قرار دے کر بتایا گیا کہ اسی نے واضح اور ہر قسم کی کجی سے پاک وصاف قرآن اُتارا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس سرزمین پر ہر قسم کی نعمتیں اور آسائشیں اُتار کر دراصل اُنسان کی آزمائش مقصود ہے۔

نویں آیت سے اصحابِ کہف کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ یہ چند صالح نوجوان تھے، جنہیں اللہ تعالی نے عقیدۂ توحید اور ایمان پر ثابت قدم رکھا؛ جب کہ ان کی قوم شرک کے آزار میں مبتلا تھی اور ایک ظالم بادشاہ دقیانوس ان پر مسلط تھا۔ وہ لوگ ان نوجوانوں کے دشمن ہو گئے تو انہوں نے ان کے شر سے بچنے کے لیے غار میں پناہ لی۔ ایک کتا بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ لمبا سفر کر کے یہ لوگ تھک گئے اور ایک غار میں آرام کے لیے لیٹ گئے اور کتا غار کے دہانے پر بیٹھ کر سو گیا۔ غار میں اللہ تعالی نے ایسا غیبی انتظام کیا کہ وہ ایک کشادہ جگہ میں تھے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو دھوپ غار کے دائیں جانب رہتی اور غروب ہوتے وقت بائیں جانب پھر جاتی۔ اللہ تعالی حسبِ ضرورت دائیں بائیں ان کی کروٹیں بدل دیتا تا کہ ان کو روشنی، حرارت اور ہوا ملتی رہے اور ایک ہی ہیئت میں سوتے ہوئے ان کے بدن پر زخم نہ ہو جائیں جن کو آج کل طبی زبان میں Bed Soul کہتے ہیں۔

ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، دیکھنے والا انہیں بیدار خیال کر کے مرعوب ہو کر بھاگ جاتا۔ کتا بھی غار کے دہانہ پر ایسے بیٹھا ہوا سو رہا تھا جیسے وہ گھات لگا کر کسی پر حملہ آور ہونا چاہتا ہو۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ بس اِسی خدمت کے باعث وہ جنت میں ان کے ساتھ داخل کیا جائے گا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب ایک کتا اہل اللہ کی خدمت کرنے کی وجہ سے نواز دیا گیا تو کیا اگر انسان اولیاے کرام کی خدمت اور ان کی عزت وتکریم بجا لائیں تو انھیں عظمت وکرامت سے بھلا نوازا نہ جائے گا، اور انھیں ان کی معیت ومصاحبت میں جنت

میں داخل نہ کیا جائے گا۔ اب اگر کوئی اہل اللہ کو برا بھلا کہے اور اُن سے رشتۂ عقیدت نہ رکھے تو وہ تو اس کتے سے بھی گیا گزرا نکلا جو محبت کر کے بازی مار لے گیا اور یہ عداوت کر کے خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بن گیا۔ اسی لیے روایتوں میں آتا ہے کہ اہل اللہ دوستانِ خدا ہیں اور جوان دوستوں سے پنگا لینے کی سوچتا ہے تو پروردگارِ عالم بے نیاز ہو کر بھی اپنے دوستوں کی قدر و منزلت جتانے کے لیے اُن سے اعلانِ جنگ فرما دیتا ہے۔

جب اللہ نے انہیں بیدار کیا تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنا وقت گزرا ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ ایک دن یا آدھا دن ہوا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شمسی حساب سے تین سو سال اور قمری حساب سے تین سو نو سال تک یہ لوگ سوتے رہے تھے۔ بیدار ہونے پر انہیں بھوک نے ستایا۔ رقم جمع کر کے ایک آدمی کو احتیاط کے تمام پہلو مدنظر رکھتے ہوئے کھانا لینے کے لیے شہر بھیجا، جس ہوٹل سے اس نے کھانا لیا اس کے مالک نے پرانے سکے دیکھ کر اسے پولیس کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح اسے بادشاہ کے دربار میں پہنچا دیا گیا۔ ان دنوں وہاں کا بادشاہ مسلمان تھا مرنے کے بعد زندہ ہونے کا قائل تھا۔ لوگ اس کے عقیدہ کو نہیں مانتے تھے وہ دعائیں کیا کرتا تھا کہ اللہ کی کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو کہ وہ اپنی قوم کو صحیح عقیدہ کا قائل کر سکے۔

چنانچہ جب اس نوجوان کو اس کے سامنے پیش کیا گیا اور تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ ان نوجوانوں کا ساتھی ہے، جن کے نام آج سے تین صدیاں قبل ایک تحریر کی شکل میں محفوظ کر دیے گئے تھے تو بہت خوش ہوا۔ لوگ اس واقعہ کو سن کر ایمان لے آئے اور جہاں اصحاب کہف دریافت ہوئے تھے ان کی یادگار کے طور پر مسجد تعمیر کر دی گئی۔ اِسی سے مفسرین نے یہ مسئلہ اَخذ کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نیک بندوں کے مزارات کے جوار میں مسجد بنانا اچھی بات ہے تاکہ جو لوگ ان مزارات پر فاتحہ پڑھنے کے لیے آئیں، اگر نماز کا وقت ہو تو وہ مسجد میں نماز اَدا کر سکیں۔

اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں قرآنِ مجید میں لوگوں کے حوالے سے تین اقوال نقل کیے ہیں: پہلے دو اقوال کو قرآن نے لوگوں کی تکہ بازی قرار دیا اور تیسرے قول کو قرآن نے رد نہیں کیا، یعنی وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، لہٰذا مفسرین نے اِسی تعداد کو صحت کے قریب قرار دیا ہے، اللہ نے فرمایا: ان کی صحیح تعداد کو اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے ،ان کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں (یعنی جنہیں اللہ تعالی نے اِس کا علم عطا کیا)۔ قرآن نے اِن کی تعداد کے بارے میں زیادہ بحث سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے ان کے منظر کو بارعب بنادیا تھا تاکہ کوئی ان کی طرف جھانک تانک نہ کرے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ایسے واقعات بیان کرکے درحقیقت لوگوں کی توجہ آخرت کی طرف مبذول کروائی ہے کہ جو پروردگار تین سو نو برس تک لوگوں کو سلا کر بیدار کرسکتا ہے کیا وہ قبروں سے مردہ وجودوں کو برآمد نہیں کرسکتا!۔اس قصے سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ مومن کو ایمان کے سلسلے میں بڑا حساس ہونا چاہیے، اور اگر خدانخواستہ کبھی مادیت اور ایمان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آجائے تو اسے بہرطور ایمان کی حفاظت ہی کو ہر مادی چیز پر ترجیح دینی چاہیے۔

آیت ۳۲ سے اللہ تعالی نے پھر دو آدمیوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک غریب مگر صاحب ایمان تھا جب کہ دوسرا اَمیر کبیر اور بے دین تھا۔غریب صاحب ایمان نے امیر آدمی کو کہا کہ جب تم اپنے باغات میں داخل ہوتے ہو تو ماشاء اللہ لاقوۃ اِلا باللہ کا ورد کرلیا کرو۔امیر آدمی کا جواب بڑا متکبرانہ تھا، اوراس نے اپنے مال ومتاع کو اپنی محنت سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے اگر قیامت آ بھی گئی تو مجھے اس سے بھی بہتر ملنے والا ہے۔اس پر غریب آدمی نے امیر کو سمجھانے کی کوشش کی کہ دیکھو اگرچہ میں دنیا میں غریب ہوں لیکن آخرت میں اللہ تعالی مجھے بہت کچھ دے کر میری محرومیوں کا اِزالہ کرسکتا ہے تم کو تو اللہ نے نعمتیں دی ہیں تم کیوں اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

امیر آدمی نے اس کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ اللہ تعالی نے اس امیر کے سارے باغ کو تباہ و برباد کر دیا اور وہ کھلی آنکھوں دیکھتا ہی رہ گیا۔

کافروں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سوالات کیے تھے کہ روح کی حقیقت کیا ہے، اصحابِ کہف کون تھے، اور بادشاہ ذو القرنین کا واقعہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضور اکرم علیہ السلام نے فرمادیا تھا کہ کل تمھیں جواب دے دوں گا اور ان شاء اللہ نہ کہا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے محبوب! آئندہ جب بھی کوئی کام کرنا ہو تو ان شاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔ اس میں دراصل اُمت کے لیے تعلیم ہے کہ وہ مستقبل میں کیے جانے والے کام کے پس منظر میں ان شاء اللہ ضرور کہہ لیں۔

اس کے بعد دنیاوی زندگی کی بے ثباتی کی مثال دے کر بتایا گیا کہ بارش کے نتیجہ میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں؛ مگر اچانک کسی آفت سے تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور کسان بے چارہ ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ پھر آدم وبلیس کا قصہ مذکور ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

آیت ۶۰ سے موسیٰ وخضر علیہما السلام کا دلچسپ واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرتِ موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کے اجتماع میں موجود تھے اور بڑی معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جو لوگوں کے دلوں میں تاثیر کا تیر بن کر چبھ گئی۔ اس پر لوگوں نے سوال کیا کہ اس وقت روے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو موسی علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس وقت سب سے بڑا عالم میں ہوں۔ ہر چند کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بہت بڑا مقام و مرتبہ عطا کیا تھا؛ لیکن یہ جواب بے نیاز پروردگار کی منشا کے مطابق نہ تھا؛ اس لیے انھیں دنیا کے سب سے بڑے عالم کی طرف رختِ سفر باندھنے کا حکم دیا کہ آپ دو دریاؤں کے سنگم پر چلے جائیں۔

اب حضرت موسیٰ اپنے ایک خادم یوشع بن نون کے ساتھ اللہ تعالی کے احکام کی حکمتوں اور اسرار و رموز کو جاننے کے لیے حضرت خضر کی تلاش میں نکلے۔ دورانِ سفر حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا کہ ناشتہ لاؤ، ہم سفر کرتے کرتے تھک چکے ہیں۔ خادم نے کہا کہ دورانِ سفر جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے، تو شیطان نے مچھلی کو مجھ سے وہیں بھلا دیا اور وہ سمندر میں سرنگ نما راستہ بناتی ہوئی نکل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ دوسمندروں کا سنگم ہی دراصل ہماری منزل ہے۔ چنانچہ وہ دونوں واپس لوٹے اور پھر ہمارے ایک بندۂ خاص کو وہاں پایا، جس کو ہم نے علم لدنی بخشا تھا۔

علمائے عرب کی معروف ترین تفسیر ابن کثیر میں اس مقام پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم غیب عطا کیا تھا۔ تو غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت خضر جن کی ولایت و نبوت میں اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی ہیں یا ولی۔ جب اللہ پاک نے انھیں علم غیب سے نواز دیا تو کیا جو محبوب رب العالمین اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں اللہ پاک نے ان سے علم غیب کو پوشیدہ رکھا ہوگا!۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی!۔ اللہ ہمیں عقل سلیم اور فہم متین عطا فرمائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو رشد و ہدایت کا علمِ خاص عطا کیا ہے، اس میں سے کچھ مجھے بھی تعلیم دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا علم آپ کی قوت برداشت سے باہر ہے۔ آپ میری باتوں پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کرنے اور کسی قسم کے سوالات نہ کرنے کا دعویٰ کیا، جس پر موسیٰ و خضر علیہما لسلام علمی سفر پر سمندر کے کنارے کنارے روانہ ہوگئے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی اور رسول ہیں، کلیم ہیں ، افضل ہیں؛ لیکن افضل کے مقابلے میں کسی دوسرے شخص کو کسی خاص شعبے میں کوئی فضیلت عطا کی جا سکتی ہے، یہی صورتِ حال یہاں بھی تھی۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سے کم مرتبہ شخص سے بھی کسی خاص شعبے کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے اور اِس بنا پر اس کی تکریم کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس پارے کی تفصیلات کو سمجھنے اور ان پر عمل کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سولھواں پارہ

سولھواں پارہ دراصل پندرہویں پارے کا تسلسل ہے۔ پندرہویں پارے کا اختتام حضرت موسی وحضرت خضر علیہما السلام کے درمیان ہونے والی گفتگو پر ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا: جن اسرار کا آپ کو علم نہیں ،ان کے بارے میں آپ صبر نہیں کر پائیں گے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے کہا ان شا اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: آپ میری پیروی کرتے ہوئے میرے کسی فعل کے بارے میں سوال نہیں کریں گے، تاوقتیکہ میں خود آپ کو اس کی کنہ نہ بتادوں۔ چنانچہ چلتے چلتے وہ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں سوراخ کر کے اسے عیب دار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا، اِس سے تو سواریوں کے ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میں نے آپ سے یہی تو کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر پائیں گے۔ موسی علیہ السلام نے کہا: میری بھول پر میری گرفت نہ کیجیے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجیے۔ پھر وہ چل پڑے، راستہ میں ایک خوبصورت بچہ ملا جس کا گلا گھونٹ کر خضر علیہ السلام نے مار ڈالا۔ موسی علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا اور کہنے لگے کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ ایک معصوم جان کو قتل کر ڈالا۔ انہوں نے کچھ زور دے کر کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ موسی علیہ السلام کہنے لگے کہ مجھے آخری موقع دے دیں اگر اس مرتبہ میں نے اعتراض کیا تو آپ کو اختیار ہوگا کہ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔

پھر وہ لوگ چل پڑے اور چلتے چلتے ایک گاؤں میں جا پہنچے، دونوں حضرات کو لمبے سفر کی بنا پر بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے کھانا

کھلانے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود گاؤں میں ایک دیوار گراچاہتی تھی۔ خضر علیہ السلام نے مرمت کر کے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ جب گاؤں کے لوگوں نے ہماری میزبانی نہ کی تو آپ کو چاہیے تھا کہ ان بے لحاظ لوگوں سے مزدوری ہی لے لیتے تا کہ ہم اس سے کھانا ہی خرید لیتے۔ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اب ہمارا مزید اکٹھے رہنا ممکن نہیں ہے؛ اس لیے آئندہ کے لیے ہمارے راستے جدا جدا ہو جائیں گے؛ البتہ گزشتہ جو تین واقعات پیش آئے ہیں میں ان کی وضاحت کر دیتا ہوں۔

کشتی کو عیب دار بنانے کی وجہ دراصل کشتی کے غریب مالکان کا مفاد تھا کیونکہ آگے سمندری حدود میں ایک ظالم بادشاہ کی عملداری تھی اور وہ ہر اچھی اور نئی کشتی کو بحق سرکار ضبط کر لیتا تھا۔ میں نے اس کشتی کا ایک کونا توڑ دیا جس سے ان غریبوں کی کشتی بچ گئی۔

جس لڑکے کو میں نے قتل کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مستقبل میں آوارہ، بدمعاش، منکر، کفر کا علم بردار اور اپنے نیک والدین کے لیے مشکلات کا باعث بننے والا تھا، اسے میں نے قتل کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو اس کا نعم البدل عطا فرما کر اس کے شر سے محفوظ فرما لے۔ دیوار کی تعمیر کا مسئلہ یہ تھا کہ گاؤں میں ایک نیک سیرت انسان تھا، اس کے بچے چھوٹے چھوٹے تھے کہ اس کے انتقال کا وقت آ گیا۔ اس نے اپنا خزانہ زمین میں دفن کر کے اوپر دیوار تعمیر کر دی تھی تا کہ بچے بڑے ہو کر وہ خزانہ حاصل کر سکیں اگر دیوار گر جاتی تو لوگ وہ خزانہ لوٹ کر لے جاتے اور یتیموں کا نقصان ہو جاتا؛ اس لیے میں نے گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دے کر درست کر دیا، تا کہ جوان ہو کر یہ اپنی امانت پا لیں۔ اور یاد رہے کہ یہ تینوں کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیے یعنی یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم تھا؛ لیکن آپ صبر و تحمل کا دامن چھوڑ کر جلد بازی میں سوال کر بیٹھے۔

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے اس تفصیلی واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارے سامنے شب و روز جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں، کسی کو جوانی یا بچپن میں موت

آجاتی ہے، کوئی کسی حادثہ کا شکار ہوکر زخمی ہو جاتا ہے، کسی کی عمارت گر جاتی ہے، کسی کا چلتا ہوا کاروبار ڈھپ ہو جاتا ہے تو ان تمام واقعات کے پس پردہ بڑی عجیب وغریب حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس دنیا کے ظاہر و باطن میں بڑا اختلاف ہے، انسان کی نظر ظاہر میں الجھی رہتی ہے اور باطنی رازوں کے ادراک سے اس کی عقل قاصر رہ جاتی ہے، یہ قصہ مادیت کے علم برداروں کی تردید کرتا ہے جو ظاہر ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں اور اس کے پس پردہ کسی حکیم وخبیر کی حکمت کے وجود سے بے خبری کے باعث انکار کرتے ہیں۔

آیت ۸۳ سے مشرکین کے تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے صالح بادشاہ ذوالقرنین کے حالات بیان کیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مادی قوت بھی عطا کی تھی اور روحانی وایمانی طاقت بھی اسے حاصل تھی۔ اس کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ وہ ایک طرف مشرق کے آخری کنارے اور دوسری طرف مغرب کے انتہائی سرے تک پہنچ گیا تھا، اپنی فتوحات کے زمانے میں اس کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی اور ہمیشہ ایک وحشی قوم کے حملوں کا نشانہ بنتی تھی جسے قرآن نے یاجوج وماجوج کا نام دیا ہے۔ ذوالقرنین نے لوہے اور پیتل کے جوڑ سے ایک آہنی دیوار 'سد سکندری' تعمیر کر کے ان کے حملوں کا ہمیشہ کے لیے سلسلہ بند کروا دیا جس سے وہاں کے باشندوں کو امن وسکون نصیب ہوا۔

قرب قیامت کی نشانیوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج اس سد سکندری کو گرا کر خود کو آزاد کر لیں گے اور باہم دست وگریبان ہو جائیں گے۔ احادیث کی روشنی میں یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ یہود کی ہلاکت کے بعد حضرت عیسیٰ کی حکومت قائم ہوگی اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ اس وقت یاجوج ماجوج کی یلغار ہوگی، ان کی تعداد اس قدر کثیر ہوگی کہ حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں پر پناہ گزیں ہوں گے۔ وسائل کے حصول کی جنگ میں یاجوج ماجوج ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار

ہو جائیں گے اور آخر کار قدرتی آفات سے ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ جہنم ایسے بدنصیبوں کے سامنے لائی جائے گی جن کی آنکھیں حقائق دیکھنے سے محروم ہیں اور جو حق کا پیغام سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کی سب سے بڑی مثال دورِ حاضر کے سائنس دان ہیں جنھوں نے براہِ راست اللہ کی بے شمار قدرتوں کا مشاہدہ کیا؛ لیکن پھر بھی اللہ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ بقول اقبالؒ

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا ☆ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا ☆ آج تک فیصلہ نفع وضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا ☆ زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ذوالقرنین مادی وسائل کی بہتات کے باوجود اللہ پر ایمان رکھتا تھا جب کہ مادیت پرست افراد اور بادشاہ ظاہری اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ تکمیل پر ذوالقرنین نے اعترافاً بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ یہ سب کچھ میرے رب کی رحمت سے ہوا ہے اور جب میرے رب کا مقررہ وقت آئے گا تو وہ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کردے گا۔ آگے اللہ سبحانہ وتعالی نے اس حقیقت کو آشکارا کیا کہ اگر سارے سمندر، اور ان جیسے اور بھی آجائیں، مل کر روشنائی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ہی سمندروں کی روشنائیاں ختم ہو جائیں گی۔

سورۂ کہف کے اختتام پر گویا ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے جو صرف مادیت اور ظاہری وسائل ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے کہ 'پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، چاہیے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے'۔

سورۂ مریم: اس سورت میں دیگر مکی سورتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود،

توحید و رسالت اور بعث و جزا کے ساتھ بہت سے انبیاے کرام کے حالات بھی بیان ہوئے ہیں خصوصاً حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام کا واقعہ شرح وبسط سے بیان ہوا ہے تو اسی مناسبت سے اس کا نام 'مریم' رکھ دیا گیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد کے حصول کے لیے رقت انگیز دعا کے ساتھ سورت کا آغاز ہوتا ہے۔ جو بالکل بوڑھے ہو چکے تھے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی تھیں، بال سفید ہو گئے تھے، اہلیہ بھی بالکل بوڑھی و بانجھ تھیں۔ بظاہر اب اولاد ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا لیکن پھر بھی اللہ کے سامنے ہاتھ اُٹھا دیے اور بیٹا کی دعا کرنے لگے۔ چنانچہ آپ کی دعا شرفِ قبول سے ہمکنار ہوئی اور یحییٰ علیہ السلام جیسے نابغہ روزگار بیٹے کی ولادت کی نوید دی گئی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالی نے بچپن ہی میں نبوت عطا کی اور کتاب دی، وہ پاکیزہ، متقی اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے، ان پر سلام ہو پیدائش کے دن، وفات کے دن اور جب قیامت کے دن انہیں اٹھایا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی ولادت ووفات کے دن اُن پر سلام بھیجنا سنت الٰہی ہے۔

حضراتِ زکریا ویحییٰ علیہما السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد اس سے بھی زیادہ عجیب قصہ بیان کیا گیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ہے۔ بے شک یحییٰ علیہ السلام کی ولادت عجیب طریقے سے ہوئی تھی کہ ان کے والدین توالد وتناسل کی عمر سے گزر چکے تھے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت تو بغیر باپ ہی کے ہوگئی کہ ان کی والدہ باکرہ تھیں۔

ہوا یہ کہ ایک مرتبہ حضرت مریم غسل کے لیے تیاری کر رہی تھیں کہ ایک شخص ان کے سامنے اچانک آ کر کھڑا ہو گیا، وہ اسے انسان سمجھ کر اللہ کی پناہ مانگنے لگیں مگر اس نے بتایا کہ وہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے اور اللہ کے حکم سے بیٹے کی بشارت دینے آیا ہے۔ انہیں تعجب ہوا کہ شوہر کے بغیر کیسے بیٹا پیدا ہوگا، اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ انہیں بتایا گیا کہ اللہ کے لیے یہ بات کوئی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اُمید سے ہوگئیں اور جب ولادت کا

درد شروع ہوا تو پریشان ہو کر کہنے لگیں کہ کاش تکلیف اور رسوائی کا یہ وقت آنے سے پہلے ہی میں مرجاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔

وہ اس وقت ویرانے میں کھجور کے ایک خشک تنے کے سہارے بیٹھی ہوئی تھیں۔ فرشتے نے ندا دی کہ آپ کے نچلی جانب نہر جاری ہے۔ کھجور کو ہلا کر پھل حاصل کریں اور نہر سے پانی پییں اور بچہ کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کریں اور اگر کوئی پوچھے تو بتا دیں کہ میں نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے، اس بچے سے پوچھ لو۔

چنانچہ جب وہ بچہ کو گود میں لیے ہوئے بستی میں پہنچیں تو لوگوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ تمہارے والد صاحب ایک صالح انسان تھے تمہاری والدہ نیک خاتون تھیں پھر تم نے اتنا بڑا حادثہ کیسے کر دیا؟ بچہ اپنی ماں کا دفاع کرتے ہوئے بول اٹھا: 'میں اللہ کا بندہ ہوں'۔ دنیائے رنگ و بو میں قدم رکھنے کے بعد زندگی کے اس موڑ پر جب کہ ابھی آپ بولنے کی عمر تک نہیں پہنچے تھے معجزانہ انداز میں اپنی والدہ کی پاکدامنی بتانے کے لیے بولے بھی تو آپ کی زبان سے پہلا کلمہ ہی ایسا نکلا جو آپ کے بارے میں غالی قسم کے عیسائیوں کی کھڑی کی گئی شرکیہ عمارت کو دھڑام سے گرانے کے لیے کافی ہے۔

سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ میں بابرکت رسول بنایا گیا ہوں۔ مجھے نماز اور زکوۃ کے اہتمام کی تعلیم دے کر بھیجا گیا ہے۔ میں صلاح و تقوی کا پیکر اور والدہ کا فرماں بردار ہوں۔ بچہ کی اس گفتگو نے مریم کو پاک باز بھی ثابت کر دیا اور اللہ کی قدرت کو ثابت کر کے لوگوں کے تعجب میں بھی اضافہ کر دیا۔ یہ تھے مریم کے بیٹے عیسیٰ، جو اللہ کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے حکم کن فیکون کے کرشمہ کے طور پر جلوۂ آرائے بزم جہاں ہوئے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت یہود و نصاریٰ کے درمیان وجہ نزاع اور باعث اختلاف بن گئی کہ ایک طرف عیسائیوں نے انھیں ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) قرار دیا اور دوسری طرف یہودیوں نے انھیں -معاذ اللہ- ابن زنا (حرام

زادہ) کہنے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ کی۔ جب کہ اہل اسلام کا حضرت عیسیٰ کے تعلق سے عقیدۂ حقہ افراط وتفریط کے درمیان ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت وشہادت کے بعد سورۂ مریم منتقل ہو جاتی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قصے کی طرف جو کہ ان کے مشرک باپ کے ساتھ پیش آیا تاکہ عقیدۂ شرک میں جو جھوٹ، کبروغرور، جہل وعناد اور ضلالت وحماقت پائی جاتی ہے اس کی ایک جھلک دکھائی جاسکے۔ ساتھ ہی اگلی آیتوں میں حضرت ابراہیم کے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ عالیہ پر بھی بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے بعد آیت ۵۱ سے مختلف انبیاے کرام کا ذکر ہے۔ حضراتِ موسیٰ وہارون کی نبوت اور کوہِ طور پر اللہ سے ہم کلامی کا تذکرہ پھر اسماعیل علیہ السلام کی نبوت ورسالت اور وعدہ کی پاسداری اور نماز وزکوۃ کے اہتمام کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی حضرت ادریس کی صداقتِ نبوت کا تذکرہ بھی۔ ساتھ ہی یہ تلخ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان انبیا کے جانشین میں کچھ ایسے لوگ ہوئے جنھوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات وشہوات کی بندگی کا راستہ اختیار کر کے اپنے لیے ہلاکت مول لی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ کی آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے، یکایک زاروقطار رونے لگے، یہ دیکھ کر اُن کی جانثار بیوی بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ آپ نے پوچھا: تجھے کس چیز نے رُلایا؟۔ عرض کیا: میں نے دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں تو آپ کے رونے نے مجھے بھی رلا دیا۔ آپ نے فرمایا: میں تو اِس لیے گریہ وبکا کررہا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ اِرشاد یاد آ گیا ہے: **وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا o**

اور تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے؛ مگر اس کا اس (دوزخ) پر سے گزر ہونے والا ہے۔

جس میں میرے رب نے یہ تو بتایا ہے کہ مجھے جہنم پر پیش ہونا ہے؛ لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس میں کتنا رہ کر پھر کب اس سے چھٹکارا ملنا ہے!۔ (مستدرک حاکم: ۱۶۱/۲۰ حدیث: ۸۹۰۰)

سورت کی آخری آیات میں انسان کی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے قیامت کے منکرین کو کھری کھری سنائی گئی ہیں اور اللہ تعالی کے لیے اولاد کے عقیدہ کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔ یہ ایسا بدترین عقیدہ ہے کہ اس کی نحوست سے آسمان گر جانے چاہئیں اور زمین پھٹ جانی چاہیے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجانے چاہئیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں بلکہ سب لوگ اللہ کے بندے اور اس کے مملوک ہیں۔

سورۂ طٰہٰ: اس مکی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو کہ سورۂ مریم میں اجمالی طور پر مذکور تھا یہاں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح گزشتہ سورت میں حضرت آدم کا صرف نام آیا تھا جب کہ یہاں ان کا واقعہ قدرے وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ 'طٰہٰ' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہاں اس کے ذریعہ آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ 'آپ پر ہم نے قرآن اس لیے تھوڑا نازل کیا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں'۔

امر واقعہ یہ تھا کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تلاوت اور دعوتِ دین دونوں میں بے پناہ مشقت اُٹھاتے تھے، راتوں کو نماز میں اتنی طویل قراءت فرماتے کہ پاؤں میں ورم آجاتا وغیرہ۔ اسی لیے رب کریم نے کئی مقامات پر آپ کو تسلی دی ہے۔

آیت ۱۰ سے حضرت موسیٰ کے واقعے کی تفصیلات شروع ہوتی ہیں جب وہ اپنی زوجہ کے ہمراہ مدین سے واپس ہوئے، تو وہ امید سے تھیں دردزہ شروع ہوچکا تھا۔ سامنے آگ جلتی ہوئی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کو گئے کہ پیمبری مل گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ یہ آگ نہیں تمہارے رب کی تجلی ہے۔ وادی مقدس کے احترام میں جوتے اتارنے کے حکم کے ساتھ ہی پروانۂ نبوت عطا کر کے توحید کا پیغام بنی اسرائیل کے لیے دے کر نماز کے اہتمام کی تلقین کی گئی۔

اسی موقع پر آپ کو عصا سے اژدھا اور ہاتھ کو روشن و چمکدار بنانے کے دو معجزات عطا ہوئے اور آپ کو حکم ہوا کہ جا کر فرعون کو دعوتِ حق دیجیے۔ آیات ۲۵ تا ۲۸ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے کہ اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرما دے، میرے لیے میرا کام آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ آپ نے مزید التجا کی کہ اے پروردگار! میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو اس مشن میں میرا وزیر اور میرا شریک کار بنا دے تا کہ مجھے تقویت ملے۔

اگلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کے حالات کا ذکر ہے۔ فرعون نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہر گھر میں پیدا ہونے والے بیٹے کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ وہ اپنے نومولود بیٹے کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں، اللہ کے حکم سے یہ تابوت کنارے لگے گا اور اللہ کے دشمن (فرعون) کے ہاتھ لگ جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا تا کہ رب کی نگرانی میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ہو۔

آیت ۴۳ سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا کہ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، وہ سرکش ہو چکا ہے، اسے نرمی کے ساتھ دعوتِ حق دیں، شاید وہ نصیحت حاصل کرلے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا۔ اللہ نے فرمایا: تم گھبراؤ نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ وہ دونوں فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ ہم اللہ کے رسول ہیں، بنی اسرائیل کو اذیت نہ دو اور انہیں ہمارے ساتھ بھیج دو۔

فرعون نے اللہ کی ذات کے بارے میں موسیٰ و ہارون علیہم السلام سے مجادلہ کیا، ان پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا اور پھر اپنے چوٹی کے جادوگروں کو بلا کر مقررہ دن پر مقابلے کا چیلنج دیا، اس کی تفصیل پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے کہ جادوگر ناکام ہو کر مشرف بہ

ایمان ہوگئے۔

آیت ۸۵ میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ موسی علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ وہاں چالیس دن تک عبادت و ریاضت میں لگے رہے اور پھر کتاب لے کر واپس آئے تو قوم بچھڑے کو معبود بنا کر شرک میں مبتلا ہو چکی تھی۔ سامری کا کہنا تھا کہ جبریل کے نشان قدم کی مٹی میں نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل کے پاس فرعونیوں کے زیورات کا سونا جو کہ یہ لوگ مصر سے نکلتے وقت اپنے ہمراہ لے آئے تھے جمع کر کے آگ میں پگھلا کر اسے بچھڑے کی صورت میں ڈھالا اور اس کے منہ میں جبریل کے نشان قدم کی مٹی ڈالی تو وہ جگالی کرنے اور گائے جیسی آوازیں نکالنے لگا۔ چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو باور کرالیا کہ یہ تمہارا معبود ہے۔ موسی علیہ السلام کا معبود تمہیں بھلا چکا ہے۔ قوم اس کے بہکاوے میں آکر گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئی۔

موسی علیہ السلام کوہِ طور سے واپس آکر سخت ناراض ہوئے، حضرت ہارون کو ڈانٹا، ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر گھسیٹا مگر حضرت ہارون کا معقول عذر تھا کہ قوم سمجھانے کے باوجود باز نہیں آئی بلکہ مشتعل ہو کر انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہوگئی اور جان کے خوف اور انتشار کے ڈر سے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو ہم تمہارے معبود کا کیا حشر کرتے ہیں۔ بچھڑے کو آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا اور سامری کو بد دعا دی کہ اگر کسی سے اس کا جسم چھو جائے تو بخار میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ سامری جب بھی گھر سے باہر نکلتا تو بخار میں مبتلا ہونے کے خوف سے چلاتا اور شور مچاتا: **لامساس، لامساس** مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اسی طرح زندگی بھر شور مچاتا ہوا مر گیا۔

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ پہلے انبیا اور ان کی اقوام کے واقعات سنا کر ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کفر و شرک اور گناہوں کا بوجھ لادنے والے قیامت کے دن ترچھی آنکھوں

اور سیاہ چہرے والے اپنے جرائم پر ملنے والی سزا کے تصور سے تھر تھرا رہے ہوں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے خوف سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں اڑنے لگیں گے، زمین ایک ہموار چٹیل میدان میں تبدیل ہوجائے گی اور ہر انسان دم بخود بے حس وحرکت ہوگا کسی کی سفارش نہیں چلے گی لیکن ایمان واعمال صالحہ والوں کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

آیت ۱۱۵ سے اِس بات کا ذکر ہے کہ آدم علیہ السلام جو جنت میں درخت کے قریب چلے گئے، تو یہ ان کی بھول اور اجتہادی خطا تھی، انہوں نے قصداً اللہ تعالی کی حکم عدولی نہیں کی۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کر کے بتایا کہ یہاں نہ بھوک لاحق ہوگی، نہ بے لباسی ہوگی، نہ پیاس لگے گی اور نہ ہی دھوپ کی تپش محسوس ہوگی۔ اور یہ کہ آپ اپنے دشمن شیطان کی چالوں سے بچے رہیں گے۔ اس مقام پر قرآن نے اس موضوع کو پھر بیان کیا کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا اور مخلص اور ہمدرد کا روپ اختیار کر کے ان کو بہکایا۔ انہوں نے ممنوعہ درخت سے کھالیا سو ان کے ستر کھل گئے اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور جنت سے زمین پر بھیج دیا۔

پھر اللہ تعالی نے یہ بتایا کہ اللہ کے نازل کردہ آسمانی نظام حیات سے روگردانی اس انسان کے تمام مسائل کی جڑ اور معیشت کی تباہی کا سبب ہے۔ دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کو تلقین فرمائی کہ معاندین کی باتوں کو صبر وتحمل سے برداشت کریں۔ صبح وشام، دن اور رات میں تسبیح وتحمید کا اہتمام رکھیں۔ کافروں کے لیے وسائل زندگی کی فراوانی اور عیش وعشرت کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہ دیکھیں۔ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور اپنے اہل خانہ کو بھی نماز کا پابند بنائیں اور اعلان کردیں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا؛ لہٰذا تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کررہے ہیں۔ عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ کون راہ ہدایت پر ہے اور کون ضلالت وگمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ ہمارے حال ومآل پر کرمِ خاص فرمائے اور اپنی رضا کے کام کی توفیق دے۔

ستر ہواں پارہ

سورۂ انبیاء: ستر ہویں پارے کا آغاز سورۂ انبیا سے ہو رہا ہے۔اس سورت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں بہت سے انبیاے کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت اور قیامت کے عقیدہ پر گفتگو کی گئی ہے؛ مگر رسالت کا موضوع خاص طور پر اُجاگر کیا گیا ہے اور مختلف انبیا و رسل کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ابتدائی آیات میں دنیا کی زندگی کے زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کا وقوع اور حساب کا وقت بہت قریب آ گیا ہے لیکن اس ہولناک دن سے انسان غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔نہ اس کے لیے تیاری کرتے ہیں، نہ ہی ایسے اعمال سرانجام دیتے ہیں جو وہاں کام آئیں۔ان کے سامنے جب بھی کوئی نئی آیت آتی ہے تو اس کا مذاق اُڑاتے اور اسے جھٹلاتے ہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ اس عظمت والے کلام کو کیسی سنجیدگی، وقار اور عاجزی کے ساتھ سماعت کرنا چاہیے۔

اگلی آیتوں میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے پہلے کسی انسان کو ہیشگی نہیں دی، اگر آپ رخصت ہو جائیں گے تو کیا وہ لوگ ہمیشہ دنیا میں رہیں گے۔اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مشرکین مکہ کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اِسلام کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔اللہ تعالی نے مشرکین عرب کی اس بری تمنا کا جواب اس آیت میں دیا کہ اگر آپ دنیا میں نہیں رہیں گے تو آپ کے مخالفین کو کون سا دوام حاصل ہو جانا ہے، انہوں نے بھی تو دنیا سے جانا ہے۔ جہاں تک تعلق ہے اللہ کے دین کا تو اسے تو اللہ کے حکم سے باقی رہنا ہے اور اس کو کبھی زوال نہیں آ سکتا۔

اس سورت میں اللہ تعالی نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ کافر، رسولِ رحمت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا اِستہزا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کی برائی کرتا ہے حالانکہ وہ خود اللہ کے منکر تھے۔ اللہ تعالی نے واضح کیا ہے کہ کفار شرک کی مذمت پر تو تکلیف محسوس کرتے تھے لیکن خود ان کا اپنا حال یہ تھا وہ اللہ وحدہ لاشریک کی ذات کا انکار یا اس کے ساتھ شرک سے باز نہیں آتے تھے، یعنی جرم کا ارتکاب تو خود کرتے تھے اور استہزا نبی اکرم علیہ السلام کی ذات کا کیا کرتے تھے۔

اس کے فوراً بعد اللہ نے فرمایا کہ کافر کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ کفار کے سرکردہ رہنما جن میں نضر بن حارث پیش پیش تھا اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقا سے کہتا کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب کہاں ہے جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو!۔ اللہ تعالی نے بدر کے دن اپنا وعدہ پورا کیا اور کفار کے سرکردہ رہنماؤں کو ایک ایک کرکے ہلاکت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو ان پر عذابِ شدید اس پر مستزاد ہوگا۔

اگلی آیت میں بتایا گیا کہ آسمان و زمین کے نظام کا نہایت نظم ونسق اور توازن واعتدال سے چلتے رہنا اس بات کا غماز ہے کہ اس نظام کا خالق و مالک ایک وحدہ لاشریک ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بااختیار شخصیات اس نظام کو چلا رہی ہوتیں تو ان کے اختیارات کی جنگ میں کائنات میں فساد برپا ہو چکا ہوتا اور سارا نظام منتشر ہو کر رہ جاتا۔

پھر سولہویں آیت اس گمراہ کن تصور کی نفی کرنے کے لیے اُتری کہ خالق نے محض شغل کے لیے کائنات بنا ڈالی ہے۔ کائنات میں انسانوں اور جنات کی آزمائش جاری ہے۔ یہ آزمایش حق و باطل کے درمیان ایک کشمکش کی صورت میں ہے۔ کچھ لوگ حق کے علم بردار ہیں اور کچھ باطل کے طرف دار۔ اور ان دونوں کے درمیان ازل دے ایک معرکہ خیر وشر بپا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب بھی اہل حق پامردی دکھاتے ہیں اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور وہ باطل کا سر کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ بادشاہ طالوت کی شاندار فتح اور تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی غلبہ دین کی جدوجہد کی کامیابی اس حقیقت کے درخشاں مظاہر ہیں۔

آیت ۳۰ سے اللہ تعالی نے تخلیقِ کائنات کے سلسلے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان اور زمین بند تھے کہ نہ بارش برسے اور نہ ہی نباتات پیدا ہوں، تو ہم نے ان دونوں کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی۔ آج بھی تخلیق کائنات کا ایک سائنسی نظریہ بگ بینگ تھیوری کہلاتا ہے کہ ایک بہت بڑا آتشیں بگولا تھا، ایک بہت بڑے دھماکے سے وہ پھٹا اور اس کے لامحدود ٹکڑے فضا میں بکھر گئے، جنہوں نے سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کی شکل اختیار کی۔ اللہ نے زمین میں توازن قائم رکھنے کے لئے اونچے اونچے پہاڑ بنا دیے اور ان کے درمیان کشادہ راستے بنا دیے ہیں اور آسمان کو (بغیر ستونوں کے) محفوظ چھت بنا دیا، رات اور سورج اور چاند کو پیدا کیا، ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

آیت ۳۵ میں قانونِ قدرت بیان کیا کہ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے یعنی ہر ذی حیات پر موت آئے گی۔ آگے چل کر بتایا قیامت اچانک آئے گی، حیرت زدہ کر دے گی اور نہ کوئی اسے رد کر سکے گا اور نہ کسی کو مہلت ملے گی۔

پھر اگلی آیات میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑی دل سوزی کے ساتھ مشرکین مکہ کو خبردار کرنے کا بیان ہے۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ مشرکین کو آگاہ فرما دیں کہ میں اللہ کی طرف سے وحی کی بنیاد پر تمہیں حقائق بتا رہا ہوں لیکن تم بہروں کی طرح میرے بیان کا کوئی اثر نہیں لے رہے۔ اگر تمہیں دنیا میں فوری سزا دے دی جائے تو فریاد کرو گے کہ ہائے ہم ہی ظالم ہیں۔ البتہ آخرت میں اللہ تمہارے ہر ہر عمل کا حساب لے کر رہے گا، اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہے تو اس کی بھی باز پرس ہوگی۔ اب سوچ لو! اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو اللہ مالک الملک کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا!۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی جوانی کے واقعے اور ان کی بت پرست قوم کا

تذکرہ ہے کہ عید کے موقع پر وہ پکنک منانے اور کھیل کود کرنے شہر سے باہر چلے گئے اور اپنے بتوں کے آگے نذر و نیاز کے چڑھاوے چڑھا گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو کلہاڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جب مشرک قوم لوٹ کر آئی اور اپنے خداؤں کی حالت زار دیکھی تو ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر باز پرس کرنے لگی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ بت کچھ کر سکتے ہیں اور بولتے بھی ہیں تو انہی سے پوچھ لو۔ بڑے بت کے کندھے پر کہلاڑے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سب کو کاٹ پیٹ کر برابر کر دیا ہے۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ یہ پتھر کے بت تو بول ہی نہیں سکتے۔ یہ حقیقت حال کیسے بیان کریں گے؟ ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے افسوس کا مقام ہے کہ ایسے بے اختیار معبودوں کی تم پرستش آخر کیوں کرتے ہو؟۔

وہ لوگ لاجواب ہو کر انتہائی نادم اور شرمندہ ہوئے اور اس دعوت توحید پر بستی کے سارے لوگ بھڑک اٹھے اور ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے چتا کو بھڑکایا، جب چتا بھڑک اٹھی تو ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی: حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ اس پر اللہ نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ اس کے بعد اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: اور انہوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سازش کرنی چاہی تو ہم نے انہیں بڑا خسارہ پانے والا بنا دیا۔

آیت ۷۸ سے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے کا ذکر ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ قوم داؤد کے ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی انگور کے باغ میں گھس گئیں، اور کھیتی کو برباد کر دیا۔ مقدمہ جب جناب داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ کھیت والا بکریاں لے لے، اس لیے کہ گھاٹا کم و بیش بکریوں کی قیمت کے برابر ہوا تھا۔ حضرت داؤد کے اس فیصلے پر جناب سلیمان علیہ السلام نے اپنی رائے پیش کی کہ کھیت والا بکریاں لے لے اور بکریوں والا کھیت کو سنوارے، نیز کھیت والا دودھ اور

اُون سے فائدہ حاصل کرے۔ جب کھیت اصلی حالت میں واپس آ جائے تو بکریوں والے کو اس کی بکریاں واپس کردی جائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس رائے کو جناب داؤد علیہ السلام نے بھی قبول کیا اس لیے کہ اس رائے کی وجہ سے کھیت والے کے نقصان کی تلافی بھی ہو رہی تھی اور بکریوں والا بھی خسارے سے بچ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دراصل ہم نے سلیمان کو (صحیح فیصلہ کرنے کی) سمجھ عطا کردی تھی اور ہم نے دونوں ہی کو قوتِ فیصلہ اور زیورِ علم سے آراستہ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک عدالت کے فیصلے پر دوسری عدالت نظر ثانی کرسکتی ہے اور ایک فیصلہ اگر بہتر ہے، تو دوسرا بہترین ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد داؤد علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے یعنی پہاڑوں کا اُن کے تابع ہونا، پہاڑوں اور پرندوں کا اُن کے ساتھ تسبیح کرنا۔ پھر بچاؤ کے لیے داؤد علیہ السلام کی زرہ سازی کو بیان کرکے بتایا کہ دستکاری اور مزدوری کرکے کمانا کوئی عیب نہیں ہے اور اپنا دفاع کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔

یوں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کردیا جو ان کے حکم سے ان کے تخت کو ایک ماہ کی مسافت تک اُڑا کرلے جاتی تھی اور جنات کو ان کے تابع کردیا جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطہ زن ہوتے اور دیگر امور انجام دیا کرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا ذکر ہے کہ ایوب علیہ السلام ایک لمبے عرصہ تک اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائش کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کے اہل وعیال بھی آپ کی کفالت اور نگہداشت سے دل برداشتہ ہوگئے؛ مگر آپ نے لمحہ بھر کے لیے بھی شکوہ اور شکایت والا طرزِ عمل اختیار نہیں کیا۔ بالآخر آپ نے ایک عرصہ دراز کے بعد دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تکلیف دہ بیماری لاحق ہوگئی ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے

ان کی دعا کو سن لیا اور ان کی بیماری دور فرما دی، انہیں دولت صحت سے نوازا اور بیماری کے زمانہ میں ہونے والے نقصانات کا بہترین اِزالہ بھی فرما دیا۔

پھر حضراتِ اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، اور زکریا علیہم السلام کے ساتھ ذوالنون (یونس) کا بھی ذکر ہے کہ آپ جب غم کی شدت سے دوچار تھے اور تہِ بحرِ ظلمات مچھلی کے پیٹ میں کوئی آپ کے دکھ اور تکلیف کی شدت سے واقف نہیں تھا تو آپ نے پروردگار عالم کو ندا دی: لاَ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. (اسی کو آیتِ کریمہ کہتے ہیں) تو اللہ پاک نے جناب یونس کی فریاد سن کر ان کے دکھوں کو دور فرما دیا اور ساتھ ہی یہ اِعلان بھی کر دیا کہ جو کوئی بھی حالتِ غم میں جناب یونس کی طرح اللہ کی تسبیح کرے گا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ جناب یونس ہی کی طرح اس کے غم کو دور فرما دے گا۔

پھر حضرت مریم کے عظیم کردار اور ان کی عفت وعصمت کی حفاظت اور ان کے ہاں بیٹے کی کراماتی ولادت کی طرف اشارہ کر کے انبیا علیہم السلام کی صالح جماعت کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب ایک ہی جماعت کے افراد ہیں اور تم لوگوں کے لیے ہم نے ایک ہی دین اسلام تجویز کیا ہے، لہٰذا مجھے اپنا رب تسلیم کرو اور میری ہی عبادت کرو۔

آیت ۹۴ میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ جو شخص بھی ایمان اور اخلاص کے ساتھ اچھے اعمال کر رہا ہے اسے بھرپور صلہ ملے گا، اس کی ہر نیکی محفوظ کی جا رہی ہے۔ البتہ جن بدنصیبوں نے غفلت کی زندگی گزار دی اور اپنے گناہوں کی پاداش میں برباد کر دیے گئے انھیں دوبارہ دنیا میں آنے اور سابقہ گناہوں کی تلافی کا موقع ہرگز نہ ملے گا۔ ہر انسان کو دنیا میں بس ایک ہی بار آنے اور آخرت کی تیاری کرنے کا موقع ملتا ہے۔

پھر علامات قیامت میں بڑی علامت یاجوج وماجوج کے ظہور کا تذکرہ فرما کر قیامت اور اس کے ہولناک منظر کا بیان شروع کر دیا اور بتایا کہ رسالت محمدیہ تمام کائنات کے لیے باعث رحمت ہے اور تلقین فرمائی کہ حق وباطل کا فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے، لہٰذا

اسی سے دین اسلام کی حقانیت کا فیصلہ طلب کرنا چاہیے۔

اس سورت کے آخری رکوع میں اللہ تعالی نے اپنے حبیب مکرم سید نا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بے مثل و بے مثال اِعزاز سے نوازا اور اِرشاد فرمایا: وَمَـــا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ . غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات کو ربُّ العالمین فرمایا اور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین یعنی کائنات کے ہر ذرّے کے لیے اللہ تعالی کی ربوبیت اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی رحمت ثابت ہے۔

سورۂ حج : اِس سورت میں اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے لیے حج کے اِعلان کرنے کا حکم دیا؛ اِس لیے سورت کا نام 'حج' قرار پایا۔ پہلی آیت میں اللہ تعالی نے تقوی کا حکم دیتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا کہ قیامت ایک زلزلے کے طور پر برپا ہوگی اور اس کا منظر اِس قدر دہشت ناک ہوگا کہ دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو فراموش کر دیں گی، ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا، لوگ حالت نشہ میں نظر آئیں گے جبکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے؛ لیکن دراصل اللہ کے عذاب کی شدت کے باعث ان کی یہ کیفیت ہوگی۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔ اپنی پیدائش میں غور کرنے سے یہ عقیدہ تمہیں بہت اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مٹی سے نطفہ، نطفہ سے لوتھڑا، پھر گوشت کا ٹکڑا جس کی تخلیق کبھی مکمل ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ ایک متعینہ مدت کے لیے رحم مادر میں پڑا رہنا، پھر کمزور و بے کس بچہ کی شکل میں پیدا ہونا، پھر بھرپور جوانی کو پہنچنا، پھر قوی کی کمزوری کے ساتھ بڑھاپے کی منزل تک پہنچنا اس بات کا غماز ہے کہ قادر مطلق تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ وہ انسان جو خود ان مراحل سے گزرتا ہے وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں، بالخصوص آج کا انسان جو کہ جانتا ہے کہ ایک نطفہ اور جرثومہ میں باری تعالیٰ نے تمام انسانی خواص چھپا رکھے ہیں۔ یہ معلومات رکھنے

والا انسان بھلا کیسے فنا کے بعد دوسری زندگی کا انکار کرسکتا ہے!۔

دوسری دلیل کے طور پر فرمایا کہ زمین کو دیکھو! بنجر و ویران ہوتی ہے، بارش برستی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کھیتیاں اور باغات اگنے لگتے ہیں اور پھر پھلنے پھولنے اور لہلہانے لگتے ہیں۔اس سے اللہ کی قدرت کا اندازہ کر کے سمجھ لو کہ وہ ہر چیز پر قوت رکھتا ہے۔

آیت ۲۷ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے شاندار کارنامہ کا تذکرہ ہے۔ پھر انھیں حکم دیا گیا کہ لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اِعلان کیجیے وہ آپ کے پاس دوردراز راستوں سے پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر سوار ہوکر آئیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہوکر ندا کی: اے لوگو! اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کر دیا۔ اللہ تعالی نے یہ ندا ان سب کو سنادی جو مردوں کی پشتوں میں اور عورتوں کے رحموں میں تھے، ان سب نے اِس ندا کا جواب دیا، جو اللہ کے علم میں قیامت تک حج کرنے والے تھے۔ انہوں نے کہا: لبیک اللھم لبیک۔

اس کے بعد حج کے عظیم الشان اجتماع میں قربانی اور صدقہ و خیرات سے غربا و مساکین کی کفالت اور تجارت اور کاروبار کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کے تمام افراد کے مفادات و منافع کی حفاظت کی نوید ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حج اور قربانی کے ارکان کو مقرر فرمایا اور اللہ نے سنت ابراہیمی کو اس انداز میں زندہ رکھا کہ ہر سال لاکھوں مسلمان حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور قربانی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

آیت ۴۹ میں بتایا گیا ہے کہ دوسرے انبیا کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی دعوت پہنچا دینا تھا۔ آپ اپنے مقصد بعثت کی تکمیل میں لگے رہے اور مشرکین تمسخر، انکار اور آپ کی دعوت میں شبہات پیدا کرنے کا کام کرتے رہے۔ ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا آ رہا ہے۔ دوسری طرف اللہ کا بھی دستور رہا ہے کہ وہ شیاطین

کے پیدا کردہ وساوس اور شبہات کا اِزالہ کرتا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ آج بھی اہل مغرب زمانۂ قدیم کے شیاطین کے طریقے کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلامی عقائد وتعلیمات میں برابر وسوسہ انگیزی اور فتنہ پروری کرتے رہتے ہیں۔

آیت ۶۱ سے ایک بار پھر کائناتی شواہد میں غور وخوض کر کے اللہ کی وحدانیت تسلیم کرنے کی تعلیم ہے۔موت اور زندگی اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہر امت کو علیحدہ نظام حیات دیا گیا ہے۔اختلاف کرنے کی بجائے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

پھر معبود حقیقی اور معبودان باطل کے امتیاز کے لیے معرکتہ الآرا مثال بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو وہ ایک مکھی پیدا کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ مکھی جیسی کمزور ترین مخلوق اگر ان کے کھانے کا کوئی ذرہ اٹھا کر لے جائے تو یہ سب مل کر اس سے واپس لینے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ بت اور ان کے پجاری سب کمزور اور ضعیف ہیں۔ یہ لوگ انبیا ورسل کا انکار کر کے اللہ کی ناقدری کر رہے ہیں؛ اس لیے کہ وہ اللہ کے منتخب نمائندے ہیں۔

ملت اسلامیہ ہی دراصل ملت ابراہیمی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت مسلمہ کے اعمال پر گواہ بنیں گے اور امت مسلمہ دوسری امتوں کی گواہی دے گی۔لہٰذا تم نماز پڑھتے رہو، زکوۃ دیتے رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ وہ بہترین حمایتی اور شاندار مددگار ہے۔انھیں احکام وتفصیلات پر سورۂ حج اختتام پذیر ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں فروِ مذہب ومسلک کی سچی لگن عطا فرمائے، ملت اسلامیہ کے عظیم افراد میں کرے اور سنت وشریعت کی ساری باتوں پر کما حقہ عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یارب العالمین بجاہ صفوۃ الانبیاء والمرسلین ﷺ۔

اٹھارہواں پارہ

سورۂ مؤمنون: اس مکی سورت کی ابتدائی آیات میں فلاح یافتہ اہل ایمان کی سات اعلیٰ صفات بیان کی گئی ہیں اور یہ تعلیماتِ اسلامی کی جامع ہیں؛ اس لیے سورت کو 'المومنون' کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ مومنین کی یہ وہ صفاتِ عالیہ ہیں جن کی وجہ سے وہ جنت الفردوس کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ ایسے مومن کامیابی کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں گے جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتے ہیں، بیہودہ و بے مقصد باتوں سے گریز کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اِہتمام کرتے ہیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ قابل ملامت ہیں اور نہ ہی حد سے تجاوز کرتے ہیں جو اپنے عہد و پیمان کے محافظ اور امانتدار ہیں۔ پنج وقتہ نمازوں کے پابند ہیں، یہی لوگ دراصل جنت الفردوس کے حقیقی و دائمی وارث ہیں۔

مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد خود انسانی کی زندگی اور اس کی تخلیق کے مختلف مراحل میں ایمان کے جو دلائل پائے جاتے ہیں وہ ذکر کیے گئے ہیں۔ قرآن نے شکم مادر میں انسانی وجود کے کرشماتی مراحل آج سے کئی سو سال پہلے اس وقت بیان کیے تھے جب کہ عرب وعجم کے حکما واطبا میں سے کوئی بھی ان مراحل کے بارے میں لب کشائی کی جرأت نہیں پاتا تھا۔ لیکن آج جب سائنس اور میڈیکل تحقیقات اپنی کامیابی کی ارتقائی منزلیں طے کر رہیں تو وہ بھی ان کراماتی مراحل کی کسی حد تک تصدیق کرتی نظر آرہی ہیں۔

آیت ۱۷ سے بتایا گیا کہ اللہ نے ساتوں آسمان بنائے، پانی برسایا، زمین کے اندر جذب کرنے کی صفت کے پیش نظر اس پانی کے جذب ہو کر غائب ہو جانے کا یقینی امکان

تھا مگر اللہ نے مخصوص فاصلہ پر اس پانی کو جمع فرما کر انسانی ضروریات کے لیے زمین کے اندر روک کر محفوظ کر لیا۔ پھر اس پانی سے باغات پھل پھول اور پودے پیدا فرمائے۔ بلندیوں پر پیدا ہونے والا زیتون کا درخت اگایا جس سے چکنائی والا تیل حاصل ہوتا ہے اور کھانے والوں کا لقمہ اس سے تر کیا جاتا ہے۔

جانوروں میں بھی سبق آموز نشانیاں موجود ہیں۔ ان کے پیٹ سے تمہیں دودھ کی شکل میں بہترین مشروب اور دوسرے فوائد بھی عطا کیے جاتے ہیں۔ تمہاری خوراک کی ضروریات ان سے پوری ہوتی ہیں ان جانوروں اور کشتیوں سے تمہاری سواری اور بار برداری کے مسائل بھی حل ہوتے ہیں۔

اس کے بعد سلسلۂ نبوت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آیت ۲۷ سے اللہ تعالی نے ابوالبشر ثانی نوح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس بھیجا گیا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تم پرہیزگاری اختیار کیوں نہیں کرتے۔ تو جواباً قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ تو تمہاری طرح کا اِنسان ہے اور تم پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا، ہم نے تو ایسی بات اپنے آباؤ اجداد میں نہیں سنی۔

ان ظالم کافروں نے نوح علیہ السلام سے اپنی قوم کو بدظن کرنے کے لیے کہا کہ اس آدمی کو جنون ہو گیا ہے، سو تم لوگ اس کے دنیا سے جانے کا اِنتظار کرو۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا: میرے رب چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے؛ اس لیے تو ان کے خلاف میری مدد فرما۔

حکم ہوا کہ آپ ہماری نگرانی اور وحی کے مطابق کشتی بنائیے، پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور سے پانی اُبل پڑے تو آپ اس کشتی پر ہر جانور کا ایک جوڑا اور اپنے اہل کو سوار کر لیجیے۔ اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ آپ مجھ سے ظالموں کے حق میں کوئی سفارش نہ کیجیے گا؛ اس لیے کہ وہ پانی میں غرق ہو جانے والے ہیں۔ پھر جب

آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں سوار ہو جائیں تو یوں عرض کریں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی ہے۔ پھر دعا مانگیں کہ میرے پروردگار! تو مجھے کسی برکت والی جگہ پر اُتار اور تو سب سے بہتر منزل عطا فرمانے والا ہے۔ چنانچہ ان کے جھٹلانے اور اعتراضات کرنے پر انھیں عبرتناک عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا گیا اور ان کے سبق آموز تذکرے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیے گئے۔

آیت ۳۳ سے بیان ہوا کہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے کفار، منکرینِ آخرت اور خوشحال لوگوں نے نبی پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ہم جیسے بشر ہیں، عام انسانوں کی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، تو اپنے جیسے کسی بشر کی اِطاعت کرنا بڑے خسارے کی بات ہو گی!۔

انہوں نے اللہ کے نبی کے مر کر جی اٹھنے کے سچے وعدے کی تردید کرتے ہوئے مزید کہا کہ کیا تم اس بات کا وعدہ کرتے ہو کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ ہماری دنیوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ یہ شخص اللہ کے خلاف محض جھوٹ بول رہا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اس پر اللہ کے رسول علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے ان کے خلاف تو میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کچھ ہی دیر میں یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہوں گے۔ پس وعدہ کے مطابق ان کو ایک چیخ نے آ پکڑا۔ پھر ہم نے ان کو کوڑے کا ڈھیر بنا دیا اور ظالموں کے شر سے دنیا پاک ہو گئی۔

اگلی آیات میں نظامِ رسالت کے تسلسل، موسیٰ و ہارون علیہم السلام کی بعثت اور قومِ موسیٰ کی سرکشی کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ ان تمام انبیا کی ایک ہی دعوت، ایک ہی پروگرام اور ایک ہی مقصد تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہی زمانے اور ایک ہی

ملک میں مبعوث ہوئے تھے؛ لیکن ان انبیا کے جانے کے بعد ان کے امتی مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ہر گروہ اپنی کھال میں مست اور خیالات پر خوش تھے۔ کیسے کہا جائے کہ آج مسلمان بھی کچھ اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ قرآن بھی ایک، نبی بھی ایک، قبلہ بھی ایک لیکن مسلمان ایک نہیں، بھانت بھانت کی بولیاں، تکفیر و تفسیق کے فتوے، باہم جدل و نزاع۔ ان اختلافات کے حل کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہر فرقہ کتاب وسنت کے سامنے گردنِ تسلیم خم کردے۔

اس کے بعد انبیا و رسل کو پاکیزہ خوراک کے استعمال اور نیک اعمال سرانجام دیتے رہنے کی تلقین کے ساتھ بتایا کہ ہماری نعمتیں استعمال کرنے کے باوجود منکرین اپنی سرکشی اور طغیانی سے باز نہیں آتے۔ مزید فرمایا کہ جب کافروں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے تو وہ چیخ پڑتے ہیں۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا آج چیخ و پکار مت کرو بے شک ہمارے مقابلے میں کسی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ ہماری آیات کی تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی تو تم بیزاری سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے، تکبر کرتے اور اپنی رات کی محفلوں میں اس قرآن کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے۔

اللہ تعالی کافروں کی غفلت اور سرکشی کو اجاگر کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے قرآن کریم پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی ہے جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی یا انہوں نے اپنے رسول کو پہلے سے نہیں پہچانا جو ان کا انکار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالی اس حقیقت کو واضح فرما رہا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سابقہ زندگی ان کے سامنے ہے؛ اس لیے ان کو صادق اور امین رسول کا انکار نہیں کرنا چاہیے اور صرف اس وجہ سے قرآن کو رد نہیں کرنا چاہیے کہ یہ ان کے آباؤ اجداد کے عقائد سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کو حق پر مبنی دعوت پر غور کرنا چاہیے اور اللہ کی اس وحی کو دل وجان سے قبول کرنا چاہیے؛ لیکن ان کا حال یہ تھا کہ یہ جناب محمد الرسول اللہ ﷺ پر جنون کی

تہمت لگاتے تھے حالانکہ وہ اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ رسولِ کائنات ﷺ جیسا صاحبِ عقل ودانش شخص نہ صرف مکہ بلکہ پوری کائنات میں کوئی اور نہیں۔ نیز حق کو اگر ان کی خواہشات کا تابع بنادیا جائے تو کائنات میں فساد برپا ہوجائے گا۔

توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد یہ بتایا گیا کہ بروزِ قیامت لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کچھ کم رہے تھے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہاں تم بہت ہی کم رہے کاش! تم جانتے ہوتے!۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے سامنے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ُاللہ تعالیٰ جب اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں داخل کرے گا تو سوال کرے گا کہ اے اہل جنت! تم زمین پر کتنے سال رہے ہو؟ وہ عرض کریں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں ایک دن ایک دن کا کچھ حصہ جو ملا تو تم نے اس میں بہت اچھی تجارت کی کہ میری رحمت، میری رضا اور میری جنت کو خرید لیا اب تم ہمیشہ ہمیش کے لیے اس میں رہو۔

پھر اہل دوزخ سے سوال کیا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنے سال رہے؟ وہ بھی وہی جواب دیں گے جو اہل جنت نے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں دنیا میں جو رہنے کا موقع ملا تو تم نے اس میں بہت بری تجارت کی کہ میری آگ، ناراضگی اور غضب کو خرید لیا اب تم دائمی طور پر اسی میں پڑے رہوٗ۔

حضرت صفوان بن سلیم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۴۰ھ) مسجد میں نماز عشا سے فارغ ہونے کے بعد نمازِ نفل کے لیے کھڑے ہوئے، جب آپ کا گزر سورت کی اس آیت پر ہوا: وَ هُمْ فِيهَا كَالِحُونَ o

اور وہ اس میں دانت نکلے بگڑے ہوئے منہ کے ساتھ پڑے ہوں گے۔

تو متواتر اس کی تکرار کرتے رہے، حتیٰ کہ مؤذن نے آکر صبح کی اَذان دینا شروع کردی۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/۱۶۴)

پھر فرمایا کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اگر ایسا ہوتا کہ ایک سے زیادہ خدا ہوتے، تو ہر ایک اپنے لشکر کو لے کر دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا؛ حالانکہ اللہ وحدہ لاشریک کے اِقتدار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا اور اسے اللہ کی بارگاہ میں آخری جوابدہی کے لیے بہرحال لوٹ کر جانا ہے۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی گویا تمام انسانوں کو سکھایا کہ مجھ سے یوں دعا مانگا کرو: اے میرے رب! مجھے معاف فرمادے اور مجھ پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے'۔

سورۂ نور: اس مدنی سورت میں اللہ تعالی نے خانگی مسائل اور معاشرتی احکام کے زرین اصول بیان فرمائے ہیں۔ اسے سورۂ نور ایک تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں 'نور' کا لفظ وارد ہوا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایسے آداب وفضائل اور احکام وقواعد بیان کیے گئے ہیں جو اجتماعی زندگی کی راہ کو منور اور روشن کردیتے ہیں۔ اس سورت میں زیادہ تر احکام ایسے مذکور ہیں جو عفت وعصمت، طہارت وپاکیزگی اور گھریلو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں؛ اس لیے فرمانِ رسالت اور سیدہ عائشہ کی ہدایت کے مطابق اسے ہر عورت کو سیکھنا چاہیے اور ایک کامیاب زندگی جینے میں ان سے بھرپور روشنی کشید کرنی چاہیے۔

ابتدائی آیات میں زنا کار مردوں اور عورتوں کو بے رحم قانون کے شکنجہ میں کسنے کا حکم دیا ہے اور سزا کو مؤثر بنانے کے لیے عوام کے مجمع کے سامنے سزا نافذ کرنے کی تلقین ہے تاکہ زانی کو زیادہ سے زیادہ تکالیف اور ذلت ورسوائی ہو اور سزا کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے بھی عبرت وموعظت کی صورت پیدا ہو۔

غیر شادی شدہ مرد و عورت ارتکاب زنا کی صورت میں سو کوڑوں کے مستحق قرار دیے گئے ہیں اور زانی اور مشرک کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی شرط عائد کی گئی ہے اور زنا کی جھوٹی تہمت لگانے پر اسی کوڑوں کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے اور مستقبل میں ایسے شخص کو مردود الشہادۃ قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۶ سے یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ میاں بیوی میں اگر اعتماد کا فقدان ہو جائے، اور مرد اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے اور اس کی بیوی اِس تہمت کا انکار کرے، تو فریقین ایک دوسرے پر لعان کریں۔ لعان یہ ہے کہ شوہر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے: بیشک میں ضرور سچوں میں سے ہوں اور پانچویں بار یہ کہے: اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ یوں ہی بیوی چار مرتبہ حلفیہ طور پر شوہر کی تردید کرتے ہوئے اسے جھوٹا قرار دے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر شوہر اپنی بات میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

گیارہویں آیت سے واقعہ افک کا بیان ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی، اس کی جانب اشارہ فرمایا اور ان چیزوں کا سدِ باب کیا، جو معاشرے کی بگاڑ کا باعث ہو سکتی ہیں۔ یہ بہت بڑا بہتان تھا جو کائناتِ انسانی کی عظیم ترین ہستی سید الانبیاء والمرسلین کی زوجہ مطہرہ کے ساتھ روا رکھا گیا جنھیں از روے قرآن کل مسلمانوں کی محترم ماں ہونے کا اعزاز و شرف حاصل ہے۔ پھر آگے جن منافقین نے یہ تہمت لگائی تھی، ان کا پردہ فاش کیا ہے۔ نیز جو مسلمان منافقین کے بچھائے ہوئے حسین جال میں پھنس گئے تھے، ان پر بھی عتاب فرمایا اور ان کو تنبیہ کی کہ وہ آئندہ ہوشیار رہیں اور منافقین کے کہنے میں نہ آئیں۔ تاریخ انسانی میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا کہ کسی شخصیت کی پاک دامنی کا اعلان بذریعہ وحی کیا گیا ہو؛ اسی لیے اسے حضرت عائشہ کی خصوصیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا

اظہار فرمایا اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو اَزواجِ مطہرات کی حرمت اور ناموس کے بارے میں باخبر کر دیا۔ ساتھ ہی اہل ایمان کو یہ بھی سمجھا دیا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی کسی کی کردار کشی کرے تو سننے والے کو فوراً اس کردار کشی کو بہتان سے تعبیر کرنا چاہیے، اور اس بات کو سمجھ جانا چاہیے کہ اگر کسی واقعہ پر چار گواہ موجود نہ ہوں تو اِلزام تراشی کرنے والا اللہ کی نظروں میں جھوٹا ہے۔

ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ ہدایت دی کہ بے حیا اور بدکار مرد و عورتیں باہمی طور پر ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ جبکہ پاکیزہ اور صالح مرد و عورتیں باہمی طور پر ایک دوسرے کے لیے ہیں؛ لہٰذا عائشہ صدیقہ جب حضور ختمی مرتبت علیہ السلام جیسے پاکیزہ اور نیک لوگوں کے سردار کی بیوی ہیں تو ان کی پاکبازی میں بھلا کس کو شک ہوسکتا ہے!۔

آیت ۲۷ میں یہ حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اِجازت داخل ہونا جائز نہیں اور اِجازت لے کر داخل ہونے پر گھر والوں کو سلام کیا جائے، اور اگر ان سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ، تو ان کے لیے واپس چلے جانے ہی میں خیر ہے۔ ہاں! اگر کسی گھر میں لوگوں کی رہائش نہ ہو اور وہاں مسلمانوں کی کوئی چیز ہو تو وہاں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں (جیسے پبلک مقامات وغیرہ)۔

آیت ۳۰ سے مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اِسی طرح مسلمان خواتین کو حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں۔ اور جسم کے جس حصے کا پردہ ممکن نہ ہو، جیسے ہاتھ اور پیر، اِن کے سوا باقی جسم کو پورے طور پر ڈھانپ کر رکھیں اور اپنے گریبانوں کو دوپٹوں سے چھپائے رکھیں۔ نیز انھیں اپنے شوہروں، اپنے والد، سسر، حقیقی بیٹوں، شوہر کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں، لونڈیوں، اور ان بچوں کے سامنے جو خواتین کی پردے کی باتوں سے ناواقف ہوں اپنی زینت ظاہر

کرنے کی اجازت ہے۔ان کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنے اور بے پردہ ہونے کی اجازت شرعاً نہیں ہے۔

یہ دس احکام بیان کرنے کے بعد عقیدہ وایمان اور نورِ حق کا بیان ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو ہدایت دیتا ہے۔ پھر آیت نور کی روشن کڑیاں ذکر کی گئی ہیں۔

آیت ۳۳ یہ بیان کرتی ہے کہ جن عورتوں کو جبراً قحبہ گری کے لیے مجبور کیا جاتا ہے جبکہ وہ خود پاکدامنی کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو ایسی صورت میں ان کو جسم فروشی کا گناہ نہیں ہوگا۔ جناب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں ایک کا نام مسیکہ جبکہ دوسری کا نام امیمہ تھا۔دونوں مسلمان ہوگئی تھیں۔عبداللہ بن ابی ان سے جسم فروشی کا دھندا کرواتا تھا۔دونوں پاک دامن عورتیں اس بات پر بڑا کڑھتی تھیں۔انہوں نے اس معاملے کا شکوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امر کا اعلان فرما دیا کہ مجبوری کی حالت میں کیے گئے گناہ پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

اس کے بعد عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ پھر آسمان وزمین کی نشانیوں میں غور کر کے اللہ کی قدرت کا اعتراف کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔کافروں کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دے کر بتایا گیا ہے کہ جس طرح سخت گرمی میں صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر پانی کا گمان ہونے لگتا ہے جبکہ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی اسی طرح کافروں کے اعمال قیامت کے دن بے حقیقت قرار پائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو زمین میں اقتدار دینے کا وعدہ کیا ہے۔ایسے مخصوص اوقات جن میں گھر کے اندر زوجین عام طور پر شب خوابی کے لباس میں ہوتے ہیں ایسے وقت میں گھر کے افراد کو بھی بغیر اجازت کے کمرے میں جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ گھر کی استعمال کی اشیا اور کھانے پینے کی چیزیں دوسرے کی

اجازت کے بغیر استعمال کرنے کے لئے ضابطہ بیان کردیا کہ معذور حاجتمند ہو یا قریبی رشتہ داری اور تعلق ہو جس کے پیشِ نظر اس بات کا یقین ہو کہ مالک برانہیں منائے گا تو اس کی چیز کو بلا اجازت استعمال کی اجازت ہے۔

آخری آیات میں بتایا گیا کہ اے لوگو! تم رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو ایسا قرار نہ دو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور جو لوگ رسولِ رحمت علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ اِس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب دو بلاوے آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو جنھیں بلایا جارہا ہے وہ بھلا کب کسی کے برابر اور ہمسر ہو سکتے ہیں!۔ اہل خرد کے لیے اس میں بڑا درسِ عبرت پنہاں ہے۔

سورۂ فرقان: اس مکی سورت کے شروع میں اللہ تعالی کی جلالت، توحید باری، اس کے لیے اولاد کی نسبت نیز شرک سے براءت کا اظہار ہے۔ پھر کفار کے باطل معبودوں کے مخلوق ہونے، اپنے لیے نفع ونقصان اور موت وحیات کا مالک نہ ہونے کا ذکر ہے۔

پھر کافروں کے قرآن کریم پر بے جا اعتراضات اور صاحب قرآن علیہ السلام سے بے جا مطالبات کا تذکرہ کرکے بتایا گیا ہے کہ ان کے مطالبے پورے کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے؛ لیکن یہ ہٹ دھرم ماننے والے نہیں ہیں؛ اس لیے ان کی مطلوبہ باتیں پوری کر دینا ان کے لیے دخولِ اسلام کا سبب نہیں بلکہ ان کے کفر میں مزید اضافے کا باعث ہوگا اور اس سے ان پر ہلاکت اور عذاب اترنے کی راہ ہموار ہوگی؛ اس لیے انہیں اپنے حال پر رہنے دیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کی مجلس میں حاضر باش رہنے والے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی ایک قاری نے ان کی مجلس میں مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی :

وَ إِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوا هُنَالِكَ ثُبُورًا o

اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں کے ساتھ جکڑے ہوئے (یا اپنے شیطانوں کے ساتھ بندھے ہوئے) ڈالے جائیں گے اس وقت وہ (اپنی) ہلاکت کو پکاریں گے۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ زار و قطار رونے لگے، اور اتنا روئے کہ آواز بلند تر ہوگئی اور گھگی بندھ گئی۔ پھر لوگوں کو اسی حال میں چھوڑ کر مجلس سے اُٹھے، اور گھر کے اندر تشریف لے گئے، پھر آہستہ آہستہ پوری مجلس برخواست ہوگئی۔

قیامت کے دن ان کے معبود اُن سے براءت کا اظہار کرنے لگیں گے اور یہ اپنے معبودوں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن انہیں نجات کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ نہ مالی رشوت سے کام چلے گا اور نہ ہی کوئی معاون و مددگار وہاں پر ہوگا۔ وہاں پر ہم ظالموں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

پارے کے اخیر میں کفارِ مکہ کے اس اعتراض کا بھی ذکر ہے کہ یہ رسول کھانا کھاتے ہیں، بازاروں میں چلتے ہیں، ان کی تائید کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نہ اُتارا گیا؟ انہیں کوئی خزانہ اور باغات کیوں نہ عطا کیے گئے، انہوں نے اللہ کے رسول کو سحر زدہ کہا، اور قیامت کے دن کو جھٹلایا۔ تو اللہ تعالی نے ان کی ان بے تکی باتوں کا رد فرمایا، قرآن کو اللہ کا کلام قرار دیا اور ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ پہلے رسول بھی بشری تقاضے کے تحت کھانا کھاتے تھے اور اپنی ضرورت کے لیے بازار بھی جایا کرتے تھے، یعنی بشری ضروریات نبوت و رسالت کے منافی نہیں ہیں۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اہل ایمان کی صفاتِ کاملہ اور اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہونے اور دارین کی سعادتیں حاصل کرنے والے اعمال کرنے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین بجاہ طہ ویس ﷺ

انیسواں پارہ

پارے کے آغاز میں ایک بار پھر کفارِ مکہ کے ناروا مطالبات کا ذکر ہے۔ وہ دراصل اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کی جواب دہی کے حوالے سے خبردار کریں۔ وہ آخرت میں جواب دہی کی حقیقت کو غلط ثابت کرنے لیے آپ کی پوری دعوت ہی میں اعتراضات کے ذریعہ شکوک وشبہات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر وہ دو مطالبات کرتے تھے کہ ہمارے پاس فرشتہ اُتر کر آئے یا ہم اللہ تعالیٰ کو کھلے عام دیکھیں۔

قرآن نے بتایا کہ اس مطالبہ کی وجہ تکبر وسرکشی ہے اور قیامت کا انکار ہے، جس دن کفار ان نشانیوں کو دیکھ لیں گے تو وہ ان کے لیے بہت برا دن ہوگا۔ قیامت کے دن کفار ندامت سے اپنے ہاتھ چبا رہے ہوں گے کہ کاش دنیا میں ہم نے رسولوں سے کچھ تعلق رکھا ہوتا، اور ان کا راستہ اختیار کیا ہوتا!۔

اس دن اللہ کا رسول، اللہ کے حضور شکایت کرے گا کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اہل علم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن چھوڑنے کی کئی صورتیں ہیں پہلی یہ کہ نہ قرآن کو سنے نہ اس پر ایمان لے آئے۔ دوسری یہ کہ پڑھتا بھی اور ایمان بھی رکھتا ہو لیکن اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ تیسری یہ کہ زندگی کے معاملات اور تنازعات میں اسے حکم نہ بنائے۔ چوتھی یہ کہ اس کے معانی میں غور وتدبر نہ کرے۔ پانچویں یہ کہ قلبی امراض میں اس سے شفا حاصل نہ کرے۔

مشرکین یہ اعتراض بھی اٹھاتے تھے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہو رہا ہے؟ ایک دم سارا کیوں نازل نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالی نے حاکمانہ انداز میں فرمایا کہ ہم

قادر مطلق ہیں، ہم اسی طرح نازل کریں گے پھر حکیمانہ توجیہ بیان کردی کہ تدریجی نزول میں حکمت یہ ہے کہ وحی کے تسلسل کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالی سے تعلق قائم رہے، ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کریں اور اس کے حقائق وعلوم سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو سکون و تقویت نصیب ہو۔

اس کے بعد پھر موسی وہارون کا تذکرہ کرکے بتایا کہ ہم نے منکرین توحید ورسالت فرعونیوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا، پھر نوح علیہ السلام اور ان کی جھٹلانے والی قوم کے سیلاب میں غرق ہونے کا تذکرہ، پھر قوم عاد وثمود اور ان کے علاوہ بہت سی اقوام کی ہلاکت کا تذکرہ ہے۔ جس کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

آیت ۴۱ میں بتایا گیا کہ مشرکین مکہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو آپ کی شان میں گستاخی کرنے کی جسارت کرتے، آپ کی رسالت کا مذاق اُڑاتے اور بڑے فخر سے کہتے کہ انھوں نے تو ہمیں شرک سے ہٹانے کی بڑی کوشش کی لیکن ہم نے شرک پر جمے رہ کر ان کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔ ان آیات میں گستاخانِ رسول کو خبر دار کیا گیا ہے کہ جب وہ شرک اور اپنی گستاخیوں کی بدترین سزا پائیں گے تو جان لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون پرلے درجے کی گمراہی پر!۔

آگے مزید فرمایا گیا کہ اس قسم کی نازیبا حرکتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو خواہشات کو اپنا معبود بنالیں اور عقل وشعور سے کام لینا چھوڑ دیں، یہ لوگ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ یہ لوگ کائناتی شواہد اور واقعاتی دلائل میں غور کر کے دیکھیں کہ سورج کی نقل وحرکت سائے کو کس طرح بڑا چھوٹا کرتی ہے۔ رات انسانوں کو ڈھانپ لیتی ہے اور نیند تھکن کو ختم کر کے سکون کا باعث بنتی ہے اور دن چلنے پھرنے اور روزی کمانے کا ذریعہ ہے۔ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں پانی برسنے کا پیغام لے کر آتی ہیں اور آسمان سے صاف ستھرا پانی برستا ہے جو مردہ زمین کی زندگی کا باعث بنتا ہے اور بے شمار انسانوں اور جانوروں کو

سیراب کر دیتا ہے۔ ہم اسی طرح مختلف انداز اور اسالیب سے بات کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکیں۔ لیکن پھر بھی اکثر لوگ انکار پر اتر آتے ہیں۔

اس کے بعد آیت ۵۴ میں مزید نعمتوں کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق پانی سے ہے۔ اللہ نے پانی کے دو طرح کے سوتے بہا دیے ہیں؛ لیکن ان کے درمیان ایک ایسا پردہ ہے جس سے ان کی آپس میں آمیزش نہیں ہو سکتی۔ پھر اللہ نے پانی ہی سے انسان کو تخلیق فرمایا اور اس کی سہولت و مدد کے لیے دو طرح کے رشتہ دار بنائے: ایک پیدائش کے سبب سے اور دوسرے نکاح کی وجہ سے۔ بلاشبہ اللہ کے احسانات بے شمار ہیں، البتہ انسانوں کی اکثریت کی احسان فراموشی ہے کہ وہ اللہ کے سوا ایسی ہستیوں کو معبود بناتی ہے جو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نقصان۔ بس وہ دن آیا ہی چاہتا ہے جب یہ اپنے کرتوتوں کا انجام کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔

پھر اللہ کے محبوب بندوں کی چار صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ جھوٹ بولنا تو درکنار کسی ایسی محفل میں موجودگی تک گوارا نہیں کرتے جہاں جھوٹ بولا جا رہا ہو یا جھوٹ پر مبنی کوئی معاملہ طے پا رہا ہو۔ دوسری صفت یہ کہ وہ کسی لایعنی بات میں ملوث ہونا تو درکنار ایسی جگہ کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کرتے جہاں وقت کی بربادی کی کوئی سرگرمی انجام دی جا رہی ہو۔ تیسری صفت یہ کہ انھیں جب اللہ کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو اسے پوری توجہ اور عمل کی نیت سے سنتے ہیں۔ چوتھی صفت یہ کہ وہ اپنی بیویوں اور اولاد کے لیے پارسائی کی دعائیں کرتے ہیں اور اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ روزِ قیامت انھیں ایک ایسے گھرانے کے سربراہ کے طور پر حاضر کیا جائے جو متقین پر مشتمل ہو۔

اس کے بعد 'عباد الرحمٰن' (رحمٰن کے مخصوص بندوں) کی تیرہ صفات ذکر کی گئی ہیں کہ وہ تواضع اور انکساری کے خوگر اور جاہلوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ ان کی راتیں تہجد میں گزرتی ہیں اس کے باوجود جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ فضول خرچی اور بخل سے دور رہتے

ہیں۔

پھر اختتام سورت پر مشرکین کو خبردار کیا گیا کہ تم دعوتِ حق پر بے بنیاد اعتراضات کر رہے ہو جس کا برا نتیجہ نکل کر رہے گا۔ تم پر فوری عذاب بھی نازل کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ کی سنت ہے کہ پہلے دعوت کے ذریعہ اتمام حجت کر دیا جائے، اگر تم نے اتمامِ حجت کے باوجود اپنی مجرمانہ روش سے توبہ نہ کی تو پھر سنگین نتائج بھگتنے اور دردناک عذاب کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سورۂ شعراء: اس سورت کے اندر شعرا اور ان کی ذہنیت کو آشکار کیا گیا ہے؛ اس لیے پوری سورت کو 'شعرا' کے نام سے معنون کر دیا گیا ہے۔ اس مکی سورت کا مرکزی مضمون اثبات رسالت ہے۔ انبیا علیہم السلام کے واقعات اور ان کے منکرین کے انجام سے اس مضمون کو تقویت دی گئی ہے۔ قرآن کے بارے میں ایک احساسِ ذمہ داری تو رسولِ اکرم علیہ السلام کا تھا جو کہ اس کے علوم و معارف اور احکام بندوں تک پہنچانے میں اپنی جان کو ہلکان کیے ہوئے تھے اور آپ کے دل میں انسانیت کی ہدایت کا ایسا درد تھا جو لگتا تھا کہ آپ کی جان ہی لے لے گا۔ دوسرا منفی رویہ مخالفین کا تھا جن کے سامنے نصیحت اور ہدایت کی جو بھی بات آتی تھی اس سے وہ اعراض کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

اس سورت میں ایک بار پھر موسی علیہ السلام کو فرعون کے پاس جا کر دعوتِ حق دینے کا حکم دیا۔ بشری تقاضے کے تحت موسیٰ علیہ السلام کے خدشات کو گفتگو کا محور بنایا۔ فرعون کی طرف سے موسی علیہ السلام کی تربیت کا احسان جتانے کا تذکرہ کیا۔ فرعون نے دعوتِ توحید کے جواب میں کہا کہ رب العالمین کون ہے؟، انہوں نے فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں، مشرق و مغرب اور تمہارا اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا رب ہے۔

اس مقام پر بھی ایک بار پھر جادوگروں کے مقابلے میں موسی علیہ السلام کے معجزات

خاص طور پر عصا کے اژدھا بن جانے اور پھر غلبہ پانے کا ذکر ہے، پھر جادوگروں کے ایمان لانے اور فرعون کی طرف سے قید میں ڈالنے، ہاتھ پاؤں کو مخالف سمت سے کاٹنے اور سولی چڑھانے کی دھمکیوں کا بیان ہے۔ اس کے بعد یہ واقعہ دہرایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکلے، سامنے سمندر تھا اور پیچھے فرعون اور اس کے پیروکاروں کا تعاقب۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی ایک ضرب سے سینۂ سمندر پھٹ گیا، بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بن گیا، وہ تو سلامتی کے ساتھ سمندر پار چلے گئے؛ مگر فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت اسی سمندر کی موجوں میں غرق ہو گیا۔

پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے ساتھ ان کی باطل شکن اور ایمان افروز گفتگو میں واضح کیا اور بتایا کہ انسانی طبیعت کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے محسن کو فراموش نہ کرے۔ اللہ نے انسان کو عدم سے وجود بخشا اس کی موت وحیات، بیماری وصحت اور کھانا پینا سب اس کی عنایات کا مظہر ہے۔ قیامت کے دن مال واولاد کسی کام نہیں آسکیں گے۔ وہاں تو قلب سلیم کے حامل متقی انسان ہی نجات پا سکیں گے۔ ابلیس اور اس کا پورا لشکر قیامت کے دن اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں پر نوحہ کناں ہوگا، انہیں وہاں پر کوئی سفارشی اور حمایتی میسر نہیں آئے گا۔

آیت ۱۰۵ سے نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کا ذکر ہے، وہ رسولِ امین تھے۔ کوئی ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دیتے رہے؛ مگر اس کے جواب میں سرکش لوگوں نے کہا: ہم آپ پر کیسے ایمان لائیں، آپ کے پیروکار تو پسماندہ لوگ ہیں؟ چنانچہ وہ اپنے اور اپنی قوم کے درمیان آخری فیصلے کی دعا مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے پیروکار مومنوں کو کشتی کے ذریعے نجات عطا فرماتا ہے اور سرکش قوم کو طوفان کی نذر کر کے ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔

پھر قوم عاد کا قصہ ہے جن کی طرف حضرت ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ یہ لوگ جسمانی

قوت، عمر کی طوالت اور خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی ایک نمایاں قوم تھے۔ انھوں نے بغیر ضرورت کے بڑے بڑے محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ لیکن جب اپنے نبی کی دعوت کو یک قلم ٹھکرا دیا تو ان پر اللہ کا عذاب آکر رہا۔ ان کی صنعت و حرفت اور طاقت وقوت نیز مادی وسائل کچھ بھی عذابِ خداوندی سے نجات کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

آیت ۱۴۱ سے قوم ثمود اور ان کے فرستادہ نبی صالح علیہ السلام کے درمیان معرکہ حق و باطل کا بیان ہے۔ باغات اور کھیتوں کی سرسبزی و شادابی، سنگ تراشی کی ٹیکنیک میں ان کی مہارت اور ان کی بستی میں امن و امان کی مثالی حالت بھی نبی کے مقابلہ میں انہیں عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی اور مفسدین کی اکثریت کو تباہی سے دوچار کر کے مومنین کی اقلیت کو اللہ نے بچا لیا۔

آیت ۱۶۰ نے لوط علیہ السلام اور ان کی فحاشی و عیاشی میں ڈوبی ہوئی قوم کے درمیان شرافت و شیطنت کے معرکہ میں لوط علیہ السلام کی کامیابی اور ان کے مخالفین کی عبرتناک ہلاکت نے شریف اقلیت کو شریر اکثریت پر غلبہ کی نوید سنا دی ہے۔

پھر شعیب علیہ السلام کا مقابلہ ایک مستحکم معیشت و تجارت کی حامل قوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس میں ایک طرف ناپ تول میں کمی، جھوٹ اور فساد کی گرم بازاری اور دوسری طرف امانت و دیانت اور صدق و صلاح کے ساتھ وسائل سے محروم اقلیت کی کامیابی و کامرانی اہل حق کے لیے نصرت خداوندی اور اہل باطل کے لیے آسمانی پکڑ کا واضح اعلان ہے۔

آیت ۱۹۲ سے بتایا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، جسے واضح عربی زبان میں جبرائیل امین نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ پاک پر نازل کیا۔ ان آیات میں یہ بھی بتایا کہ جن قوموں کا نام و نشان مٹا دیا گیا، اللہ تعالی نے اتمام حجت کے لیے ان کے پاس رسول بھیجے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے غور و فکر کا مقام ہے کہ جن بد اعمالیوں کے سبب پچھلی امتوں کا نام و نشان مٹا دیا گیا، آج وہ سب اخلاقی خرابیاں اس

اُمت میں جمع ہو چکی ہیں، بس صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس امت پر اس طرح کا عذاب نہیں آئے گا کہ نام ونشان بھی مٹ جائے؛ ورنہ اخلاقی زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔

قادرالکلام دانشوروں اور شعرانے اسلامی نظام کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے میں نہایت شرمناک مکروہ کردار ادا کیا تھا۔قرآن کریم ان کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شعرا کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں کیونکہ شاعر ہر وادی میں سرگرداں اور ہر کھیت میں منہ مارنے کے عادی ہوتے ہیں، نیز وہ دعوے تو بڑے بڑے کرتے ہیں لیکن عمل کے اعتبار سے انتہائی پست کردار رکھتے ہیں۔البتہ ان میں ایمان واعمال صالحہ اور اللہ کے ذکر سے سرشار لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے شاعرانہ کلام سے مظلومین کے ساتھ معاون اور ان کا حق دلانے میں مددگار ہوتے ہیں اور آخر میں ظالموں کو ان کے عبرتناک انجام پر متنبہ فرما کر سورت کو ختم کر دیا گیا۔

سورۂ نمل: نمل عربی میں چیونٹی کو کہا جاتا ہے، چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ بیان ہوا ہے اس لیے اس کا نام 'نمل' رکھ دیا گیا۔سورۂ نمل میں اللہ تعالی نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے لیے اکثر ان باتوں کو بیان کرتا ہے جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ان واقعات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے جن میں بنی اسرائیل کا آپس میں شدید اختلاف تھا۔قرآن مجید کا تفصیل سے ان تاریخی واقعات کو بیان کرنا اس اَمر کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ تعالی کی کتاب ہے اور اس کی صداقت میں کسی شک اور شبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس مکی سورت کی ابتدائی آیات میں آگاہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو ایسے مومنوں کے لیے ہدایت ہے جو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور بالخصوص آخرت کے واقع ہونے پر پختہ یقین رکھیں۔اس کے برعکس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

ان کے لیے دنیا کی عارضی سہولیات مرغوب کردی جاتی ہیں۔ روزِ قیامت ان کے لیے بدترین عذاب ہوگا اور وہ سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔ ان حقائق سے وہ ہستی آگاہ فرمارہی ہے جو بڑی حکیم اور کامل علم رکھنے والی ہے۔

اس کے بعد ایک بار پھر حضرت موسیٰ، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اجمالی طور پر اور حضر داؤد اور ان کے بیٹے سلیمان علیہما السلام کا قصہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

دونوں باپ بیٹوں کو بے پناہ وسائل، جنات پر حکمرانی اور پرندوں کی گفتگو سمجھنے کا سلیقہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ سلیمان علیہ السلام ایک مرتبہ جن وانس اور پرندوں پر مشتمل اپنے لشکر کے ساتھ جارہے تھے کہ وادی النمل چیونٹیوں کے علاقہ سے ان کا گزر ہوا۔ تو انھوں نے سنا کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ جلدی سے اپنے بلوں میں گھس جاؤ! کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس منظر سے بہت محظوظ ہوئے اور اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے اس کی رحمت کے طلبگار ہوئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مستقل حاضر باش پرندوں میں ایک ہدہد بھی تھا۔ اس نے ایک دن آپ کو ملکہ سبا بلقیس اور اس کی قوم کے بارے میں مطلع کیا کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں۔ آپ نے اسے ایک خط لکھ کر توحید الٰہی کی طرف دعوت دی۔ ملکہ نے سلیمان علیہ السلام کو محض ایک دنیادار بادشاہ سمجھتے ہوئے آپ کے پاس کچھ تحفے تحائف بھیجے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو مال دے رکھا ہے، وہ تمہارے مالوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہے اور ہدہد سے کہا کہ یہ خط پہنچاؤ ہم ان پر حملہ کریں گے۔ ملکہ سبا نے سلیمان علیہ السلام کے سامنے سپر انداز ہونے کا فیصلہ کیا اور چل پڑی۔

اس دوران سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے یہ تخت میرے پاس کون لائے گا۔ ایک بہت بڑے جن نے کہا: میں اِس تخت کو آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے لے آؤں گا، میں امین ہوں اور اس پر قادر ہوں۔ سلیمان علیہ السلام کے کتابِ الٰہی کے عالم صحابی وولی (آصف بن برخیا) نے کہا: میں آپ کے پاس پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو لے آؤں گا۔ انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو تخت سامنے رکھا ہوا تھا، اِسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے کامل بندے کا کہنا دراصل اللہ تعالی کی طرف سے کن کی منزل میں ہوتا ہے۔

مفسرین نے اس مقام پر لکھا ہے کہ اللہ کے ولی کی یہ طاقت ہے، تو نبی کی طاقت کا عالم کیا ہوگا اور پھر امام الانبیا کی شان کا عالم کیا ہوگا!۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اس تخت میں کچھ تبدیلی کی گئی کہ آیا ملکہ اسے پہچان پائے گی یا نہیں، ملکہ نے اسے پہچان لیا۔ پھر پانی کے تالاب پر چکنا بلوری فرش بنایا، ملکہ سبا نے اس پر قدم رکھا اور پانی گمان کرتے ہوئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چکنا بلوری (Crystal & Glace) ہے۔ اِس موقع پر ملکہ سبا نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی؛ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔

پھر قوم ثمود اور ان کے نبی صالح علیہ السلام کے روپ میں اسلام اور کفر کا معرکہ وسائل وانتظامات کے مقابلہ میں ایمان واعمال صالحہ کی جیت کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر قوم لوط اور ان کی بدکرداری کے مقابلہ میں اللہ کے نبی لوط علیہ السلام کی فتح اور نافرمانوں کی تباہی کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اور پارہ کے آخر میں اللہ کی حمد وثنا اور منتخب بندگانِ خدا پر سلامتی کی نوید سنائی گئی ہے اور معبود حقیقی اور معبودان باطل میں تقابلی مطالعہ کے ذریعہ حق تک رسائی حاصل کرنے کی راہ سجھائی گئی ہے۔

بیسواں پارہ

بیسویں پارے کا آغاز قدرت کی بوقلمونیت اور وحدانیت کے پانچ معرکۃ الآرا دلائل پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ اِستفہامی انداز میں اپنی جلالت قدرت کو بیان کرتے ہوئے پانچوں مثالیں پیش کرتا ہے۔پہلی یہ کہ کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے بارش برسا کر خوبصورت اور تروتازہ باغات لہلہائے ہیں وہ بہتر ہے یا جنھیں یہ شریک ٹھہرتے ہیں وہ بہتر ہیں؟۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوسکتا ہے؟، لیکن پھر بھی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کے پیچھے بھٹکنے لگ جاتے ہیں۔

دوسری یہ کہ کس نے زمین کو ہچکولے کھانے سے روک کر جانداروں کے لیے قرارگاہ بنایا۔اس کے سینے میں نہریں جاری کیں،اس کی پشت پر لنگر کی صورت بھاری پہاڑ رکھ دیے، اور میٹھے اور کھارے پانی کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لیے ان کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کیا اس محسن اور قادرِ مطلق ذات کو بتوں کی مثل ٹھہرانا کسی صورت بھی قرین قیاس ہے؟۔تیسری یہ کہ مجبوری، مظلومیت، اور حالت بیماری میں جب کوئی پریشان حال پکارتا ہے تو اس کی تکلیفیں کون سنتا ہے اور اس کے دکھوں کا مداوا ن کون کرتا ہے؟ اللہ ربّ العالمین یا یہ بے جان اصنام؟۔چوتھی یہ کہ خشکی اور تری کے اندھیروں میں راستہ دکھانے والا اور بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلانے والا کون ہے؟۔رب کریم یا یہ ہاتھوں سے گھڑی ہوئی مورتیاں!۔

پانچویں یہ کہ تمہاری پہلی تخلیق کے بعد دوبارہ پیدا کرنے، آسمان وزمین سے تمہیں روزی بہم پہنچانے اور آسمان وزمین کے چھپے ہوئے بھید جاننے والا کون ہے؟ یہ سارے سوالات اٹھانے کے بعد اللہ عزوجل انسان کی عقل سلیم سے سوال کرتا ہے کہ کیا اللہ معبودِ

برحق کے سوا یہ سب کام کرنے والا کوئی اور ہے!۔اور اس سوال کو قرآن بار بار دہراتا ہے تاکہ عقل کے اندھے انسانوں کا ضمیر جاگ اٹھے اور وہ حق تبارک وتعالیٰ کی جلالت قدرت کو تسلیم کرلیں۔ان مشرکین کے پاس ان کے شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں جس سے اپنی سچائی ثابت کرسکیں۔ یہ بے سوچ سمجھے بہکے چلے جارہے ہیں۔ دراصل آخرت کے بارے میں ان کا علم ان سے کھو گیا ہے بلکہ یہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہوکر بینائی کے تقاضوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

قرآن کا عمومی اسلوب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ووحدانیت پر کائناتی مناظر اور نفس انسانی کے حقائق سے استدلال واستشہاد کرتا ہے، یوں وہ پوری کائنات کو بحث ومناظرہ کا میدان بنادیتا ہے، یہاں تک کہ مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جو یہ سارے حیرت انگیز اور کرشماتی کام انجام دے سکے؛ لہٰذا بجاطور پر وہ معبود ومسجودِ حقیقی ہونے کا سزاوار ہے۔ اسی مقام پر قرآن انسانی ضمیر کو جھنجوڑ کر یہ بھی کہتا ہے کہ اے انسان! ذرا زمین پر چل پھر کر تو دیکھ کہ باغی قومیں کس انجام سے دوچار ہوئیں!۔لہٰذا ہوش کے ناخن لے اور اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔

اگلی آیات میں پھر مشرکین کے گھسے پٹے اعتراض کی بازگشت سنائی گئی ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں اور پیوند زمین ہوجانے کے بعد ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ ایسے مجرموں کا انجام سب کے سامنے ہے۔آیت ۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ ہی بہروں کو (اپنی) پکار سناتے ہیں، جب وہ پیٹھ پھیر کر جارہے ہوں۔ آپ تو صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

مردوں کا قبروں میں سننا حدیث پاک سے ثابت ہے،ان آیات کا ایک معنی یہ ہے کہ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ دانا اور بینا ہوتے ہوئے بھی قبولِ حق کی اِستعداد سے محروم ہوجاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی لوگوں کو دعوتِ حق دیتے رہتے

تھے۔اس کے بعد یہ بتایا کہ قربِ قیامت میں ہم زمین سے ایک چوپایہ (دابۃ الارض) نکالیں گے جوان سے بات کرے گا؛ کیوں کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ متعدد مفسرین اور محدثین نے اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن قریب ہوگا اور زمین میں بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والا کوئی نہیں رہے گا تو اللہ تعالی زمین سے ایک جانور نکالے گا جو لوگوں سے کہے گا کہ تم قیامت سے خبردار کرنے والی آیات پر ایمان نہیں لاتے تھے، لو دیکھو میں قرب قیامت کی نشانی ہوں مجھے اس اللہ نے بولنے کی طاقت عطا فرمائی ہے جو قیامت کو لانے پر یقیناً قادر ہے۔

پھر صور پھونکے جانے، پہاڑوں کا بادلوں کی طرح اڑتے پھرنے، لوگوں کا ٹولیوں کی شکل میں احتساب کے لیے پیش ہونے اور نیکی سرانجام دینے والوں کا گھبراہٹ سے محفوظ رہنے اور بدی کے مرتکبین کا قیامت کے دن اوندھے منہ جہنم میں ڈالے جانے کا بیان ہے۔ انسان بنیادی طور پر بڑا کوتاہ بین ہے اور وہ صرف اس بات پر یقین رکھتا ہے جو اس کو نظر آتی ہے اور مستقبل کے ان حقائق کو نظر انداز کر دیتا ہے جن کو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتا۔ بعض لوگوں کو موت کا یقین بھی اسی لیے نہیں ہوتا حالانکہ موت تو ہر ذی روح کو آنی ہی ہوتی ہے۔اس سورت میں اللہ تعالی نے قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا تو ہر شخص صدمے اور غم کا شکار ہو جائے گا سوائے اس شخص کے جسے خود اللہ تعالی اس غم سے محفوظ فرمائے۔اور کہا کہ جن پہاڑوں کو تم زمین پر جما ہوا دیکھتے ہو یہ اس دن اس طرح چلنا شروع ہو جائیں گے جس طرح بدلیاں چلتی ہیں۔

اخیر میں فرمایا کہ ہدایت یافتہ انسان اپنا فائدہ کرتے ہیں جبکہ گمراہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔اللہ اپنی قدرت کے دلائل کا مشاہدہ کراتا رہے گا جنہیں تم اچھی طرح پہچان لوگے، تمہارے اعمال سے تمہارا رب غافل نہیں۔جس طرح اس سورت کی ابتدا عظمت قرآن کے بیان سے ہوئی تھی یوں ہی اس کے اختتام پر بتایا جا رہا ہے کہ انسان کی سعادت

وفیروزمندی اسی میں ہے کہ اس کتابِ مقدس کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لے۔

سورۂ قصص: قصہ موسیٰ وفرعون قرآن کا بڑا دلچسپ موضوع ہے؛ اسی لیے بہت سی سورتوں میں اس کی تفصیلات آئی ہیں؛ لیکن یہ پوری سورت ہی مختلف پہلوؤں سے موسیٰ وفرعون کے درمیان معرکہ حق وباطل کی تصویر کو اجاگر کررہی ہے؛ اس لیے اس کا نام 'قصص' رکھ دیا گیا۔ اس کا مرکزی مضمون اِثبات رسالت ہے۔ یہ سورت بتاتی ہے کہ فرعون مصر میں بڑا بن بیٹھا تھا، تکبر اور جور وجفا میں حد سے آگے بڑھ گیا تھا، اس نے آج کے سامراج اور استعمار کی طرح مصروالوں کو مختلف گروہوں اور طبقات میں تقسیم کررکھا تھا تاکہ اس کے اقتدار کو عوام کی منظّم اجتماعی طاقت سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

بنی اسرائیل جو مصر کی بہت بڑی اقلیت بن چکے تھے، اس کے ظلم وستم کا خصوصی ہدف تھے، پھر اللہ نے کمزوروں کو اُٹھانے اور زیردستوں کو بالادست کرنے کا اِرادہ کرلیا، انہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوتی ہے۔ فرعون نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے یہ پروٹوکول بھی جاری کردیا تھا کہ چونکہ ایک بچہ میری حکومت کو چیلنج کرنے والا ہے، اس لیے میں وہ بچہ پیدا ہی نہ ہونے دوں گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ ایک برس بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروادیتا تھا اور ایک سال ان کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اللہ کی شان کہ حضرتِ موسیٰ اس سال پیدا ہوئے جس سال فرعون نے بچوں کے قتل کا حکم دے رکھا تھا۔

اللہ تعالی نے موسی کی والدہ کو باخبر کیا کہ ان کو دودھ پلاتی رہیں جب آپ کو خدشہ ہو کہ فرعون کے ہرکارے آپہنچے ہیں تو ان کو جھولے میں لٹا کر سمندر کی لہروں کی نذر کردیں۔ موسی علیہ السلام کی والدہ نے ایسے ہی کیا کہ جب خطرہ محسوس ہوا تو ان کو جھولے میں بٹھا کر سمندر میں چھوڑ دیا۔ سمندر کی لہروں نے جھولے کو فرعون کے محل تک پہنچادیا۔

فرعون کی اہلیہ آسیہ نے جھولے میں ایک خوبصورت بچے کو آتے دیکھا تو فرعون سے کہا کہ اسے قتل نہ کریں شاید یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے، کیوں نہ ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ فرعون نے آسیہ کی فرمائش پر موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ان کو پالنے پر رضامند ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاریخِ انسانیت کی چار بڑی خواتین میں آسیہ زوجہ فرعون کا بھی ذکر کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اِن کے ذریعے جلیل القدر پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی کفالت وحفاظت کا اِہتمام فرمایا۔

ادھر موسیٰ کی بہن بھی تعاقب کرتے کرتے فرعون کے محل تک پہنچ گئی تھیں۔ فرعون نے اعلان کر دیا کہ مجھے اس بچے کے لیے ایک دائی کی ضرورت ہے۔ بہت سی دائیوں نے موسیٰ کو دودھ پلانے کی کوشش کی؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا دودھ موسیٰ پر حرام فرما دیا تھا؛ یہاں تک کہ موسیٰ کی بہن آگے بڑھیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں آپ کو ایک ایسے خانوادے سے آگاہ نہ کروں جو آپ کے لیے اس بچے کی کفالت کر دے۔ فرعون نے کہا اس خاندان کو بھی آزما لینا چاہیے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ فرعون کے محل میں پہنچیں موسیٰ کو اپنی گود میں لیا تو موسیٰ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب منظر ہے کہ دشمن موسیٰ کی والدہ کو دودھ پلانے کی اُجرت دے رہا ہے۔

حضرتِ موسیٰ، فرعون کے محل میں پرورش پاتے ہیں۔ جب جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وحکمت سے بہرہ ور فرما دیا۔ ایک دن موسیٰ شہر میں داخل ہوتے ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ فرعون کے قبیلے کا ایک آدمی بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے ساتھ لڑ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے آدمی نے جب موسیٰ کو دیکھا تو اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی دہائی دی۔ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے آدمی کی حمایت میں فرعونی کو زوردار تھپڑ دے مارا۔ تھپڑ مارنے کی دیر تھی کہ وہ آدمی ضربِ کلیم کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں پر ڈھیر ہوگیا؛ حالانکہ موسیٰ

علیہ السلام کا اسے قتل کرنے کا اِرادہ نہ تھا۔

جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو آپ نے پروردگار عالم سے توبہ واِستغفار کی، جسے اللہ تعالی نے قبول فرمالیا۔ اسی اِثنا میں موسیٰ کو اس بات کی اطلاع ملی کہ فرعون کے ہرکارے ان کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

آپ نے اللہ تعالی سے رہنمائی طلب کی تو انھیں مدین کے گھاٹ پر پہنچا دیا۔ موسی مدین کے گھاٹ پر پہنچے تو دیکھا کہ بستی کے لوگ مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے قطاروں میں کھڑے ہیں اور وہاں پر دولڑکیاں بھی اپنے جانور لیے کھڑی تھیں؛ لیکن بھیڑ کی وجہ سے پانی لینے سے قاصر تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: دراصل ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، توجب تک یہ سب چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے نہ جائیں، ہم اس وقت تک اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلاسکتیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کے لیے پانی نکالا، اور پھر ایک طرف ہٹ کر سائے میں بیٹھ گئے۔

بھوک اور پیاس کو محسوس کیا تو پروردگار عالم سے دعا مانگی: اے میرے پروردگار! تو میری جھولی میں خیر کو ڈال دے۔ دعا مانگنے کی دیر تھی کہ یکا یک دولڑکیوں میں سے ایک لڑکی انتہائی شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے بابا آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ جو آپ ہمارے کام آئے ہیں اس کا آپ کو صلہ دیا جا سکے۔

موسیٰ مدین کے بزرگ شخص کے پاس پہنچے۔ مفسرین کے مطابق وہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ آپ نے ان کو اپنے حالات سے آگاہ کیا تو حضرت شعیب نے کہا کہ آپ میرے پاس رہیں اور آپ نے موسی کی شادی بھی اپنی بیٹی سے کر دی۔ موسی علیہ السلام دس برس تک جناب شعیب کے پاس مقیم رہے اور ان کی بکریاں بھی چراتے رہے۔ دس برس کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں سردی کا اِحساس ہوا طور پہاڑ کے پاس سے گزرے تو دور سے آگ کی روشنی دیکھی۔ اپنی اہلیہ سے فرمانے

لگے کہ تم ذرا ٹھہرو میں آگ لے کر آتا ہوں اس سے ذرا حرارت پیدا ہو جائے گی۔

پہاڑ پر پہنچے تو خالق کائنات نے آواز دی: اے موسیٰ! میں اللہ عزیز و حکیم ہوں۔ اس موقع پر آپ کو اللہ تعالی نے شرفِ نبوت سے نواز دیا اور آپ کے عصا کو معجزاتی عصا نیز آپ کے ہاتھ کو نورانی بنا دیا۔ اور ہارون علیہ السلام کو رسالت کے مشن میں ان کی درخواست پر ان کا معاون و مددگار بنایا گیا کہ وہ خطابت اور بلاغت کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ اب جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آئے تو فرعون نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے اِنکار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہر طرح اس کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی میں ڈبو کر ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیا۔

آیت ۳۸ سے یہ بیان کیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو دعوتِ حق دی تو اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں بلندی سے جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں اور میرا یقین ہے کہ- معاذ اللہ- یہ جھوٹے ہیں۔ اس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے وہ پیچھے گزر چکے ہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین کی بہ نسبت حضرت موسی علیہ السلام کے مخالفین زیادہ قوی، سازشی اور مقتدر تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غالب فرما دیا تو اس میں نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ حالات خواہ کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں بالآخر غلبہ آپ کے لیے ہی ہے؛ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے؛ لیکن ہر مقام پر دوسرے مقام سے الگ انداز اور زاویے سے عبرت و سبق آموزی کو واضح کیا گیا ہے۔

اُمم ماضیہ کے واقعات کا ایک نبی اُمی علیہ السلام کی زبان سے تذکرہ یہ اس کے نبیِ برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔ پھر اہل حق اور اہل باطل کی ذہنیت اور ان کی عملی استعداد کو بیان کر کے واضح کیا کہ قوموں کی ہلاکت و بربادی ان کے آسمانی نظام سے بغاوت و سرکشی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے، اور ہدایت کا اختیار صرف اللہ کے دست قدرت میں ہوتا ہے۔

آیت ۵۷ میں بتایا گیا کہ کفارِ مکہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اُچک لیے جائیں گے یعنی وہ فوائد سے محروم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: کیا ہم نے ان کو اپنے حرم میں آباد نہیں کیا، جو امن والا ہے، اس کی طرف ہمارے دیے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں؛ لیکن ان میں سے (اکثر لوگ) نہیں جانتے یعنی اسلام کی برکت سے دنیاوی نعمتیں چھن نہیں جائیں گی بلکہ ان میں اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا، جن کے رہنے والے اپنی خوشحالی پر اِتراتے تھے یعنی ماضی کی خوشحال سرکش قوموں کے کھنڈرات نشانِ عبرت ہیں۔ اِن آیات میں یہ بھی بتایا گیا کہ بستیوں والوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا جاتا جب تک کہ رسول بھیج کر ان پر اتمامِ حجت نہیں کر دیا جاتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی قوم کے ایک بڑے نافرمان کا بھی ذکر کیا ہے جسے دنیا سرکش قارون کے نام سے جانتی ہے۔ خاندانی اعتبار سے یہ موسیٰ علیہ السلام کا قرابت دار تھا۔ حضرتِ موسیٰ اس کو توحید کی دعوت دیتے رہے؛ مگر اس نے اللہ تعالی کی ذات پر ایمان لانا گوارا نہ کیا۔ اس کو اللہ تعالی نے بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا تھا۔ اپنے وقت کا ہی نہیں شاید آج کے بین الاقوامی سرمایہ داروں میں سے بھی سب سے بڑا سرمایہ دار! اس کے خزانے نہیں، خزانوں کی چابیاں اُٹھانے کے لیے طاقت ور مردوں کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ دولت کی بہتات نے اسے خودسر اور مغرور بنا دیا تھا۔ وہ یہ سب کچھ عطاے الٰہی سمجھنے کی بجائے اپنا کارنامہ خیال کرتا تھا۔

ایک دن وہ اپنے خزانے کی چابیوں کے ساتھ بڑے جاہ وجلال سے نکلا۔ دنیا کے طلب گاروں نے جب یہ منظر دیکھا تو تمنا کی کہ کاش ہمیں بھی وہ مل جائے جو قارون کے پاس ہے۔ وہ لوگ جو صاحب علم تھے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی کی رضا اور اس سے ملنے والا اَجر اس خزانے سے کہیں بڑھ کر ہے؛ مگر دنیاداروں کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آناًفاناً قارون کو اس کے تکبر کی وجہ سے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ اب وہ لوگ جو کل تک قارون کے سرمائے کو پانے کی تمنا کر رہے تھے کہنے کہ ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ فرما دیتا ہے (یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دولت وطاقتِ دنیا ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کی دلیل ہے)۔ پھر کہا کہ اس جیسی دولت کا نہ ہونا ہی ہمارے حق میں اچھا ثابت ہوا، اگر آج اللہ تعالیٰ ہم پر اِحسان وکرم نہ فرماتا تو شاید ہم بھی دھنسا دیے گئے ہوتے!۔ واقعے کے اختتام پر ایک بڑی پیاری نصیحت ہے جسے ہر مسلمان کو پلے باندھ لینی چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے: 'آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں بڑا بننے اور فساد کا اِرادہ نہیں رکھتے اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے'۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا وعدہ بھی کیا کہ وہ ان کو مکہ میں ضرور واپس پلٹائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

سورۂ عنکبوت: عنکبوت مکڑی کو کہتے ہیں، اور اس سورت میں ضمناً عنکبوت کا لفظ آیا ہے تو بس اسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے اس کا نام 'عنکبوت' رکھ دیا گیا۔ اس سورت کے آغاز میں ایک کسوٹی بیان کی گئی ہے کہ قطعی نجات کے لیے صرف دعویِ ایمان کافی نہیں ہے بلکہ آزمائش بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ پچھلی امتوں کے لوگوں کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا اور پھر اِبتلا سے گزرنے کے بعد اس بات کو واضح کریں گے کہ ایمان کے دعوے میں سچا کون اور جھوٹا کون ہے!۔ ایمان والوں میں سب سے زیادہ اور سخت آزمائشیں اللہ کے نبیوں پر آئیں؛ اس لیے اس سورت میں حضراتِ نوح، ابراہیم، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے قصے اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں تاکہ اہل ایمان جان لیں کہ اہل حق پر ابتلائیں تو آتی ہیں لیکن وہ دائمی نہیں ہوتیں، انجام کار اہل حق کو غلبہ نصیب

ہوتا ہے اوران کے مخالفین کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ان سابقہ امتوں اورافراد کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے آنے والی آزمائش پر ثابت قدم رہے۔ان لوگوں میں اصحاب الاخدوداورقوم موسیٰ کے جادوگر سرِ فہرست ہیں جنہوں نے وقت کے حاکموں کے ظلم اور اِستبداد کی پرواہ نہیں کی اوراللہ کی توحید پر بڑی اِستقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔اسی طرح سیدہ آسیہ نے جامِ شہادت نوش کرلیا؛ لیکن اللہ کی توحید کے راستے کو نہیں چھوڑا۔ان سابقہ امم اور افراد کی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی آزمائش کی اور بلال حبشی،سیدہ سمیہ اورسیدہ زنیرہ وغیرہ خندہ پیشانی سے اِبتلاؤں اورآزمائشوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ اوراللہ کا یہ طریقہ قیامت تک جاری رہے گا اور کامیاب وہی ہوں گے جو سختی اورآزمائش کا مقابلہ پورے حوصلے اور ہمت سے کریں گے اور جو اللہ کی آزمائش پر دلبرداشتہ ہو جائیں گے دنیا اورآخرت کی ناکامی اُن کا مقدر بن جائے گی۔

آگلی آیت میں اللہ تعالی نے حکم فرمایا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، اوراگر وہ تمہیں شرک پر مائل کرنا چاہیں تو گناہ کے کاموں میں اُن کی اِطاعت واجب نہیں ہے۔حدیث شریف میں بھی ہے کہ کسی بھی ایسے مسئلے میں مخلوق (خواہ وہ کوئی بھی ہو) کی اطاعت لازم نہیں ہے،جس میں اللہ کی نافرمانی لازم آرہی ہو۔

اس کے بعد سلسلہ وار حضرت نوح،حضرت ابراہیم،حضرت لوط،حضرت اسحٰق،حضرت یعقوب،حضرت شعیب وغیرہ کا ذکر ہے جن کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

آیت ۴۱ میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں، ان کے عقائد کے بودے پن کی مثال مکڑی کے جالے جیسی ہے اورسب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔آخر میں اللہ نے فرمایا کہ ہم حق کو ثابت کرنے کی خاطر لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں؛ لیکن صرف اہلِ عقل وخرد ہی اِن سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اکیسواں پارہ

اکیسویں پارے کی پہلی آیت میں تلاوتِ قرآن اور اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور نماز کی پابندی کے من جملہ فوائد میں سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے؛ لہٰذا اسی معیار کو سامنے رکھ کر ہر مسلمان اپنی نماز کی مقبولیت اور اِفادیت کا جائزہ لے سکتا ہے۔ اس جائزے سے ہمارے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ہماری نمازیں بے جان کیوں ہیں اور مسجدیں نمازیوں سے بھری ہونے کے باوجود گھروں اور بازاروں میں گناہوں کا سیلاب کیوں ٹھاٹھیں مار رہا ہے؟۔

درحقیقت ہمارے قول و فعل میں کھلا تضاد ہے۔ ایک طرف تو ہم نماز پڑھتے ہیں اور دوسری طرف جھوٹ، وعدہ خلافی، ظلم، لوٹ گھسوٹ، بے پردگی، بدنظری اور فحاشی وغیرہ میں بھی ملوث ہوتے ہیں۔ گھر بازار اور دکان کی زندگی دیکھ کر پتا ہی نہیں چلتا کہ ہم نمازی ہیں۔ اصل میں ہم اپنی نماز اور اس کے اثرات کو مسجد تک محدود رکھتے ہیں اور اپنی انفرادی، معاشرتی، اِجتماعی، تجارتی، سیاسی اور اَخلاقی زندگی کو نماز سے بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں؛ حالانکہ ان ساری چیزوں میں نظامِ صلوٰۃ کی آئینہ داری ہونی چاہیے۔

اگلی آیت میں بتایا گیا کہ حضور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نبیِ اُمی ہیں، یعنی آپ نے رسمی طور پر کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا بلکہ آپ کا معلم و مربی آپ کا ربّ کریم تھا، اور اس میں خداوند قدوس کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

پھر بتایا گیا کہ اہل کتاب سے اگر کبھی بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اور توحید باری تعالی اور آسمانی نظام سے اپنی وفاداری برقرار رکھتے ہوئے اہل کتاب کے ظالموں کو دوٹوک جواب دینے کی اجازت ہے۔ اللہ

کی آیتوں کے منکر کفر اور ظلم کے علمبردار ہوتے ہیں۔

آیت ۴۸ میں فرمایا کہ آپ نزولِ قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے؛ ورنہ باطل پرست شک میں مبتلا ہو جاتے، یعنی کوئی منکر یہ کہہ سکتا تھا کہ پچھلی کتابوں کا کوئی ذخیرہ یا دفینہ ان کے ہاتھ آ گیا ہے، جسے پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔

اگلی آیات میں ہے کہ کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی، یعنی انسان کتنی ہی منصوبہ بندی کیوں نہ کرے، اسباب کا اختیار کرنا بجا؛ لیکن رازقِ حقیقی صرف اللہ تبارک وتعالی ہی کی ذات ہے۔ پھر فرمایا کہ رزق کی کشادگی کو کوئی اپنے لیے معیارِ فضیلت نہ سمجھے بلکہ اللہ اپنی حکمت سے فیصلے فرماتا ہے۔ نیز جو لوگ ترکِ وطن کرتے ہیں انھیں معاشی ضروریات کی فکر یقیناً لاحق ہوتی ہے کہ پردیس میں گھر کا چولہا کیسے جلے گا؛ اس لیے تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو اللہ کمزور جانوروں کو رزق فراہم کرتا ہے وہی تمھیں بھی دے گا؛ اس لیے ترک وطن کی صورت میں تمھیں فقر سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سورۂ روم: اس سورت میں روم کی فتح وشکست کا دلچسپ واقعہ مذکور ہونے کی وجہ سے اس کا نام 'روم' رکھ دیا گیا۔ ابتدائی آیات میں بتایا گیا کہ قرآن کی حقانیت کی ایک دلیل قطعی یہ ہے کہ قرآن میں مستقبل کی جو خبریں (پیشین گوئیاں) دی ہیں وہ ہمیشہ سچ ثابت ہوئیں۔ رومی باشندے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے آسمانی نظام کے قائل تھے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ رہتی تھیں اور فارسی باشندے آتش پرست ہونے کی وجہ سے آسمانی نظام کے منکر تھے اور مشرکین کی ہمدردیاں ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ اس طرح اہل روم اور اہلِ فارس میں لڑائیاں چلتی رہتی تھیں، ایک بار اہلِ فارس جو مشرک تھے اہلِ روم پر غالب آ گئے اور رومی چونکہ اہلِ کتاب تھے؛ اس لیے

مشرکینِ مکہ اہلِ فارس کی فتح سے خوشیاں منانے لگے تو قرآن نے فرمایا: یہ خوشیاں عارضی ہیں چند (بِضع کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے) سال میں اللہ تعالی رومیوں کو فتحیاب کر کے مسلمانوں کے لیے خوشیاں منانے کی صورت پیدا کر دے گا؛ چنانچہ قرآنِ حکیم کی بشارت کے عین مطابق ساتویں سال میں رومیوں کو اہلِ فارس پر دوبارہ فتح نصیب ہوئی۔ اور اللہ کی قدرت دیکھیے کہ اِدھر معرکۂ بدر میں مسلمان بھی مشرکین پر غالب آ گئے اور اس طرح قرآنی پیشگوئی حرف بہ حرف سچی ثابت ہو کر اہل ایمان کی حقیقی وایمانی خوشیوں کا باعث بنی۔

سورۂ روم دراصل معرکہ ایمان وکفر اور حق وباطل کی حقیقت کو آشکار کر رہی ہے جو حزب الرحمٰن اور حزب الشیطان کے درمیان قدیم زمانے سے جاری ہے۔ اور یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ فیصلہ کا دن نہیں آ جاتا۔ اس دن نہ صرف یہ کہ معرکہ ختم ہو جائے گا بلکہ دونوں جماعتوں کو بھی الگ الگ ٹھکانوں (جنت یا جہنم) میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ سورت ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ہر زمانے میں خداوند قدوس کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ عطا کرتا ہے؛ لیکن اگر کہیں اہل حق مغلوب ہو رہے ہوں تو انھیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انھوں نے باطل کے طور طریقے اپنا لیے ہیں اور ان سے کچھ سانٹھ گانٹھ کر لی ہے یا باطل پرستوں نے حق کے بعض اصول اپنا لیے ہیں۔

آیت ۹ سے بتایا گیا کہ لوگوں کو اپنی ماڈی قوت وطاقت پر اِترا کر اللہ عزوجل کی غالب قدرت کو بھول نہیں جانا چاہیے، ماضی میں کتنی ہی ایسی قومیں آئیں جو مادی قوت کی حامل تھیں؛ لیکن آج ان کے کھنڈرات ان کی ماڈی قوت کی ناپائیداری کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

اگلی آیتوں میں بتایا گیا کہ اللہ سبحانہ وتعالی میاں بیوی کے درمیان ایسی محبت پیدا کر دیتا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جسم کا حصہ ہیں حالانکہ بعض اوقات شادی سے پہلے ان کا آپس میں کوئی تعارف وشناسائی ہی نہ تھی۔ اللہ کی قدرت

کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان کی تخلیق اور انسانوں کی بولیوں اور رنگوں کا تنوع بھی ہے اور نیند کے لیے رات اور تلاشِ معاش کے لیے دن کا بنانا ہے۔ آسمانی بجلی کی چمک اور گڑگڑاہٹ سے تمہارے اندر امید وبیم کے ملے جلے جذبات کا پیدا ہونا اور آسمان سے پانی برس کر زمین کا لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل ہوجانا بھی عقل والوں کے لیے بہت بڑی آیت اور نشانی ہے۔ نیز آسمان وزمین کا بغیر کسی سہارے کے اللہ کے حکم سے فضا میں معلق رہنا بھی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

آگے چل کر فرمایا کہ ہر گروہ اپنے نظریات میں مگن رہتا ہے کہ اس سے اس کا تشخص برقرار رہتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ انسانی فطرت کے عین مطابق دین کو یکسوئی کے ساتھ اختیار کرلیا جائے۔ اور آپ باطل ادیان سے کنارہ کش ہوکر اپنے آپ کو دینِ فطرت پر قائم رکھیں۔ اللہ کا نظام کسی بھی دور میں تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ سیدھا اور مضبوط نظام حیات ہے، جس کے بنیادی عوامل اِنابت الی اللہ، تقوی اور اقامت صلوٰۃ ہیں۔

آیت ۳۸ میں فرمایا کہ اگر تمہیں خرچ کرنا ہے تو پہلے اپنے عزیز واقارب کا خیال رکھو، نیز غریب ومسکین اور مسافروں پر خرچ کرتے رہو۔ اللہ کی رضا کے طلبگار اور فلاح پانے والے خوش بختوں کا یہی وطیرہ ہے۔ واپسی میں زیادہ ملنے کی نیت سے رشتہ داروں یا دوسرے لوگوں پر خرچ کرنا سود خور ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالی نے بچپن کی کمزوری سے تمہاری اِبتدا کرنے کے بعد تمہیں جوانی کی قوت سے نوازا اور پھر تمہیں بڑھاپے کی کمزوری سے دوچار کردیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ بڑا ہی علم و قدرت والا ہے۔

قیامت کے دن ظالموں کی عذرخواہی ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ہی ان کی مشکلات میں کمی کا باعث بنے گی۔ لوگوں کو سمجھانے کے لئے قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں دے دی گئی ہیں، لیکن باطل پرست اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ بے علم لوگوں کے

دلوں میں مہریں لگی ہوئی ہیں۔آپ دین پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے رہیں۔

سورت کے اختتام پر ان کفارِ مکہ کا ذکر ہے جو مردوں کی طرح تھے نہ تو آیاتِ الٰہیہ کو سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ ہی ان میں غور وفکر کرتے اور نہ ہی کچھ اثر قبول کرتے تھے۔

سورۂ لقمان: معراجِ حکمت اور پیکر دانائی لقمان حکیم کے تذکرہ کی بنا پر یہ سورت 'لقمان' کے نام سے موسوم ہوئی۔ اِبتدائی سورت میں قرآن کریم کے کامل اور حکمت و دانائی سے بھر پور ہونے کے تذکرہ کے ساتھ اس سے اِستفادہ کرنے والوں کی صفات اور خوبیوں کا بیان ہے۔ان کے ہدایت وفلاح پانے کی نوید ہے اور قرآنی ہدایت کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور روڑے اٹکانے والوں کی شدید مذمت ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بے پایاں قدرت کے مختلف دلائل وشواہد پیش کر کے مشرکین کو یہ کھلا چیلنج دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ تو اللہ کی تخلیق ہے، اب ذرا بتاؤ کہ غیر اللہ یعنی تمہارے خودساختہ بتوں نے کیا پیدا کیا ہے، اور کیا کچھ کارنامے دکھائے ہیں؟۔

پھر لقمان کی حکمت ودانائی کو عطائے خداوندی قرار دے کر ان کی پند ونصائح کو بیان کیا گیا ہے۔حضرت لقمان حکیم کی عظمت وفضیلت کے لیے یہی بس ہے کہ قرآن کریم کی پوری ایک سورت ہی اُن کے نام معنون ہے۔اس سورۂ پاک کی خصوصیت یہ ہے کہ تعلیماتِ اِسلامی کا اِعلان ایک مردِ دانا لقمان سے کرایا جارہا ہے جو 'نوبہ' کے گمنام اور پسماندہ علاقے کے باشندے ہیں اور جن کی رنگت حبشیوں کی طرح سیاہ ہے۔

لقمان حکیم بڑے پیارے انداز میں اپنے لختِ جگر کو نصیحت کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔اس میں حکمت' اس حقیقت کو آشکارا کرنا ہے کہ ان محاسن سے جو بھی اپنے آپ کو آراستہ کر لے وہ ساری اِنسانیت کی نگاہوں میں محترم ہو جاتا ہے۔ساری قومیں اس کا ذکر بڑی عزت سے کرتی ہیں اور اس کی حکمت آموز باتوں کو اپنے دلوں میں جگہ دیتی ہیں۔

عقائد صحیحہ کا نور، اور اعمالِ صالحہ کا حسن اور سیرت کی دل کشی' کالے حبشی کو بھی سب کا محبوب بنا دیتی ہے۔ جسمانی حسن سے سیرت کا جمال کہیں دل کش ہوتا ہے۔ اس کی برکت سے بھدے نقوش اور کالی رنگت پر بھی ایک ایسا روپ آجاتا ہے کہ بڑے بڑے حسینانِ عالم مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ انسان کو انسانِ کامل بنانے کے لیے جن تعلیمات کی ضرورت تھی وہ دل نشیں اُسلوب میں حضرت لقمان کی زبان سے کہلوا دی گئیں، اور انھیں 'مِنْ عَزْمِ الامُوْرِ' فرما کر ان کی اہمیت کا اِظہار کر دیا گیا۔

حضرت لقمانِ حکیم کے جب لب کھلتے تو حکمت وبصیرت اور عبرت وموعظت کے پھول جھڑتے، اور ان کا کلام دلوں میں تاثیر کا تیر بن کر اُتر جایا کرتا تھا۔ یہاں بہترین وصف کے ساتھ ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ انھوں نے نہایت قیمتی مواعظ سے اپنے بیٹے کے دامن کو بھر دیا اور ظاہر ہے کہ اولاد انسان کو سب سے زیادہ عزیز ومحبوب ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ دلی تعلق ہوتا ہے؛ اس لیے وہی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کا باپ اسے سب سے زیادہ مفید اور انمول چیز عطا کرے۔ ارشاد ہوتا ہے: 'اور (یاد کیجیے) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے فرزند! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے'۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند دل بند کو سب سے پہلے جو نصیحت کی وہ یہ ہے کہ شرک سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں، اسے چاہیے کہ ہر حالت میں اپنے دامن کو شرک کی آلودگی سے پاک رکھے۔ لقمان' حکیم ہیں، انھوں نے اپنے حکیمانہ کلام سے صرف اپنے بیٹے کو ہی نوازا نہیں ہوگا بلکہ عام لوگوں کو بھی اپنے دل نواز پند ونصائح سے سرفراز کیا ہوگا؛ لیکن قرآن کریم میں ان کے صرف وہ حکیمانہ اَقوال ذکر کیے گئے ہیں جو انھوں نے بطورِ خاص اپنے بیٹے کو فرمائے۔ مقصد یہ بھی ہے کہ دوسروں کے ساتھ تو معاملے کی بنیاد ریاکاری، تصنع اور فریب دہی ہو سکتی ہے؛ لیکن ایک باپ جب اپنے بیٹے کو

نصیحت کرتا ہے تو اس میں سراسر سچائی اور اخلاصِ محض ہی ہوتا ہے۔ وہاں غلط بیانی اور عیاری کا اِمکان تک نہیں ہوتا!۔

چند آیتوں کے بعد حضرت لقمان کی مزید وصیتیں اور حکمت بھری باتیں بیان ہو رہی ہیں تاکہ لوگ انھیں اپنے لیے مشعل راہ بنائیں اور ان کی پیروی کریں۔فرمایا: 'اے میرے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان میں (چھپی) ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں (تب بھی) اللہ اسے (روزِ قیامت حساب کے لیے) موجود کردے گا۔ بیشک اللہ باریک بین (بھی) ہے، آگاہ وخبردار (بھی) ہے'۔

حضرت لقمانِ حکیم نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو شرک سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اب وہ اسے اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرتِ کاملہ کا درس دے رہے ہیں۔ رائی کے دانے کی کیا حقیقت ہے، سامنے رکھا ہو، دن کی روشنی ہو، پھر بھی وہ قریب سے ہی نظر آتا ہے؛ لیکن اتنی باریک چیز اگر پتھر کی کسی چٹان میں مستور ہو یا کوئی ذرّہ زمین کی وسعتوں اور آسمان کی پنہائیوں میں گم ہو جائے تو کون انسان ایسا ہے یا کون سا آلہ ہے جس کی مدد سے اس ذرّہ کا سراغ لگایا جاسکے۔ ہمارے لیے بیشک یہ از حد مشکل کام ہے؛ مگر اتنی چھوٹی چیز کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

پھر فرمایا: 'اے میرے فرزند! تو نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں'۔ یہ مرحلہ صبر اور اِستقامت کے بغیر طے نہیں ہوسکتا؛ اس لیے حضرت لقمان اپنے فرزندار جمند کو تکمیل ذات اور اصلاحِ معاشرہ کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین فرمارہے ہیں۔ یہ راہ بڑی جاں گداز اور کٹھن ہے۔ مردانِ پاکباز ہی اس پر گامزن ہوسکتے ہیں۔

فرمایا: 'اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل،

بیشک اللہ ہر متکبر، اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے‘۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بلاضرورت انسان اپنے نفس کو ذلت میں نہ ڈالے اور اپنی عزتِ نفس مجروح نہ کرے۔ پھر فرمایا:’اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز کو کچھ پست رکھا کر، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے‘۔یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی اِختیار کرو، نہ بالکل سست چلو اور نہ بہت زیادہ تیز بلکہ اِعتدال کے ساتھ۔اس کے بعد گفتار کا اَدب سکھاتے ہوئے فرمایا کہ کلام میں مبالغہ نہ کیا کرو، اور نہ اونچی آواز سے بے فائدہ گفتگو کیا کرو؛ کیوں کہ سب سے زیادہ بھیانک اور وحشت انگیز آواز گدھے کی ہے۔

اگلی آیات میں ایک بار پھر اللہ تعالی کی قدرت وجلالت، تسخیر کائنات، تسخیر شمس وقمر، نظامِ لیل ونہار اور دیگر بے پایاں نعمتوں کا ذکر ہے۔اس کے بعد قیامت کے دن کی ہولنا کی اور انسانی بے چارگی کو بیان کیا کہ وہاں پر ہر انسان اپنی پریشانیوں میں اس قدر الجھا ہوا ہوگا کہ باپ اولاد کے کام نہیں آئے گا اور اولاد اپنے باپ کے لیے کچھ نہیں کر سکے گی۔لہٰذا دنیا کی عارضی زندگی اور شیطان کے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔قیامت کب آئے گی؟ بارش کب برسے گی؟ رحمِ مادر میں کیا ہے؟ کوئی شخص کل کو کیا کرے گا؟ اور کون کس سرزمین میں آسودۂ خاک ہوگا؟ اللہ ہی ان باتوں کا علم رکھتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ذات سے کوئی ان اُمورِ غیبیہ کو نہیں جانتا، علامات، اسباب وقرائن اور آلاتِ جدیدہ کی مدد سے حاصل شدہ علم کے ذریعے بارش کی پیشین گوئی یا ماں کے رحم میں جنین کے بارے میں بتانا اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

حضرت ضیغم بن مالک (م۱۸۱ھ) کہتے ہیں کہ مجھ سے حکم بن نوح نے کہا کہ ایک رات حالتِ قیام میں آپ کے والد شروع شب سے لے کر آخیر شب تک مسلسل روتے رہے، اس میں نہ کوئی سجدہ کیا اور نہ رکوع، اور ہم اس وقت بحری سفر میں تھے۔جب صبح ہوئی تو ہم نے کہا: اے مالک! بلا نماز ودعا آپ کی شب اتنی طویل کیوں ہوگئی تھی؟ تو انھوں نے

روتے ہوئے جواب دیا: کاش! لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ کل ان کا کس سے واسطہ پڑنا ہے تو ان کی زندگی اَجیرن بن جاتی، اور عیش و مستی کے کبوتر ان کے ہاتھوں سے اُڑ جاتے۔

قسم بخدا! جب میں نے رات کی دہشت، اور اس کی گھنگھور سیاہی دیکھی تو مجھے عرصہ محشر میں کھڑے ہونا اور وہاں کی مشکل گھڑی یاد آ گئی، جس دن کہ ہر شخص کو صرف اپنی پڑی ہو گی اور وہ خود اپنے آپ ہی کو کوس رہا ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے :

یٰـاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ وَ اخْشَوا یَوماً لَّا یَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهٖ وَ لاَ مَولُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهٖ شَیئاً o

یعنی اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی ایسا فرزند ہو گا جو اپنے والد کی طرف سے کچھ بھی بدلہ دینے والا ہو۔

یہ کہہ کر آپ نے ایک ٹھنڈی سانس لی، بے ساختہ زمین پر گر پڑے اور دیر تک تڑپتے رہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/۳۹۱)

سورۂ سجدہ: اس سورت کے آغاز میں بھی پچھلی سورتوں کی طرح قدرت کی نشانیوں، توحید الٰہی پر کائناتی شواہد اور تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ ہماری آیات پر ایمان وہ لوگ لاتے ہیں کہ جب ان آیات کے ذریعے انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں، تکبر نہیں کرتے، ان کے پہلو (عبادت الٰہی میں مشغولیت کی وجہ سے) بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت کا یقین رکھتے ہوئے اسے پکارتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے، باعمل مومنین کے لیے جنت کی صورت میں اللہ نے مہمانی تیار کر رکھی ہے، جبکہ فاسقوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور وہ جب بھی جہنم سے نکلنا چاہیں گے انہیں واپس اسی آگ میں لوٹا دیا جائے گا۔ آگے

فرمایا کہ جن لوگوں نے صبر وتحمل کو اپنا وتیرہ بنالیا ہے تو ہم نے انہیں لوگوں کے منصبِ امامت پر فائز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

اخیر میں بتایا گیا کہ اے محبوب! یہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ حق کی فتح کا دن کون سا ہوگا؟ آپ فرمادیجیے کہ فتح کا دن جب آئے گا تو تمہارا ایمان کام نہیں آسکے گا؛ لہٰذا ان سے چشم پوشی کرتے ہوئے اللہ کے فیصلہ کا آپ بھی انتظار کیجیے، وہ بھی انتظار کررہے ہیں۔

سورۂ احزاب: الاحزاب سے گروہ اور جماعتیں مراد ہیں۔ ہوا یہ کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کی تمام باطل قوتیں مجتمع ہوکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کے مشورہ سے اپنے دفاع کے لیے خندق کھود لی تھی اس لیے اسے غزوہ احزاب یا غزوہ خندق کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں مدنی سورتوں کی طرح قانون سازی کے ساتھ ساتھ اس واقعہ کا بھی تذکرہ ہے۔ اس لیے اسے الاحزاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

سورت کی ابتدا میں تقوی کے حکم کے ساتھ کافروں اور منافقوں کی عدم اطاعت اور وحی الٰہی کے اتباع اور توکل کی تلقین ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، یعنی کفر اور ایمان، ہدایت اور گمراہی اور حق و باطل ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ اسی آیت میں فرمایا کہ کسی کے منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹوں کے حکم میں نہیں ہیں، یہ لوگوں کی خود ساختہ باتیں ہیں، مزید فرمایا کہ لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارو، اللہ کے نزدیک یہی بات مبنی بر انصاف ہے اور اگر ان کے حقیقی باپوں کا پتا نہ چلے تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

آیت ۶ میں فرمایا کہ نبی عربی علیہ السلام مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں (یا مؤمنوں کی جانوں کے مالک ہیں) اور نبی کی بیویاں مومنوں کی روحانی مائیں ہیں۔

پھر غزوہ احزاب میں پورے عرب کے کفر کا اجتماع اور ہر طرف سے یلغار کے

مقابلہ میں اللہ کی مدد ونصرت کا تذکرہ ہے کہ اللہ نے تیز ہوا چلا کر نصرت فرمائی اور مشرکین کے قدم اکھاڑ کر رکھ دیے۔ منافقین اور یہودیوں کی مذمت ہے، جنھوں نے اس موقع پر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ پھر غزوہ بنی قریظہ میں یہود کے مقابلہ میں اللہ کی نصرت اور ان کی جائیدادوں اور زمینوں پر مسلمانوں کے قبضہ کو یاد دلا کر ہر چیز پر اللہ کی قدرت وغلبہ کی تمہید بنائی گئی ہے۔

آیت ۲۱ میں فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو، نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ اس سورت میں یہ بھی بتایا کہ جہاں منافق کفار کے بھاری لشکر کو دیکھ کر متزلزل ہو رہے تھے، وہاں مسلمانوں کے ایمان اور تسلیم ورضا میں اضافہ ہو رہا تھا کہ یہ تو وہی منظر ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ اس کے رسول کا فرمان سچ ہے۔

جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تو ازواجِ مطہرات نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے وظیفہ ونفقہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ اس موقع پر ذیل کی آیت نازل ہوئی، جس میں دو باتوں میں سے ایک کا انھیں اختیار دیا گیا کہ اگر تم میں سے کسی کو دنیاوی زندگی کی زینت مطلوب ہو، تو اسے اختیار کرنے کی اجازت ہے اور اگر تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت مطلوب ہے، تو یقین رکھو کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی نیک شِعار بیویوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے، اس میں کسی مؤمن کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ ازواجِ رسول نے دنیا کی عارضی زیب وزینت اور راحتوں پر حرمِ نبوی میں رہنے اور آخرت کی ابدی نعمتوں کو ترجیح دی۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اخلاق وادب سے حصہ وافر عطا فرمائے اور دین وسنت پر ہمیں زندہ رکھ کر شہدا وصالحین کی رفاقت میں خلد آشیاں فرمائے۔ آمین۔

بائیسواں پارہ

بائیسویں پارے کے آغاز میں اَزواجِ مطہرات کی فضیلت وعظمت بیان کرتے ہوئے ان کے اعمالِ صالحہ پر انھیں دہرے اجر اور رزق کریم کی نوید سنائی گئی ہے۔اور پھران امہات المومنین کے توسط سے دنیا جہان کی خواتین مومنات کوسات اہم پیغام دیا گیا۔ پہلا یہ کہ کسی نامحرم کے ساتھ بات کرتے ہوئے لوچ دار لہجہ اختیار نہ کریں یعنی نرم گفتاری کا معاملہ نہ کریں اورضرورت کے مطابق بات کریں؛ ورنہ اخلاقی پستی کے مریض اپنے ناپاک خیالات کو پورا کرنے کی امید قائم کرسکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلا کریں، بلکہ گھر کی چہار دیواری ہی میں رہا کریں۔تیسرا یہ کہ سابقہ جاہلیت کے طور طریقوں کے مطابق بے پردگی کا مظاہرہ نہ کریں، اور اپنی زینت وستر کا اظہار کرتے ہوئے باہر نہ نکلیں۔چوتھا یہ کہ نماز کی پابندی کریں۔ پانچواں یہ کہ زکوٰۃ دیا کریں۔ چھٹا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کریں۔ساتواں یہ کہ قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کا مذاکرہ کرتی رہا کریں۔

اسی مقام پر اہلِ بیتِ رسول کے لیےنوید ہے کہ اللہ ان سے ناپاکی کو دور کرنا چاہتا ہے اور انہیں خوب پاکیزہ رکھنا چاہتا ہے۔مفسرین کے مطابق اِس آیتِ تطہیر کا مصداق سیدہ فاطمہ، حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے ساتھ ساتھ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی ہیں؛ کیونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کے واقعات میں اہل بیت کا بیوی پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔اور پھر امہات المومنین کے لیے اَزواج کے ساتھ لازماًبولا جانے والا لفظ 'مطہرات' بھی اس موقف کی تائید کررہا ہے۔

آیت ۳۵ کے اندر صفات محمودہ میں مرد وزن کی مساوات بیان کرتے ہوئے فرمایا

کہ اسلام، ایمان، اطاعت شعاری، سچائی، صبر، عجز وانکساری، صدقہ وخیرات کی ادائیگی، روزہ کا اہتمام، عفت وپاکدامنی اور اللہ کے ذکر میں رطبِ لسان رہنے والے تمام مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ تعالی نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کیا ہوا ہے۔

اس کے بعد یہ مسئلہ بیان ہوا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے حکم میں نہیں ہوتا اور اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی معیوب بات ہے۔ دراصل یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اپنی اہلیہ حضرت زینب کے ساتھ ناچاقی ہوگئی تو اللہ تعالی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ زید کی مطلقہ کے ساتھ شادی کرلیں۔ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ خیال تھا کہ لوگ باتیں بنائیں گے؛ لیکن اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اس مسئلے میں لوگوں کی رائے کی پروانہ کریں اور زید جو کہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے ان کی اہلیہ کے ساتھ عقد فرمالیں تاکہ مستقبل میں اُمت کے لیے اس معاملے میں کوئی دشواری نہ رہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مخالفین نے ہمیشہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی مگر انھیں اپنی ہر سازش اور پروپیگنڈے میں منہ کی کھانی پڑی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کے تعلق سے دو نکتے ہمیں ذہن نشین رکھنے چاہئیں کہ آپ نے اپنی بھرپور جوانی ایک ایسی خاتون کے ساتھ گزاردی جو عمر میں آپ سے تقریباً دوگنی تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری خاتون کو اپنے عقد میں قبول نہیں کیا اور حضرت خدیجہ کے علاوہ جتنی عورتوں سے بھی آپ نے شادیاں کیں وہ جوانی ڈھل جانے یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد کی ہیں۔ دوسرا نکتہ یہ کہ سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی کوئی بیوی بھی کنواری نہیں تھی۔ اگر- معاذ اللہ- کثرتِ ازدواج سے آپ کا مقصد شہوت پرستی ہوتا تو آپ یہ شادیاں جوانی میں باکرہ لڑکیوں سے کرتے، اور پھر آپ کو اس کی پیشکش بھی کی جارہی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ تعددِ ازدواج میں بہت سی

تعلیمی، تشریعی، اجتماعی اور سیاسی حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

آیت ۴۶ سے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم ترین اِعزاز کا ذکر ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں آخری نبی ورسولِ کائنات بنایا ہے اور ان کے سرِ اقدس پر خاتم النبیین ہونے کا تاجِ زریں سجایا ہے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی اس امر کا اعلان فرمادیا تھا کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد تیس جھوٹے آئیں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ نبوت کرے گا اور آخر میں دجال آئے گا۔ غیب داں نبی اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعوی کیا، اور اللہ نے اِن دونوں کو ذلت آمیز شکست وموت سے دوچار کردیا۔ اس کے بعد بھی ہر دور میں جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہوتے رہے؛ لیکن منتقم حقیقی پروردگار نے ہر ایک کو ناکام ونامراد بنادیا۔ اس کے بعد بھی کئی دوسروں نے دعویٰ نبوت کیا لیکن رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو بھی قرار ودوام حاصل نہ ہوا اور نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت اور ان کے پیروکار چھوٹی چھوٹی ٹولیوں اور گروہوں میں تقسیم ہوکر رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کا اعتراف کرنے والوں میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے، اور ختم نبوت کے پروانے خاتم النبین ﷺ کی ختم نبوت کا عقلی اور علمی انداز میں دفاع کرتے چلے جارہے ہیں۔

پھر آپ کی کچھ امتیازی خوبیوں کا تذکرہ ہے کہ آپ شاہد، بشیر ونذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ آپ کے ذریعہ شرک وضلال کی تاریکیوں کو دور کیا جاسکے اور ان کی گمراہی کو ہدایت سے بدلا جاسکے۔ بالکل ایسے ہی جیسے جب سورج روشن ہوجاتا ہے تو رات کی تاریکی کافور ہوجاتی ہے اور منزل تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔

آیت ۵۳ سے آدابِ بارگاہِ نبوت بیان ہوا ہے؛ کیوں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان سے نا آشنا تھے اور ان کی کوئی پروا نہ کرتے تھے۔ پہلا یہ کہ اجازت کے بغیر پیارے

نبی کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو۔ دوسرا یہ کہ اگر دعوتِ طعام ہو تو کھانا کھا کر فوراً منتشر ہو جایا کرو، باتوں میں مشغول ہو کر صاحب خانہ کا وقت ضائع مت کیا کرو۔ تیسرا یہ کہ نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، بلا حجاب ان کے سامنے نہ جایا کرو۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر یہ اور اس سے پہلے بیان کیے گئے احکام نبی کی بیویوں کے لیے ہیں جو امت کی مائیں ہیں تو پھر ہماری خواتین کو ان محاذوں پر کس قدر احتیاط برتنے اور چاک و چوبند رہنے کی ضرورت ہے۔ آج جو فواحش و منکرات کا ایک طوفانِ بدتمیزی پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں دبوچ رکھا ہے، ان کے سدباب کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان خواتین و حضرات دونوں اپنا اپنا مومنانہ کردار اَدا کریں۔

اس کے بعد شانِ رسالت میں ایک عظیم ترین آیت یعنی آیت درود و سلام کا ذکر ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے اہلِ ایمان! تم بھی ان پر درود پڑھو اور کثرت سے سلام بھیجو۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام حقیقت میں خود ہمارے اپنے ظاہر و باطن کی تطہیر، ہمارے لیے عزت و تکریم کا سامان، اور رفع درجات و کفارۂ سیئات کا موجب ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی عاشق صادق نے ؎

عجیب فیض ہے آقا تری محبت کا
درود تجھ پہ پڑھوں اور میں سنور جاؤں

اس کے فوراً بعد بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی ایذا رسانی کا باعث بننے والے قابل ملامت اور ذلت آمیز عذاب و عتاب کے مستحق ہیں۔

آیت ۵۹ میں مومنات خواتین کے لیے پردے کا خصوصی حکم ہے، یعنی ایسی چادر اوڑھنا جس سے کامل ستر حاصل ہو جائے۔ حجابِ شرعی کے تعلق سے چند چیزیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے: ۱) حجاب ایسا ہو کہ پورے بدن کو چھپا لے۔ ۲) حجاب فی نفسہٖ پرکشش اور نگاہوں کو متوجہ کرنے والا نہ ہو۔ ۳) حجاب ایسا باریک نہ ہو جس سے جسم کی رنگت

جھلکے یا نظر آئے۔ ۴) حجاب کشادہ ہو ایسا تنگ نہ ہو جو فتنہ وفساد کا باعث بننے والے اعضا کو ظاہر کررہا ہو۔ ۵) حجاب ایسا معطر نہ ہو جس کی خوشبو دوسروں تک پہنچے۔

اگلی آیت میں منافقین و فاسقین کہ جن کے دلوں میں عداوتِ مصطفیٰ کا روگ ہے، اور مدینے میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو انہیں مدینے میں رہنے نہیں دیا جائے گا اور یہ لوگ لعنتی ہیں اور جہاں بھی پائے جائیں، انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے۔ اخیر میں اہلِ ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے، سیدھی اور کھری بات کرنے اور اپنے اعمال کو درست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان اعمال کی جزا گناہوں کی مغفرت اور بڑی کامیابی بتائی گئی۔

سورۂ سبا: اس سورت میں چونکہ قوم سبا کا ذکر ہوا ہے؛ اس بنا پر اسے 'سبا' کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ دیگر سورتوں کی طرح اس مکی سورت کی ابتدا میں بھی اس بات کا بیان ہے کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اس اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف بیان کرتی ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور کائنات کے لیے مستحکم نظام قائم فرمایا۔ اس کے بعد مشرکین کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ حساب وجزا اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں، اللہ نے اپنے نبی کی زبانی کہلوایا کہ آپ اپنے رب کی قسم کھا کر کہیں کہ قیامت آکر رہے گی، نیکوکاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا ضرور ملے گی۔

آیت ۱۰ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام پر اپنے خصوصی انعامات اور فضل وعنایت کا ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد کو بڑی فضیلت عطا کی گئی، انہیں ایسی خوش الحانی بخشی تھی کہ وہ جب زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ لوہا ان کے ہاتھوں میں ایسا نرم کر دیا گیا تھا کہ اس سے وہ زرہ بکتر بنا لیا کرتے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ سے مزدوری عیب نہیں اعزاز ہے اور وسائل کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ ساتھ ہی سلیمان علیہ السلام کے

معجزات کا بھی تذکرہ ہے کہ ہوا ان کے تخت کو تیز رفتاری سے اُڑا کر لے جاتی، ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا، اس سے جیسے برتن چاہیں وہ ڈھال لیتے تھے۔ اللہ کے اِذن سے جِنات ان کے کام واحکام کو بجالانے کے پابند تھے۔ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جِنات بڑے بڑے قلعے اور ٹاور، مجسّمے اور حوضوں کے برابر ٹب اور چولھوں پر جمی ہوئی دیگیں بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ان محیر العقول نعمتوں کے باوجود دونوں باپ بیٹا فخر وغرور کا شکار نہ ہوئے اور ذکر وشکر سے ایک لحظہ کے لیے بھی غافل نہ ہوئے۔ جب کہ عمومی صورت انسان کی یہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

دریں اثنا کہ جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم سے تعمیرات میں مصروف تھے، تو وہ ایک بلوری (Crystal) کیبن میں تشریف فرما ہوئے اور اِس دوران قضائے الٰہی سے ان کی وفات ہوگئی؛ مگر جنات کو ان کی وفات کا تب پتا چلا جب دیمک نے ان کے عصا کو جس سے وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اندر سے چاٹ لیا اور پھر وہ زمین پر گر گئے۔

اس وقت جِنات کفِ افسوس ملنے لگے کہ ہائے! اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو اتنے طویل عرصے تک ہم اس مشقت بھری مزدوری میں مصروف نہ رہے ہوتے۔ شاید یہی وہ ہیکلِ سلیمانی ہے، جس کے آثار کی تلاش میں یہود وقتاً فوقتاً بیت المقدس کی عمارت کو گرانے کی مذموم کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موت' انبیا کے اجسام پر کوئی طبعی اَثرات مرتب نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ جنات کو حضرت سلیمان کی موت کا زمانے تک پتا نہ چل سکا تھا۔

آیت ۱۵ سے ایک بار پھر قوم سبا کی بستی کا ذکر کیا ہے کہ اس میں ارباب عقل وخرد کے لیے درس وعبرت کا بہت کچھ سامان ہے۔ وہ دراصل زراعت پیشہ لوگ تھے۔ رزق کی فراوانی، صحت افزا آب وہوا، زرخیز زمین اور پھل دار باغات جیسی نعمتیں انھیں عطا کی گئی

تھیں۔طویل مسافت تک دورویہ باغات چلے جاتے تھے، نہ گرمی اور دھوپ ستاتی اور نہ ہی بھوک پریشان کرتی، پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ایک ڈیم بھی تھا جسے 'سدمآرب' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اتنی نعمتیں بہم پہنچا کر اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو کہ پاکیزہ شہر ہے اور گناہوں کو معاف کرنے والا رب ہے؛ لیکن انہوں نے روگردانی کی تو اللہ تعالی نے ان پر ایک سخت امڈتا ہوا سیلاب بھیج دیا جس پانی نے تباہی مچا کے رکھ دی۔ باغات اور بستیاں خس وخاشاک بن کے بہہ گئیں جہاں پھل اور پھول تھے وہاں جھاڑ جھنکاڑ کے سوا کچھ بھی نہ بچا اور اہل سبا کا ذکر صرف داستانوں میں رہ گیا۔ یہ دراصل بدلہ تھا ان کی روگردانی کا اور کافروں اور ناشکروں کو ان کے کفر وناشکری کا ایسا ہی بدلہ ملا کرتا ہے۔

اللہ تعالی یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے اور بابرکت بستیوں کے درمیان کچھ کھلی بستیاں آباد کر دی تھیں جن کے درمیان ہم نے سفر کی مسافتوں کو محدود کر دیا تھا کہ ان کے درمیان صبح وشام چلتے پھرتے رہو۔ تو ان لوگوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کے درمیان دوری بڑھا دے اور انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو ہم نے ان کو ماضی کی داستان بنا دیا اور ان کو تتر بتر کر کے رکھ دیا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کا ہنر جانتا ہے۔

آیت ۲۸ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالتِ عامہ کا ذکر ہے کہ آپ کی دعوت پورے عالمِ انسانیت کے لیے تھی اور یہ سارا عالمِ انسانیت آپ کی اُمتِ دعوت ہے اور جن خوش نصیب اہلِ ایمان نے اِس دعوت کو قبول کیا، وہ سب اُمتِ اجابت ہیں۔اگلی آیات میں اِس مفہوم کا بیان ہے کہ اپنے عہد کے جابروں اور متکبرین کو آخرت میں ان کے عہد کے کمزور طبقات کے لوگ یہ کہیں گے کہ ہمارے ایمان سے محرومی کا سبب تم بنے تھے۔ مزید بتایا کہ پچھلی امتوں کے خوشحال لوگ مال ودولت کی فراوانی کو اپنی

مقبولیت کی دلیل سمجھتے تھے، اللہ نے فرمایا: اس کا قرب مال و دولت کی فراوانی سے نہیں ملتا بلکہ ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے ملتا ہے، رزق کی کشادگی یا تنگی کا تعلق کسی کی فضیلت یا بے توقیری سے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کبھی وہ نعمتوں کی فراوانی امتحان کے طور پر فرماتا ہے اور کبھی ابتلاء و آزمائش کے طور پر۔

سورۂ فاطر: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمان و زمین کو نئے انداز سے بنایا اور دو دو، تین تین، چار چار پروالوں کو اپنا قاصد بنایا ہے اور جیسے چاہے اس سے زیادہ پروں والی مخلوق بھی بنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ کسی پر اپنی رحمت کے فیضان کو کھول دے، تو کسی کی مجال نہیں کہ اسے روک دے اور جس کے لیے وہ روک دے، تو کسی کی مجال نہیں کہ وہ فیضانِ رحمت عام کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کر کے فیصلہ کرو کہ آسمان و زمین میں اس کے علاوہ کون خالق کہلانے کا مستحق ہے!۔

ساری عزتیں اللہ ہی کے لیے ثابت ہیں، لہٰذا جو عزت چاہتا ہے وہ عزت والے کے دامن سے وابستہ ہو کر ہی اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ پھر انسانی تخلیق کے مراحل کا مختصر تذکرہ اور کارخانۂ قدرت پر کائناتی شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔ انسان کو اس کے جوہرِ تخلیق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے تاکہ سرکشی کا شکار نہ ہو اور یہ کہ وہ مادہ کے پیٹ میں حمل کو بھی جانتا ہے اور یہ کہ کسی کی عمر میں درازی یا کمی ہوتی ہے، تو وہ اللہ کی کتاب و تقدیر میں پہلے سے لکھی ہوتی ہے۔ نظامِ لیل و نہار اور شمس و قمر اسی کے حکم کے تابع ہے۔ میٹھے اور کھارے پانی کے سمندر آپس میں برابر نہیں ہو سکتے، جبکہ دونوں سے زیورات کے لیے موتی، خوراک کے لیے مچھلی کا گوشت حاصل ہوتا ہے اور باربرداری و تجارت کے لیے کشتیاں چلنے پر تمہیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

آیت ۱۸ میں بتایا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، یعنی ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کا جواب دینا ہو گا۔ جو تزکیہ اور تقویٰ اختیار کرے گا، اس کا فائدہ

اسی کو پہنچے گا۔ اندھا اور بینا، ظلمت ونور، سایہ ودھوپ اور زندہ ومردہ لوگ کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں یہ بھی بتایا کہ حجتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لیے ہر قوم کی طرف نذیر یعنی روشن دلائل اور الہامی کتابیں دے کر نبی اور رسول بھیجے گئے؛ لیکن ہر دور میں پیغامِ حق کو جھٹلانے والے بوجہل و بولہب موجود رہے ہیں۔

علمائے ربانیین کے دلوں میں اللہ کی خشیت ہوتی ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ دل میں اللہ کی خشیت اور خوف رکھنے والا ہوں'۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو برگزیدہ و چنیدہ اور نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے فرما کر جنت کی ان نعمتوں کا ذکر کیا جو ان عبادِ صالحین کے لیے تیار رکھی ہوئی ہیں۔ جنت میں جانے والے نہایت خوشی و انبساط کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کررہے ہوں گے، جبکہ کافر جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر چلا رہے ہوں گے کہ ہمیں یہاں سے نکال دو۔ ان کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ دنیا میں تمہیں مناسب مہلت دے دی گئی تھی اور تمہیں ڈرانے والا بھی آ گیا تھا۔ اب تمہیں یہی عذاب چکھنا ہوگا۔ تمہارا کوئی معاون ومددگار بھی نہیں ہوگا۔

آیت ۲۸ میں بتایا کہ آسمان وزمین کو بھی اللہ نے ہی گرنے سے بچایا ہوا ہے۔ وہ انھیں ان کے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا، اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کرسکتا۔ اخیر میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کی گرفت فرمانا شروع کردے تو روئے زمین پر شاید کوئی جاندار زندہ نہ بچے؛ لیکن وہ ایک وقت مقررہ تک انہیں ڈھیل دے رہا ہے، پھر جب ان کا وقت آ جائے گا تو کامل عدل کا نظام حرکت میں آجائے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

سورۂ یٰس: یہ سورت اپنے اندر بے پناہ فضائل رکھنے کے باعث بہت زیادہ تلاوت کی جاتی ہے۔ نیم مردوں کے سرہانے پڑھنے کا بھی عام رواج ہے۔ یہ دراصل

قرآن کریم کا دل ہے۔ عارف باللہ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دل انسانی حیات کا ضامن ہے اور عقیدۂ آخرت ایمانی حیات کا ضامن ہے اور اس سورۂ یٰس میں دراصل اسی عقیدۂ آخرت کو مختلف پیرائے میں بڑے منفرد و مؤثر انداز پر پیش کر دیا گیا ہے۔

ابتدا میں قرآن کریم کی حکمتوں کا بیان ہے، نیز یہ کہ نزولِ قرآن کا مقصد غافل لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہے اور ان پر حق کی حجت کو قائم کرنا ہے؛ لیکن کچھ سرکش لوگ ایسے ہیں کہ جن پر دعوتِ حق اثر انداز نہیں ہوتی۔ دعوتِ حق انہی پر اثر انداز ہوتی ہے جو نصیحت کو قبول کریں اور جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو۔

اگلی آیات میں اِس امر کا بیان ہے کہ اللہ تعالی نے دعوتِ حق و توحید کے لیے اپنے اَنبیا ایک بستی (انطاکیہ) کے مشرکین کی طرف بھیجے، جب وہ پیغام ہدایت لے کر وہاں پہنچے تو بستی والے راہِ ہدایت پر چلنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، اُن پیغمبروں کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ ان سے بدفالی لیتے ہوئے کہا کہ تمہاری نحوست سے ہم مہنگائی اور باہمی اختلافات کی پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نحوست کی اصل وجہ تمہاری ہٹ دھرمی اور اللہ کے پیغام کو تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ نیز یہ کہ انہیں سنگسار کرنے اور دردناک عذاب دینے کی دھمکی دی۔ انبیا نے ان پر حجت الٰہیہ کو قائم کر دیا۔ اسی اثنا میں بستی والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص (حبیب نجار جو دعوتِ حق کو قبول کر چکا تھا) دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو، اسی میں تمہارے لیے خیر ہے کہ یہ تم سے اولاً کچھ اجر و اِنعام طلب نہیں کر رہے ہیں، اور پھر وہ ہدایت پر بھی ہیں۔

مزید تفصیلات آئندہ پارے میں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اپنے مخلصین میں شامل فرمائے، تعلیماتِ قرآنی کو فروغ دینے اور جو کچھ سنتے ہیں ان پر پورا پورا عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ

تیئیسواں پارہ

تیئیسواں پارہ سورۂ یٰسین کا تسلسل ہے جس کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ حبیب نجار نے قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ لوگو! جس اللہ نے ہمیں پیدا کیا اور اسی کی طرف ہم کو لوٹ کر جانا بھی ہے تو پھر ہمیں عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے اور مفادات سے بالاتر ہو کر جو لوگ ہمیں پیغام حق پہنچانے آئے ہیں ہمیں ان کی دعوت پر لبیک بھی کہنا چاہیے مگر قوم اپنے ظلم وستم سے باز نہ آئی اور قاصدین حق کے قتل پر آمادہ ہوگئی۔

حبیب نجار نے قوم کی بجائے اللہ والوں کا ساتھ دیا اور ایمان کے تحفظ اور دین حق کی حمایت میں اپنی جان داؤ پر لگا دی اور تینوں اللہ والے شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہوگئے۔ حق کے دفاع اور حمایت میں اس عظیم الشان قربانی پر اللہ کا نظام غیبی حرکت میں آ گیا اور فرشتے نے فصیل پناہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک زوردار چیخ ماری جس کی ہولناکی اور دہشت سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ انہیں ہلاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کے لشکر نہیں بھیجنے پڑے؛ اس لیے مشرکین مکہ کو مشرکین انطاکیہ کے اس عبرتناک انجام سے سبق سیکھ لینا چاہیے۔

ان کی شہادتِ عظمٰی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں داخل کر دیا۔ جنت میں جانے کے بعد جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے اللہ ان نعمتوں کا مشاہدہ کر لیا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے تیار کر رکھی ہیں تو بے ساختہ حبیب نجار کی زبان سے یہ نکلا کہ اے کاش! میری قوم کے لوگوں کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ (میں کامیاب ہو گیا ہوں اور) میرے پروردگار نے میری بخشش فرما کر مجھے جنت میں داخل کر دیا ہے۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وجلالت کو بیان کیا کہ سورج، چاند اور سیارے

قادرِ مطلق کے نظم کے تابع چل رہے ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ان میں کوئی فساد یا ٹکراؤ ہو جائے۔ مظاہر قدرت بلاشبہ عظیم خالق و مدبر کی صفاتِ عالیہ کے عظیم آثار ہیں۔

مظاہر قدرت جہاں حق کے آثار ظاہر کررہے ہیں وہیں ان کا جوڑوں کی صورت میں ہونا آخر کے واقع ہونے کی دلیل ہے۔ جس طرح ہر مخلوق جوڑے کی صورت میں ہے اسی طرح دنیوی زندگی کا جوڑا آخرت کی زندگی ہے۔

آیت ۱۲ سے پھر یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سواریوں کو بھی جوڑوں کی صورت میں بنایا ہے، ایک وہ ہیں جو کشتیوں اور جہازوں کی صورت میں دریاؤں اور سمندروں میں چلتی ہیں اور دوسری وہ ہیں جو خشکی پر رواں دوا ہیں، یہ بڑی جسامت والے، سواری اور باربرداری کے جانور اور دورِ جدید میں ایجاد ہونے والی گاڑیوں اور ریل کی صورت میں ہیں۔ پھر ان سواریوں میں محفوظ سفر بھی اللہ ہی کی رحمت سے ممکن ہے۔ اگر سمندر میں طغیانی آجائے اور کشتیاں ڈوبنے لگیں تو کون ہے جو ہمیں ڈوبنے سے بچائے سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے!۔

اس کے بعد تقویٰ اختیار کرنے اور غرباؤ مساکین پر خرچ کرنے کی تلقین کے ساتھ مشرکین کی ہٹ دھرمی اور ضلالت کا تذکرہ اور قیامت قائم کرنے کے فوری مطالبہ پر مخصوص اسلوب میں تنبیہ ہے کہ یہ لوگ بس ایک زوردار چیخ کے منتظر ہیں جو انہیں بھرپور زندگی گزارتے ہوئے اچانک آلے گی اور انہیں اپنے اہل خانہ تک پہنچنے اور کسی قسم کی وصیت کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔

اس کے بعد قیام قیامت کی منظرکشی کی گئی ہے کہ جیسے ہی صور پھونکا جائے گا لوگ قبروں سے نکل کر اتنی بڑی تعداد میں اپنے رب کے سامنے حاضری کے لیے چل پڑیں گے کہ وہ پھسلتے ہوئے محسوس ہوں گے اور بے اختیار پکار اٹھیں گے کہ ہمیں قبروں سے کس نے نکال باہر کیا، پھر خود ہی یہ کہنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ یہ تو رحمان کے وعدہ کی عملی تفسیر

ہے اور رسولوں نے بالکل سچ کہا تھا۔ اب خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے، اسے میدانِ حشر میں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے حاضر ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد ظلم سے پاک محاسبہ اور جیسی کرنی ویسی بھرنی کے ضابطہ کے مطابق جزا وسزا کا عمل ہوگا۔

جنت والے اپنے مشغلوں میں شاداں وفرحاں ہوں گے، گھنے سائے میں اپنی بیگمات کے پہلو بہ پہلو مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جو طلب کریں گے وہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ رب رحیم کی طرف سے انہیں سلامیاں دی جا رہی ہوں گی۔ اس کے بالمقابل مجرموں کو روزِ قیامت شرم دلائی جائے گی کہ تمہیں شیطان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا تھا لیکن تمہاری اکثریت نے اس ملعون کی عبادت کی، تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے؛ لیکن تم شیطان کے راستے پر چل نکلے۔ لہٰذا آج تمہارے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں (اور دیگر اعضا) سلطانی گواہ بن کر اللہ تعالی کی عدالت میں ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم سے دنیا میں کیا کیا جرائم کرائے جاتے رہے ہیں۔

چونکہ اس سورت میں زیادہ تر بحث بعث بعد الموت کے حوالے سے ہے؛ اس لیے اس کا اختتام بھی منکرینِ آخرت کے اس عقلی سوال کے جواب پر ہو رہا ہے کہ جب انسان مر جائے گا اور ہڈیاں تک بوسیدہ ہو جائیں گی، تو دوبارہ کون زندہ کرے گا؟۔ اس کا جواب دیا کہ دوبارہ بھی وہی خالق تبارک وتعالی زندہ کرے گا جس نے بغیر کسی نام ونشان کے پہلے پیدا کیا تھا۔ مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے کن (ہو جا)، تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے، کن کہنا بھی ضروری نہیں ہے صرف اللہ تعالی کا اِرادہ کافی ہے۔

سورۂ صافات: یہ مکی سورت 'صافات' یعنی فرشتوں کے ذکر سے شروع ہوتی ہے؛ کیوں کہ وہ دربارِ خداوندی میں صف بندی کا اہتمام کرتے اور قطار اندر قطار حاضری

دیتے ہیں۔ اس سے حیاتِ انسانی میں قطار کی اہمیت بھی اُجاگر ہو جاتی ہے۔ پہلے شریر جناتوں کا داخلہ عالمِ بالا کی طرف ہوتا تھا مگر اب ان کا داخلہ عالمِ بالا میں بند ہو گیا ہے۔ اب جب وہ چوری چھپے ملأ اعلیٰ کی خبریں سننے کی کوشش کرتے ہیں تو شہابِ ثاقب ان کا تعاقب کرتے ہیں اور انھیں وہاں سے مار بھگاتے ہیں۔

اگلی آیات میں دوزخیوں کی باہمی لعن طعن کے علاوہ جنتیوں کا آپس میں مکالمہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ ایک جنتی اپنے ہم مجلس دوستوں سے کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک دوست تھا جو کہ میرے قیامت کے عقیدہ پر اِستہزا و تمسخر کیا کرتا تھا وہ آج یہاں نظر نہیں آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر تم اسے دیکھنا چاہو تو نیچے جھانک کر دیکھ لو وہ جب جھانکے گا تو اسے جہنم کے عذاب میں مبتلا نظر آئے گا۔ جنتی اس سے کہے گا کہ تو تو مجھے گمراہ کرنے پر کمر بستہ رہتا تھا یہ تو اللہ کا فضل و کرم ہوا کہ اس نے تمہارے بہکاوے سے مجھے بچا لیا؛ ورنہ میں بھی تمہاری طرح جہنم کی گہرائیوں میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔

حضرت مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے پیچھے نماز پڑھی، جب وہ سورت کی اس آیت پر پہنچے :

وَقِفُوهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ o

اور انھیں (صراط کے پاس) روکو، اُن سے پوچھ گچھ ہوگی۔

تو اس آیت سے اس قدر متأثر ہوئے کہ اسی کو بار بار دہراتے رہے اور ان کے گریہ و بکا نے انھیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ (الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۹۸ حدیث: ۹۳)

اس کے بعد یہ سورت بعض انبیاے کرام کے قصص کو بیان کرتی ہے۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مختصر تذکرہ ہے کہ ایمان والوں کو قلت تعداد کے باوجود نجات اور کافروں کو کثرت تعداد کے باوجود غرقابی ہاتھ آئی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ دو مرحلوں میں بیان ہوا ہے۔ پہلے مرحلے میں ان کی دعوتِ توحید کہ انھوں نے اپنی

قوم کو دعوتِ حق و ہدایت دی مگر وہ مشرف با سلام ہونے کی بجائے ہٹ دھرمی پر اُتر آئے اور انھیں آگ میں ڈالنے کی ترکیبیں کرنے لگے، جن سے اللہ نے انھیں بچالیا۔

دوسرے مرحلے پر ذبح وفدا کا بے مثال مشہور واقعہ مذکور ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو خواب میں دکھلایا کہ وہ اپنے بہت عزیز بیٹے جناب اسماعیل کے گلے پر چھری چلا رہے ہیں۔ واقعہ یوں ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ننھے اسماعیل سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے؟۔ جناب اسماعیل نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر جواب دیا کہ بابا! آپ وہ کام کر گزریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، اس معاملے میں آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ جب حضرت ابراھیم نے اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹایا تو اسماعیل کے بدلے جنتی مینڈھے کی قربانی عمل میں آئی، اور اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم سے پکار کر فرمایا کہ اے میرے خلیل! آپ نے اپنے خواب کو بالکل سچا کر دکھایا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جناب ابراھیم و اسماعیل کی قربانی اور ذبح عظیم کو قبول فرما کر جہاں اُخروی جزا کو اُن کا مقدر بنا دیا وہیں رہتی دنیا تک کے لیے آپ کی قربانی کو ایک مثال بھی بنا دیا کہ ہر سال اُمت محمد یہ ذبح عظیم کی اس بے مثال تاریخ کو دہرا کر ملت براہیمی سے اپنی وابستگی کا اعلان واعتراف کرتی ہے۔

اس کے بعد دیگر انبیاے کرام مثلاً حضرات اسحاق، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط اور یونس علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ یہ سارے تذکرے ماضی میں تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں؛ اس لیے ان کے اعادے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ اگلی آیات میں اللہ سبحانہ وتعالی نے مشرکین کی اس بات کی بھی تردید کی ہے کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتلاتے تھے جب کہ اللہ تعالی کی کوئی اولاد نہیں ہے، وہ شانِ لم یلد ولم یولد سے متصف ہے۔ فرشتے تو اللہ کے عبادت گزار بندے ہیں جو صف باندھ کر اللہ تعالی کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کا ثواب بڑی ترازو میں تولا جائے

تو وہ مجلس کے اِختتام پر (صافات کی آخری تین آیتیں یعنی) سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ لیا کرے۔

سورۂ ص: سورت کے آغاز میں خداوندقدوس نے قرآن عظیم کی قسم کھائی ہے، یہ قسم یا تو قرآن کے معجزہ ہونے پر ہے یا صاحب قرآن محمد عربی کی صداقت وامامت پر۔ پھر قرآن کریم کے کتابِ نصیحت ہونے کے بیان کے ساتھ ہی منکرین توحید کے لیے عذابِ الٰہی کی وعیداور پھرانبیاے کرام علیہم السلام کا ذکر ہے جس میں اختصاراور تفصیل کی دونوں صنعتوں کی جھلک دکھائی گئی ہے۔

اگلی آیات میں ان مشرکین کوخطاب کیا گیا جنہیں اپنی طاقت پرناز تھااور خدائی کے دعوے کرتے تھے کہ اگرآسمانوں اورزمین اوراُن کے درمیان ہر چیز کی بادشاہت ان کی ہے تو پھرانہیں چاہیے کہ آسمانوں کی طرف چڑھیں اور ظاہر ہے کہ ایساممکن نہیں ہے، تو پھر انہیں اپنے عجز واپاہج پن کا اِعتراف واقرر کرلینا چاہیے۔ پھرآگے قومِ نوح، عاد وفرعون، ثمود، قومِ لوط اوراصحاب الایکہ وغیرہ کا واقعہ ایک بار پھرذکرہوا ہے کہ انہوں نے رسولوں کوجھٹلایا توان پرعذابِ الٰہی کی بارش برسی اوروہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔

اس کے بعد حضرت داؤد کی دستکاری، انابت الی اللہ اورخوش الحانی سے تلاوت زبورکا بیان ہے کہ جس میں پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ چہچہانے لگ جاتے تھے۔ نیز انھیں سلطنت وحکمت اورقولِ فیصل عطا کیے جانے کی وضاحت کے بعدان کے پاس دائرایک مقدمے کا ذکر ہے کہ آپ اپنے محل میں لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک وہاں دولوگ داخل ہوئے۔ آپ کوان کے اچانک داخل ہونے پرکچھ تشویش ہوئی تو وہ عرض کرنے لگے کہ دراصل ہم آپ سے ایک تنازعے کا فیصلہ کروانے کے لیے آئے ہیں۔

چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ میرے بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اورمیرے

پاس ایک ہی دنبی ہے اور وہ مجھ پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ میں وہ ایک بھی اسی کو دے دوں۔ آپ نے دوسرے شخص کی بات سننے سے پہلے ہی دوسرے شخص کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے اس کی دنبی کے بارے میں سوال کر کے زیادتی کا اِرتکاب کیا ہے؛ کیوں کہ تمھارے پاس تو پہلے ہی ننانوے دنبیاں موجود ہیں۔ پھر یکلخت آپ کے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے دوسرے فریق کا موقف بھی سن لینا چاہیے تھا۔ آپ کو اپنی رائے پر شدید صدمہ لاحق ہوا اور فوراً اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ مالک کائنات نے جب اپنے عظیم بندے کو اپنے سامنے جھکے ہوئے دیکھا تو ان پر کرم کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ اے داؤد! آپ زمین پر خلیفہ ربانی ہیں؛ لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور کسی معاملے میں اپنی خواہش کی کبھی بھی پیروی نہ کریں۔

پھر اس کے بعد آیت ۳۱ سے اللہ کے بہت اچھے بندے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے پیغمبر حضرت سلیمان کی نبوت وحکومت کا ذکر آیا ہے جس کی تفصیلات پہلے شرح وبسط کے ساتھ گزر چکی ہیں۔

آیت ۴۱ سے حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کے مصائب وکرائب کا ذکر ہے کہ وہ لمبے عرصے تک بیمار رہے اور اس بیماری نے انھیں بالکل لاغر و بے بس بنا دیا۔ پھر حکم الٰہی ہوا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں، ان کے پاؤں کی ضرب سے غسل اور پینے کے لیے ٹھنڈا پانی نکل آیا اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ان کے لیے وسیلہ شفا بھی بنا۔ پھر اللہ تعالی نے آزمائش کے طور پر اہل وعیال کی جو نعمتیں ان سے سلب فرمائی تھیں وہ اُن کو دگنی مقدار میں دوبارہ عطا فرما دیں۔ انہوں نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم سے بری ہونے کے لیے ان کو یہ تدبیر بتائی کہ سو تنکوں کا ایک جھاڑو بنا کر ایک ضرب لگائیں تو یہ قسم پوری ہو جائے گی۔ مفسرین نے حضرت ایوب کے مصائب کے حوالے سے بہت سی اسرائیلی روایات نقل کی ہیں، یاد رہے کہ اللہ کے نبی کی

طرف منسوب ہر اس بات کو رد کر دینا چاہیے جو مقامِ نبوت کے شایانِ شان نہ ہو۔

اگلی آیات میں ایک بار پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولادِ امجاد انبیا کا ذکر ہے کہ یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے چنیدہ، برگزیدہ اور پسندیدہ بندے تھے۔

آیت اے سے ایک بار پھر آدم علیہ السلام کی تخلیق، تمام فرشتوں کے انہیں سجدہ کرنے اور تکبر کی بنا پر شیطان کے سجدے سے اِنکار کا ذکر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے شیطان سے جواب طلب فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ جب آدم کو میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا تو تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے کون سی چیز مانع ہوئی؟ تو اس نے از راہِ تکبر کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں کہ میرا مادۂ تخلیق (آگ) آدم علیہ السلام کے مادہ تخلیق (مٹی) سے افضل ہے۔ اللہ نے فرمایا: تو مردود ہے، جنت سے نکل جا اور قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی خطاے (اجتہادی) کو تسلیم کرنا اور اس پر اللہ سے معافی مانگنا آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور اپنی معصیت پر ڈٹ جانا اور اس کو درست ثابت کرنے کے لیے دلیل کا سہارا لینا یہ ابلیس کا شعار ہے۔ اگلی آیات میں بتایا کہ شیطان کو قیامت تک کے لیے مہلت دے دی گئی اور اس نے عہد کیا ہے کہ میں اللہ کے مخلص بندوں کے سوا تمام اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ شیطان نے انسان کو نہ مانا تو اللہ نے اس پر لعنت بھیج کر اسے نکال دیا۔ اور انسان کے دشمن کو اللہ نے اپنا دشمن کہا۔ اب اگر انسان اللہ کے دشمن سے دوستی کرے تو یہ بڑے افسوس کا مقام ہوگا!۔

سورۂ زمر: 'زمر' کے معنی ہیں جماعتیں اور گروہ؛ چونکہ سورت کے آخر میں جنت اور جہنم کے لیے لوگوں کی جماعتوں کی روانگی کا ذکر ہے؛ اس لیے یہ سورت 'زمر' کے نام سے موسوم ہوگئی۔ سورت کی ابتدا میں حکم فرمایا گیا کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کرو۔ مشرک یہ کہتے کہ ہم اپنے معبودوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب

کر دیں گے۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور کافروں کو کبھی راہِ ہدایت نہیں ملا کرتی۔

اگلی آیات میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، گردشِ لیل ونہار کا نظام بنایا اور سورج اور چاند کے لیے اپنا اپنا مدار اور منزلیں مقرر کیں۔ پروردگارِ عالم نے تمام انسانوں کو ایک جان آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور انہی سے ان کا جوڑا (حوا کو) پیدا کیا اور وہی ہے جو ماں کے پیٹ کے اندر تہ در تہ ظلمتوں میں جنین کی پرورش کرتا ہے۔

یہ قرآن کا علمی اعجاز ہے کہ وہ ایک ایسی طبی حقیقت کا صدیوں پہلے اعلان کر چکا ہے جس حقیقت کا حکما اور ڈاکٹروں کو اب بیسویں صدی میں جا کر علم ہوا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بظاہر دیکھنے میں جنین کے رہنے کا بس ایک ہی پردہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ تین پردے ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان تین پردوں کو تین تاریکیاں اس لیے قرار دیا ہے کہ وہ پردے بچے کو روشنی سے بچائے رکھتے ہیں۔

مشرک ومومن کا فرق واضح کرنے کی بہترین مثال کہ ایک شخص غلام ہو اور اس کی ملکیت میں بہت سے لوگ شریک ہوں اور دوسرا ایک ہی شخص کا غلام ہو۔ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مشرک ومومن بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ان تمام باتوں کی حقانیت کا مشاہدہ کرنے کے لیے آپ بھی مریں گے اور یہ لوگ بھی مریں گے، پھر تم اپنے رب کے حضور تمام صورتحال بیان کر کے فیصلہ حاصل کر لو گے۔

حضرت یحییٰ بن فضل ابیسی کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن منکدر (م ۱۳۰ھ) کے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک دورانِ نماز سسکنے لگے، پھر گریہ وبکا شروع کر دی اور اتنا روئے کہ اَفرادِ خانہ گھبرا گئے، اور بے تابانہ ان سے وجہِ گریہ پوچھنا شروع کر دیا، آپ نے ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور سلسلہ آہ وبکا جاری رکھا، چنانچہ حضرت ابو حازم کو معاملہ کو بلوایا گیا۔ چنانچہ حضرت ابو حازم تشریف

لائے ، آپ نے بھی انھیں روتا ہوا پا کر رونے کا سبب پوچھا کہ میرے بھائی! آخر کس چیز نے آپ کو اِتنا رونے پر مجبور کیا کہ پورا گھر پریشان ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا: دراصل دورانِ نماز قرآنِ حکیم کے سورۂ زمر کی ایک ایسی آیت سے میرا گزر ہوا جس نے بے ساختہ مجھے رلا دیا۔ پوچھا: کون سی آیت؟۔ فرمایا :

وَ بَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ o

اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ (عذاب) ظاہر ہوگا جس کا وہ تصور بھی نہیں کرتے تھے۔

یہ سن کر حضرت ابو حازم بھی رو پڑے اور دونوں کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ گھر والوں میں سے کسی نے حضرت ابو حازم سے عرض کیا کہ حضور! ہم نے تو آپ اس لیے بلایا تھا کہ آپ ان کا کچھ غم ہلکا کر دیں گے؛ مگر آپ نے تو ان کا درد و سوز اور بھی بڑھا دیا۔ چنانچہ انھوں نے افرادِ خانہ کو واقعہ کی نوعیت سے آگاہ کیا۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/۱۶۰)

پارے کے اخیر میں فرمایا کہ ہم نے نصیحت کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں، یہ قرآن عربی ہے اور اس میں کسی بھی جہت سے کوئی کجی نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالی دو شخصوں کی مثالیں بیان فرماتا ہے: ایک وہ ہے جو کئی متضاد خیالات لوگوں کی غلامی میں ہے اور دوسرا وہ ہے جو صرف ایک شخص کا غلام ہے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی جو اللہ وحدہ لا شریک کا بندہ ہے، اس کا قلب ایمان وایقان اور نورِ ہدایت کی نعمت سے معمور ہوگا اور اسے صرف ایک مالک کو راضی کرنا ہے، یہ مومن کامل ہے۔ اور مشرک جو باطل معبودوں کا پجاری ہے، وہ تشکیک اور وہم میں مبتلا رہتا ہے اور اسے سجھائی نہیں دیتا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس معبود کو راضی کرے اور کس کو ناراض!۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی کامل بندگی کا شعور عطا کرنے کے ساتھ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی غلامی بھی نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

چوبیسواں پارہ

چوبیسویں پارے کے آغاز میں انسانوں کے در کردار اور پھر ہر کردار کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پہلا کردار اس بدنصیب انسان کا ہے جو اللہ کے ساتھ جھوٹ منسوب کرتا ہے اور سچی بات کو جھٹلاتا ہے، ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس کے برعکس وہ انسان ہے جو ہمیشہ حق بیان کرتا ہے اور جب بھی اس کے سامنے حق آجائے اسے نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ اس کا ساتھ دیتا ہے۔ ایسے سعادت مند ہی متقی ہیں، اللہ ان کے چھوٹے ہی نہیں بڑے گناہ بھی معاف فرمادے گا اور حق کا ساتھ دینے کا بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ انھیں ہر وہ نعمت فراہم کی جائے گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیند کو عارضی موت سے تعبیر کیا اور بتایا کہ نیند اور موت میں اتنا ہی فرق ہے کہ موت کی صورت میں بندے کی روح عارضی طور پر نہیں بلکہ مدت دراز کے لیے قبض کرلی جاتی ہے، اور نیند کی حالت میں وقتی طور پر نکال لی جاتی ہے پھر جس کی موت کا وقت آچکا ہو اس کی روح واپس نہیں کی جاتی اور جس کا ابھی وقت نہ آیا ہو اس کی روح واپس کردی جاتی ہے۔ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً درسِ عبرت اور سامانِ نصیحت موجود ہے۔

آیت ۴۹ سے بتایا جارہا ہے کہ انسان جب تکلیف سے دوچار ہوتا ہے تو گڑگڑا کر اللہ کو مدد کے لیے پکارتا ہے۔ جب اللہ تکلیف دور کردیتا ہے اور اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ اس نعمت کے حصول کو اپنی صلاحیت اور تدبیر کا نتیجہ قرار دے کر اللہ کی ناشکری کرتا ہے۔ ماضی میں بھی انسانوں کی یہ روش رہی ہے اور انھیں اس کی سزا ملی اور آج کا انسان بھی اس بیماری کا شکار ہے۔ اگر یہ اپنی ناشکری کی اس حرکت سے باز نہ آئے تو انھیں بھی عذاب کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

آیت ۵۳ میں بندوں پر اللہ کی خصوصی رحمت اور اس کے فضل واحسان کا بیان ہے کہ وہ خطا کاروں، مجرموں اور کافروں کے لیے رحمت وتوبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا ہے اور انھیں خود توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتا رہتا ہے، یعنی وہ گنہ گاروں کو مایوس نہیں کرتا بلکہ ان کے دل میں اُمید وبیم کا چراغ روشن کرتا ہے۔ اسی ضمن میں اس نے گناہگارانِ امت کو بشارت دیتے ہوئے اپنے نبی کی زبانی کہلوایا: (اے رسولِ گرامی وقارﷺ!) فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو جو گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر چکے ہیں، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ یعنی جو اللہ کی راہ سے بھٹک چکا ہے، اسے امید دلائی گئی ہے کہ سچی توبہ کے ذریعے واپسی کا راستہ باقی ہے۔

پھر اخیر میں بتایا کہ کافروں کو گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور وہاں ان کا استقبال توہین آمیز انداز میں ہوگا، جبکہ اہلِ ایمان کو اکرام کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہاں ان کا استقبال اِعزاز واِکرام کے ساتھ ہوگا۔ اور وہ اپنے اعمال ومآل پر اِترانے کی بجائے اللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوں گے۔

سورۂ مؤمن/ غافر: اس سورت میں ایک مردِ مومن کی حق گوئی وبے باکی کا تذکرہ ہے نیز اللہ کے لیے غافر (گناہوں کو معاف کرنے والا) کی صفت کا اطلاق کیا گیا ہے؛ اس لیے اسے سورۂ 'مومن'، یا غافر' کہہ دیا جاتا ہے۔ اس سورت کا آغاز حروفِ مقطعات 'حمٓ' سے ہوا ہے، ایسی سورتوں کی تعداد قرآن میں سات ہے، انھیں اصطلاحاً 'حوامیم سبعہ' اور 'آل حمٓ' بھی کہتے ہیں۔ ان سورتوں کی ترتیب نزولی وترتیب تلاوت دونوں برابر ہے یعنی جس ترتیب سے مصحف میں موجود ہیں اسی ترتیب سے نازل بھی ہوئی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز 'آل حمٓ' ہیں۔

سورت کی ابتدا میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائمی معجزہ 'قرآن' کا بیان ہے جو کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود آپ کی نبوت کی صداقت کا گواہ ہے۔اللہ کے علوم ومعارف پر قدامت اور کہنگی کا اثر نہیں ہوتا وہ آج بھی تازہ اور زندہ کلام ہے، اور صبح قیامت تک کلامِ نو کا مزا دیتا رہے گا۔سائنسی ترقیاں اور جدید تحقیقات اس کے بیان کردہ علمی حقائق کی تصدیق کرتی جارہی ہیں۔انسان جیسے جیسے ترقی کے مدارج طے کرے گا قرآن اس کی پیشوائی اور رہنمائی کرتا نظر آئے گا۔

آیت ۷ میں فرمایا کہ وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے، سو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی اِتباع کی، ان کی مغفرت فرما اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔اس آیت میں بتایا گیا کہ اللہ کے مقرب فرشتے نہ صرف اس کے تائب بندوں کے لیے بلکہ ان کے صالح آباؤاجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کے لیے بھی جنت کی دائمی نعمتوں کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

قرآن کا ایک خاص اسلوب ہے کہ ترغیب کے بعد ترہیب، جنت کے بعد دوزخ اور اہل ایمان کے بعد اہل کفر کا تذکرہ کرتا ہے تو اسی قبیل سے یہاں بھی پہلے نیکوں کا ذکر کرکے اب کفار وفجار کا حال بتایا جارہا ہے کہ کافر جہنم میں پڑے ہوئے، اور دوبارہ زندہ ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا اعتراف بھی کریں گے مگر ان کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ قیامت کا دن دراصل بندوں کے درمیان عدل وانصاف کا دن ہوگا اور آج کے دن ہر شخص کو اس کے نیک یا بدعمل کا بدلہ بغیر کسی ظلم وزیادتی کے پورا پورا مل کر رہے گا۔وہاں ظالموں اور نابکاروں کا کوئی حمایتی وسفارشی نہ ہوگا، اللہ خیانت کرنے والی آنکھوں اور سینوں میں چھپے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

فرعون، ہامان اور قارون جو کہ اقتدار اعلیٰ، اِنتظامیہ اور سرمایہ داری کے نمائندے ہیں ان کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری آیات اور معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے؛ تو انہوں نے انہیں - معاذ اللہ - جادوگر اور جھوٹا قرار دیا اور اس کے بعد انہی واقعات کا ذکر ہے جو اس سے پہلے بارہا گزر چکے ہیں۔ مزید انھوں نے یہ کہا کہ موسیٰ دراصل لوگوں کا دین بگاڑ رہا ہے اور زمین میں فساد برپا کر رہا ہے؛ اس لیے ہم اس کے خلاف یہ اقدامات کر رہے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی پناہ اور حفاظت طلب کی تو فرعون کے خاندان کا ایک با اَثر مردِ مومن (جو خفیہ طور پر مشرف باسلام ہو چکا تھا) کھڑا ہو گیا اور لسانی، قومی اور سیاسی تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کا واضح اعلان کر دیا اور ببانگ دہل بولا کہ 'کیا تم ایک ایسے شخص کے قتل کے درپے ہو، جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، جبکہ وہ تمہارے پاس واضح دلائل اور روشن معجزات بھی لے کر آیا ہے لیکن فرعون اپنی بات پر اَڑا رہا اور اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ صرف میری رائے ہی درست ہے، اور میرا سوچا سمجھا فیصلہ یہی ہے کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے، اس سے کم درجہ کی کوئی بات قابل قبول نہ ہو گی۔

اگر آج ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آج کے ڈکیٹٹروں کا مزاج بھی وہی ہے جو کل کے ڈکیٹٹروں کا تھا، وہ اپنے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، پوری انسانیت ایسے ہی ڈکیٹٹروں کے نرغے میں ہے اور خود اُمت مسلمہ کی گردنوں پر بھی ایسے خودسر اور متکبر مسلط ہیں جو اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں اور کسی بڑے سے بڑے عالم کی رائے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے!۔

وہ 'مردِ مومن' بڑے مؤثر انداز میں سلگتے حقائق بیان کرتا رہا، پھر بولا کہ اے میری قوم! ذرا سوچو کہ آج تو زمین پر تمہاری حکومت ہے؛ لیکن اگر ابھی اللہ کا عذاب آ گیا تو پھر ہمیں اس سے کون بچا سکے گا!۔ آخر میں اس نے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ کہا

کہ اے قوم! تم آج تو میری بات نہیں مان رہے ہو؛ مگر عنقریب میری باتیں تمہیں یاد آئیں گی؛ لیکن اس وقت کی ندامت تمہارے کام نہ آسکے گی۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کررہا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے اسے ظلم وستم سے بچا کر فرعون اور اس کے تمام لاؤ لشکر کو بدترین عذاب میں مبتلا کردیا۔

پھر قیامت کے دن مجرموں کا باہمی جھگڑا اور اپنے جرائم کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے کی مذموم حرکت کو ذکر کرکے بتایا کہ وہ ایک آدھ دن کے لیے ہی جہنم کے عذاب میں تخفیف کی درخواست کریں گے؛ مگر وہ بھی پوری نہیں کی جائے گی۔یعنی ظالموں کی عذر خواہی انہیں کچھ کام نہ آئے گی، اور ان کے لیے لعنت ہے اور بہت ہی برا گھر۔

اگر انسان خارجی کائنات پر غور وفکر کرنے کی بجائے خود اپنی تخلیق ہی میں غور ونظر کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے، ہر انسان اپنی تخلیق میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے، ان میں سے ہر مرحلہ ہی بڑا عجیب اور حیران کن ہوتا ہے۔ بے جان مٹی سے اس کی ابتدا ہوتی ہے، پھر نطفہ، جما ہوا خون، گوشت کی بوٹی، ہڈیاں، ڈھانچہ، جان، عقل، سمع، بصر، پورے جسم میں ہزاروں میل لمبی پھیلی ہوئی رگوں کا جال، خون کی گردش، دل کی حرکت، تین سو ساٹھ جوڑ وغیرہ۔

پھر پیدا ہوتا ہے تو از حد کمزور وعاجز، نہ طاقت گفتار، نہ کچھ تمیز وعرفان، پھر اسے اللہ عقل وفہم اور قوت وادراک سے نوازتا ہے، بچپن کے بعد جوانی کی حدود میں قدم رکھتا ہے، پھر بڑھاپا اسے آلیتا ہے، اور انسان ویسے ہی ہوجاتا ہے جیسے بچپن میں تھا، نظر کمزور، عقل میں خلل، اعضا میں ضعف، حواس میں تعطل، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے عاجز، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے، موت بھی اس کی تخلیق کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے۔موت کے بعد دوبارہ زندگی دی جاتی ہے تاکہ اس کی تخلیق کے بقیہ مراحل کی بھی تکمیل ہوجائے۔

ایک طرف انسانی زندگی کی یہ عجوبہ کاریاں اور قدرت الٰہیہ کی زندہ نشانیاں ہیں تو دوسری طرف آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کا انکار واعراض جو یہ بھول ہی جاتے

ہیں کہ ہم مٹی اور نطفہ سے بڑھاپے اور موت تک کن مراحل سے گزرتے ہیں اور کون ہے جوان سارے مراحل کی نگرانی کرتا ہے!۔

آیت ۷۷ سے اللہ تعالی نے فرمایا کہ بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے، ہم نے ان میں سے بعض کے واقعات آپ کے سامنے بیان کیے ہیں اور بعض کے واقعات بیان نہیں کیے؛ لیکن سورۂ ہود کی آیت ۱۲۰ میں فرمایا کہ ہم آپ کے سامنے تمام رسولوں کی خبریں بیان کررہے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاے کرام کے احوال بتادیے گئے تھے۔ قرآن میں جن انبیاے کرام کے نام بتادیے گئے ہیں ان پر نام بنام ایمان لانا فرض عین ہے اور دیگر انبیاے کرام علیہم السلام پر تعداد کے تعین کے بغیر (یعنی ان کی حقیقی تعداد کو اللہ کے علم کی طرف مفوض کرکے) اِجمالی طور پر ایمان لانا فرض ہے۔

سورۂ فصلت/سجدہ: اس سورت کا اصل نام تو فصلت ہے، لیکن سجدۂ تلاوت آجانے کی وجہ سے اسے 'سورۂ سجدہ' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کے رحمان ورحیم کا کلام ہونے کی خبر کے ساتھ ہورہا ہے۔

آیت ۵ میں کفار کی انتہائی سرکشی کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ کہتے ہیں: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلارہے ہیں، ہمارے دلوں میں اس پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ حائل ہے سو نہ تو ہم آپ کی دعوت سمجھتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ ہی آپ کو دیکھ پاتے ہیں، یعنی وہ کسی بھی طور پر قبولِ حق کے لیے تیار نہیں تھے۔ مشرکین کے ہذیان ویاوہ گوئی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ آپ اپنی شخصیت کا تعارف اور اپنی بعثت کا مقصد بتادیجیے کہ مجھے فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں، میں بشری تقاضے اور ضروریات رکھنے والا تمہاری طرح انسان ہوں لیکن یادرکھنا کہ اللہ نے مجھے وحی ورسالت

کے ذریعہ درجۂ اختصاص و امتیاز بخشا ہے۔

اس کے بعد اس کائنات کی تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالی کی بے پایاں قدرت وجلالت کا ذکر ہے؛ لیکن ان کھلی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود منکر قومیں ایمان نہیں لاتیں اور قادر و قیوم پروردگار کے حضور سجودِ نیاز نہیں گزارتیں۔

اگلی آیتوں میں قوم عاد و ثمود کی تاریخ سے درس عبرت حاصل کرنے کی تلقین ہے کہ ان کے پاس توحید کا پیغام لے کر رسول آتے رہے۔قوم عاد کو حیرت انگیز جسمانی قوت عطا کی گئی، ان کی طاقت کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک شخص پہاڑ سے چٹان توڑ کر الگ کر دیتا تھا، چاہیے تو یہ تھا کہ وہ قوت وطاقت کی عطا پر شکر مولا بجالاتے لیکن وہ بجائے شکر گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے اور فخر یہ انداز میں کہنے لگے کہ 'ہم سے زیادہ طاقت والا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے'۔

ان کی اس حماقت و نادانی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے انھیں جواب دیا گیا کہ کیا تم اپنے اُس خالق و مالک کو بھول گئے جس نے تمھیں پیدا کیا؟ کیا تمھیں یاد نہ رہا کہ تمھاری طاقت کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی عظمت وقوت کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا!۔ پھر کیا ہوا کہ اللہ نے شدید آندھی ان پر مسلط کر کے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ یوں ہی قوم ثمود کے انکار پر انہیں بھی جب کہ وہ اپنی عیاشیوں میں دھت تھے ذلت آمیز کڑک سے دوچار کر کے لوحِ ہستی سے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔

آیت ۱۹ سے یہ بتایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو جمع کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، تو جب وہ جہنم تک پہنچیں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور جلدیں ان کے خلاف سلطانی گواہ بن جائیں گی۔ کفار اپنی جلدوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟، (ان کے اعضاو جوارح) جواب دیں گے: ہمیں اسی اللہ نے قوتِ گویائی عطا کی، جس نے تمہاری زبان کو بولنا سکھایا، اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اور

پھر انجام کار اسی کی جانب تم لوٹائے جاؤ گے۔

اگلی آیتوں میں اللہ کو رب مان کر استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کی دلجوئی اور تسلی دی جارہی ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہنے والے اہلِ ایمان کی روح جب اس دنیا سے پرواز کرے گی تو اس کے استقبال کے لیے فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ تم نہ کسی آنے والی بات کا خوف کرو اور نہ کسی گزشتہ بات کا رنج وملال اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، پھر انہیں بتایا جائے گا کہ اللہ غفورٌ رحیم نے ان کے لیے جنت میں ضیافت کا اہتمام فرمایا ہے، وہ من چاہی زندگی گزاریں اور وہاں وہ جس نعمت کی بھی خواہش کریں گے انہیں ہمہ وقت دستیاب ہوگی۔

آیت ۳۴ میں ایک بڑا پیارا اور مجرب اصول بتایا گیا ہے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں، تم ہمیشہ دوسروں کی بدی کا جواب نیکی سے دینے کی کوشش کرو، اس کے نتیجے میں ایک وقت آئے گا کہ تمہارا مخالف تمہارا سرگرم اور پرجوش دوست بن جائے گا۔

آیت ۳۹ میں بتایا گیا کہ دن رات اور سورج چاند اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں؛ لہٰذا انہیں سجدہ کرنے کی بجائے ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو۔ بنجر و ویران اور غیر آباد زمین بھی اس کی نشانی ہے کہ جیسے ہی پانی برستا ہے تو وہ لہلہانے اور نشو ونما پانے لگ جاتی ہے تو جس ذات نے اسے زندہ کردیا وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اخیر پارے میں ایک ضابطے کی بات کی گئی ہے کہ 'جو نیک عمل کرتا ہے سو وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے سو ان کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور پروردگارِ عالم کبھی بندوں پر کسی بھی طرح کا ظلم نہیں فرماتا'۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں استقامت والی زندگی عطا کرکے اہل بہشت میں شامل فرمائے، اور اچھائی کے ہر کام کرنے اور برائی کے ہر کام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

پچیسواں پارہ

اس پارے کی ابتدائی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے مقررہ وقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ نیز کونپلوں سے کیسا پھل برآمد ہوگا، ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور وہ اسے کب جنے گی اس کا علم علیم وخبیر پروردگار ہی کو ہے۔ پھر اگلی آیت میں انسان کی فطری خودغرضی کو بیان کیا کہ انسان اپنی بھلائی کی دعا مانگتے ہوئے تو کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کبھی کوئی شر پہنچ جائے، تو وہ مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے۔

آیت ۵۱ میں پھر فرمایا کہ جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں، تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر ہم سے دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آ پہنچتی ہے تو پھر لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے یعنی اللہ کی ذات سے وہ خودغرضی اور ذاتی منفعت پر مبنی تعلق تو قائم رکھتا ہے؛ مگر اس کے احکام کو فراموش کر دیتا ہے۔ مزید بتایا کہ انسان کو تکلیف پہنچنے کے بعد اللہ کوئی رحمت عطا کرے، تو وہ اسے انعامِ الٰہی سمجھنے کے بجائے، اپنا استحقاق سمجھنے لگتا ہے اور قیامت کا انکار کرنے لگتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو وہاں بھی مجھے یہ سب نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کافروں کو ان کے اعمال بد کا مزہ سخت عذاب کی شکل میں چکھائیں گے۔

اختتام سورت پر بتایا گیا کہ قرآن اللہ کا کلامِ برحق ہے، اس حقیقت کا انکار وہی لوگ کر رہے ہیں جو کھلم کھلا ضد اور ہٹ دھرمی پر ہیں۔ عنقریب اللہ کائنات اور خود انسان کے وجود میں لوگوں کو ایسی نشانیاں دکھائے گا جو قرآن کی دی ہوئی خبروں کے عین مطابق ہوں گی۔ تب لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن کی ہر بات حق اور سچی ہے......۔

سورۂ شوریٰ: شوریٰ مشورہ کو کہا جاتا ہے، اور اس مکی سورت میں اللہ کے منتخب

بندوں کا طریقہ کار بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے اہم معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں اس لیے یہ سورت 'شوریٰ' کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس سورت کے شروع میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت بیان ہوئی ہے اور قیامت کا منظر بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہےکہ عنقریب آسمان (اس کی ہیبت سے) اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے (یعنی آسمانوں کی شکست وریخت اوپر سے نیچے کی طرف ہوگی) اور فرشتے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

اگلی آیت میں قرآن کریم کی عالمگیریت کا بیان ہے کہ یہ مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف میں واقع تمام دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا تو ہر ایک کو زبردستی اسلام میں داخل کر دیتا لیکن یہ سودا زبردستی کا نہیں بلکہ اپنے اختیار کے مطابق فیصلہ کا ہے تاکہ قیامت کی جزاوسزا اس پر نافذ ہوسکے، اور جو اپنے اختیار سے اطاعت کریں گے وہی مستحق رحمت ہوں گے۔

آیت ۱۳ سے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دین کو قائم ونافذ کریں اور اس عظیم مقصد کے حوالے سے اختلاف کرکے جدا جدا نہ ہوں۔ اقامت دین کی جدوجہد تمام مسلمانوں کا مشترکہ مشن ہونا چاہیے۔ اللہ نے اسی مشن کے لیے بھیجا تھا حضرات نوح وابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کو۔ پھر یہی مشن مقرر کیا گیا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے۔ امت مسلمہ کے لیے اعزاز کی بات ہے کہ اسے وہی ذمہ داری دی گئی جو ذمہ داری اس سے قبل جلیل القدر رسولوں کی تھی۔

مزید فرمایا کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے؛ اس لیے جو شخص آخرت کے اجروثواب کا طلب گار ہوتا ہے اللہ اس کے اجروثواب میں اضافہ فرما دیتا ہے اور دنیا کے طلب گار کو قسمت سے زیادہ نہیں ملتا؛ مگر آخرت کے بدلہ سے وہ بالکل محروم ہوجاتا ہے۔

جوں جوں یہ سورت آگے بڑھتی جاتی ہے وحی اور رسالت کے ساتھ اس کا تعلق

واضح ہوتا جاتا ہے، وحی اور رسالت کے مضمون کے علاوہ اس مادی جہان میں ایمان کے جو دلائل اور تکوینی آیات ہیں ان کی طرف بھی ذہنوں کو متوجہ کیا گیا ہے اور ایمان والوں کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں...... بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں......اگر غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں...... رب کی فرماں برداری کرتے رہتے ہیں......نماز کی پابندی کرتے ہیں ......اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں......اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اللہ ہی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں......اگر ان پر کوئی ظلم اور زیادہ کرے تو مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے لینا اگرچہ جائز ہے؛ مگر صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کرنا بڑے ہی عزم وہمت کی بات ہے۔

یہ نمایاں صفات اگر آج کے مسلمان اپنے اندر پیدا کرلیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں ایسا انقلاب برپا ہوسکتا ہے جو انھیں عملی اور حقیقی مسلمان بنا کر پوری دنیا میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرسکتا ہے۔

آیت ۴۹ سے اللہ تعالی کے مختار کل ہونے کا بیان ہے کہ آسمان وزمین کی حکمرانی اسی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے بیٹے دے اور جسے چاہے بیٹیاں دے اور جسے چاہے دونوں جنسیں عطا کردے اور جسے چاہے بانجھ بنا کر دونوں سے محروم کردے وہ علم و قدرت والا ہے۔ مزید فرمایا کہ کوئی بشر اس شان کا نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی فرمائے یا پردے کی اوٹ سے کلام فرمائے یا وہ کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وحی ہی اللہ سے ہم کلام ہونے کا ذریعہ ہے، خواہ بالمشافہ اور بالمشاہدہ بندے سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی حدیث میں ہے یا اس صورت میں ہو کہ کلام تو سنائی دے؛ لیکن جلوہ ذات دکھائی نہ دے جیسا کہ اللہ نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

پھر اس سورت کی آخری دو آیتوں میں وحی اور رسالت کا ذکر ہے گویا جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی مضمون پر اختتام بھی ہو رہا ہے۔

سورۂ زخرف: زخرف کے معنی آرائش وزیبائش کے ہیں، اس سورت میں کفار کے لیے ہر طرح کی زیب وزینت کا تذکرہ ہے؛ اس لیے اس کا نام 'زخرف' پڑ گیا۔ آغازِ سورت میں اللہ پاک نے روشن اور واضح کتاب کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے اسے عربی زبان میں اس لیے اتارا تا کہ اہل عقل و دانش اس سے استفادہ کر سکیں۔

اس کے بعد یہ سورت دلائل قدرت اور شواہد فطرت کو آشکار کرتی ہے۔ یہ آسمان کی نیلی چھت، یہ زمین کا فرش، یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ بہتی ہوئی نہریں، یہ تا حد نگاہ پھیلے ہوئے سمندر، یہ آسمان سے قطرہ قطرہ برسنے والی بارش، یہ سطح آب پر رواں دواں کشتیاں اور جہاز، یہ ہر قسم کے چوپائے جو کھانے کے کام بھی آتے ہیں اور نقل و حمل کے بہترین ذرائع بھی ثابت ہوتے ہیں، یہ سب اپنے خالق و صانع کی قدرت و حکمت کے زندہ گواہ ہیں، ان کی گواہی شہری بھی سنتا ہے اور دیہاتی بھی، ان کی زبان عالم بھی سمجھ سکتا ہے اور جاہل بھی، یہ گواہ کل بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ ضرورت صرف ان کانوں کی ہے جو حق کی گواہی سن سکیں، حاجت صرف ان آنکھوں کی ہے جو دیکھ سکیں، طلب صرف ان دلوں کی ہے جو حق کو جذب و قبول کر سکیں۔

زمانۂ جاہلیت کی ایک نہایت قابل نفرت سوچ تھی کہ وہ بیٹیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اور اگر ان کے یہاں بیٹی پیدا ہو جاتی تو وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے اور اس کو زندہ درگور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے تھے۔ دوسری طرف وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے حالانکہ وہ محض اللہ کے بندے ہیں۔ بدقسمتی سے آج بیٹیوں کی پیدائش ایک بار پھر نشانِ عار ہوتی جا رہی ہے اور بہت سے چہروں پر یبوست کے آثار ہویدا کر دے رہی ہے، ایسی صورت میں ہمیں سنجیدگی سے اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں ہم

لاشعوری طور پر ہمارے قدم زمانۂ جاہلیت کی طرف تو نہیں بڑھ رہے!۔

پھر ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم کے مشرکانہ افعال سے بیزاری و براءت اور اپنے خالق و مالک کے لیے یکسوئی اختیار کرنے کا بیان ہے۔ اس کے بعد کفار مکہ کا یہ مطالبہ بیان ہوا کہ یہ قرآن ایک غریب اور وسائل سے محروم شخص پر اُترنے کی بجائے دو بستیوں مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی (یعنی ولید بن مغیرہ اور ابو مسعود ثقفی) پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ اللہ نے فرمایا: کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں (یعنی یہ فیصلہ تو اللہ کو لینا ہے کہ منصبِ نبوت کسے عطا کیا جائے) ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت (کے وسائل) کو تقسیم کیا ہے اور ہم نے (معاشی اعتبار سے) بعض کو بعض پر کئی درجے فضیلت عطا کی ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں، اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں۔

پھر دنیا کی زندگی کی بے وقعتی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر لوگوں کے کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کے لیے گھروں کی چھتیں، سیڑھیاں، دروازے اور مسندیں چاندی کی بنا دیتے (اور چاندی ہی کیا) سونے کی بھی بنا دیتے اور یہ سب دنیا کا سامانِ زیست ہے اور آپ کے رب کے پاس آخرت (کی نعمتیں صرف) متقین کے لیے ہیں۔ مزید فرمایا: جو رحمٰن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے، اس پر ہم شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں، تو وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیے جانے کا ذکر ہے اور مالی وسائل اور دنیوی جاہ و حشمت سے محرومی کے حوالہ سے فرعون کے اعتراضات مذکور ہیں جب فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ میرا اور موسی کا تقابل کر کے دیکھو میں مصر کا حکمران ہوں، حور و قصور کا مالک ہوں، باغات اور نہروں کا نظام میرے اختیار میں ہے جبکہ موسی علیہ السلام غریب، وسائل سے تہی دامن اور بات کرنے

کے سلیقہ سے بھی عاری ہیں، اگر یہ نبی ہوتے تو ان پر سونے کے زیورات کی بارش ہوتی یا فرشتے اس کے آگے پیچھے جلوس کی شکل میں چلا کرتے۔ اس نے اس قسم کی باتیں کر کے دراصل اپنی قوم کو بیوقوف بنا کر اللہ کی نافرمانی پر تیار کرلیا جس سے ہمارا شعلہ غیظ وغضب بھڑک پڑا، اور ہم نے انتقاماً انہیں سمندر میں غرق کر کے اگلوں اور پچھلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔

حضرت خالد بن صقر سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت سفیان ثوری (م۱۶۱ھ) کے خاص الخاص رفقا میں تھے۔ ایک مرتبہ دو پہر کے وقت وہ حضرت سفیان سے ملنے گئے۔ دروازے پر دستک دی تو کسی عورت نے دروازہ کھولا۔ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں گھر کے اندر داخل ہوا، تو دیکھا کہ آپ سورت کی یہ آیت پڑھ رہے ہیں :

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لاَ نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوَاهُمْ o

کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے ؟۔

پھر خود ہی فرماتے : کیوں نہیں اے پروردگار! کیوں نہیں میرے مالک ومولا!! پھر پھوٹ پھوٹ کر روتے، لمبی لمبی سانسیں لیتے، گھر کی چھت پر نگاہیں جمائے ہوتے، اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا ہوتا۔ میں بیٹھ کر ان کی یہ کیفیات دیکھتا رہا، پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے، میرے ساتھ نشست کی اور پوچھا: آپ کب تشریف لائے، معاف کیجیے گا مجھے آپ کے آنے کا مطلق علم نہ ہوا۔ (الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۳۰۹)

اخیر میں بتایا کہ دنیا میں جو منکرین ایک دوسرے کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے یعنی ایک دوسرے کے خلاف سلطانی گواہ بنیں گے؛ لیکن اہلِ تقوی کی دوستی کا رشتہ قیامت میں جاری وساری رہے گا، انہیں بشارت دی جائے گی کہ اب تم ہر قسم کے خوف اور رنج والم سے آزاد ہو، اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی

خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ، ان کے لیے من پسند اور نگاہوں کو لبھانے والے ماکولات ومشروبات کے دور سونے کے برتنوں میں چلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا تمہیں وارث بنایا گیا تھا۔

سورۂ دخان: دخان دھوئیں کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ مشرکین کو قحط کے زمانے میں شدید بھوک کی وجہ سے دھواں دکھائی دیتا تھا یا یہ دھواں قیامت کی نشانی اور عذاب کے طور پر مشرکین مکہ پر مسلط کیا گیا تھا، تو اس وجہ سے اس کا نام 'دخان' رکھ دیا گیا۔

سورت کے آغاز میں بتایا گیا کہ قرآن کریم ایسی واضح اور بابرکت کتاب ہے کہ جس رات میں اس کا نزول ہوا اسے بھی بابرکت بنا دیا۔ یہاں لیلۂ مبارکہ سے اکثر مفسرین نے لیلۃ القدر مراد لیا ہے؛ مگر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے بعض مفسرین نے اس سے شعبان المعظم کی پندرہویں شب مراد لی ہے۔ دراصل اس رات کے طے شدہ معاملات فرشتوں کو تفویض ہوتے ہیں۔

پھر آگے چل کر بنی اسرائیل کی نجات اور فرعونیوں کے غرق کیے جانے کے پس منظر میں فرمایا کہ وہ کتنے ہی باغات، چشمے، (لہلہاتے) کھیتوں، عمدہ محلات اور وہ نعمتیں جن میں وہ مصروفِ عیش تھے، (اپنے پیچھے) چھوڑ گئے، اسی طرح ہوا اور ہم نے سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیا۔

اتنی بڑی قوت کے مالک فرعون اور فرعونیوں کا جب خاتمہ ہوا تو ان کی بربادی پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔ اس میں ان سب لوگوں کے درسِ عبرت ہے جو دنیا کی ناپائیدار عیش وعشرت ہی کو اپنا مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں اور پھر ایک دن منظر یوں ہوتا ہے کہ سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا۔

اس سورت کے آخر میں بتایا کہ کفار ومشرکین کی غذا جہنم میں زقوم (تھوہر) کا

درخت ہوگا، جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا، جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے، انہیں گھسیٹے ہوئے جہنم کے وسط میں لے جایا جائے گا اور پھر ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا اور اور انہیں کہا جائے گا کہ دنیا میں تم اپنے آپ کو بہت باعزت سمجھا کرتے تھے آج جہنم کا ذلت آمیز عذاب بھی چکھ لو۔

اس کے بعد متقین کے لیے جنت کی عالی شان نعمتوں کا ذکر ہے کہ وہ مقامِ امن میں ہوں گے، جنتوں اور چشموں میں، وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے (اکرام وشکوہ کے ساتھ) بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے حاصل ہوگا جو عظیم الشان کامیابی کا مظہر ہوگا۔

اخیر میں فرمایا کہ قرآن کریم کو ہم نے آپ کی زبان میں نہایت آسان بنا کر اس لیے اُتارا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کرسکیں۔

سورۂ جاثیہ: اس مکی سورت میں چونکہ اس خوفناک منظر کا بیان ہے کہ قیامت کے دن لوگ خوف وہیبت کی وجہ سے دربارِ الٰہی میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے تو اسی مناسبت سے اس کا نام 'جاثیہ' پڑ گیا۔قرآن کریم کی عظمت کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ سورت ان تکوینی نشانیوں کو بیان کرتی ہے جن میں ہر ایک اللہ کی عظمت وجلال اور قدرت ووحدانیت کی زندہ گواہ ہے۔ یہ مضامین قرآن کریم میں جابجا بیان ہوئے ہیں۔

اس کے بعد بتایا کہ وسیع وعریض زمین میں، تخلیق انسانی میں، جانوروں اور باقی مخلوقات میں، دن رات کے آنے جانے اور بارشوں اور ہواؤں میں اللہ کی قدرت کے دلائل اور توحید باری کے شواہد موجود ہیں۔ پھر مجرمین کا مزاج بیان کیا کہ وہ دلائل سے استفادہ کرنے کی بجائے ضلالت وگمراہی میں اور ترقی کر جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دردناک عذاب اور جہنم کی گہرائیوں میں دھکیلے جانے کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

پھر اللہ کی نعمتوں اوران میں غور وفکر کر کے منعم حقیقی کو پہچاننے کی تلقین کے ساتھ قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ کہ ان پر بے شمار انعامات کیے گئے،فضیلت واکرام سے نوازا گیا مگر انہوں نے ان نعمتوں کی قدر کرنے کی بجائے بغاوت وسرکشی کا راستہ اپنا کر اپنے لیے ہلاکت وبربادی کو لازم کرلیا۔

اس کے بعد گمراہی کی جڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کردیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے،تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے،یعنی اگر ایک طرف اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے اور دوسری جانب بندے کے اپنے نفس کے مطالبات اور خواہشات ہوں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نظر انداز کر کے اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی اختیار کر لے تو خواہ وہ کلمہ پڑھے لیکن عملاً تو اس نے اپنے نفس کو معبود بنالیا۔

حضرت مالک بن دینار نیز حضرت تمیم داری علیہما الرحمہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شب مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر سورۂ جاثیہ کی تلاوت کررہے تھے، پھر جب اس آیت کریمہ پر پہنچے،تو اس کی تکرار کرتے کرتے سپیدۂ سحر نمودار ہوگیا :

أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، سَوَاءٌ مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ، سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ o

کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کمارکھی ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں کی مانند کردیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (کہ) ان کی زندگی اور ان کی موت برابر ہوجائے۔ جو دعویٰ (یہ کفار) کررہے ہیں نہایت برا ہے۔

ایک مرتبہ وقت کے مشہور قاری مقری شیخ مصر نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی :

هٰذَا كِتَابُ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ o

یعنی یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلے میں بالکل ٹھیک بول رہا ہے اور ہم تمہارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے۔

یہ آیت سن کر حضرت عبدالواحد بن زید (م ۱۷۷ھ) زاروقطار رونے لگے اور اتنا روئے کہ بے ہوش ہوگئے، جب اِفاقہ ہوا تو کہنے لگے قسم ہے تیری عزت کی! جہاں تک مجھ سے ہوسکے گا میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا تو اِطاعت پر میری مدد فرما، اور مجھے توفیق خیر سے نواز۔ (احیاء علوم الدین: ۱۸۴/۴)

پھر اس کے بعد منکرینِ آخرت کے اس نظریے کو بیان کیا جو ہر دور کے ملحدین کا عقیدہ رہا ہے کہ جو کچھ ہے یہ دنیا کی زندگی ہے، پسِ مرگ کچھ بھی نہیں، موت فنائے دوام ہے لہٰذا جتنی عشرتیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتے ہو سمیٹ لو۔ قرآن نے بتایا کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا، وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر اللہ کی عدالت میں حساب وکتاب ہوگا، جس سے کسی کو مفر نہیں۔

آگے چل کر یہ بھی بتایا کہ جنہوں نے اس دنیا میں قیامت کے دن کو فراموش کر رکھا ہے، اس دن انہیں رحمتِ باری نظرانداز کردے گی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ان سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے قیامت کو بھلا دیا تھا آج تمہیں بھی ویسے بھلا دیا گیا ہے، تم آیاتِ الٰہیہ کا مذاق کرتے تھے، لو دیکھو آج تم خود مذاق بن کر رہ گئے ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں راہِ حق کے مسافروں کے جلو میں رکھے، اچھے دوستوں کی رفاقت عطا کرے جو دین ودنیا میں خیر کے پیامبر ہوں۔ آمین یارب العالمین۔

چھبیسواں پارہ

سورۂ احقاف: احقاف دراصل اُس دور کی سپر پاور قوم عاد کے دار السلطنت کا نام ہے اور اس کی تباہی ایسی ہی بڑی خبر ہے جیسے امریکی ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کی خبر۔اسی مناسبت سے اس سورت کا نام 'احقاف' رکھ دیا گیا۔

پچھلی سورتوں کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت، قدرت کی نشانیوں اور توحید کی صداقت وغیرہ کے مضامین کے ساتھ ہو رہا ہے۔اس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا خصوصی اور تاکیدی حکم ہے، نیز ماں نے حمل اور وضعِ حمل کے دوران جو بے پناہ مشقتیں اٹھائیں ان کا تذکرہ ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس پر ماہ مشتمل ہوتی ہے، چونکہ حدیث کی رو سے دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، اس لیے فقہاے کرام نے فرمایا کہ ممکنہ طور پر کم از کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے۔

پھر قرآن نے بتایا کہ صالح اولاد پختگی کی عمر کو پہنچنے کے بعد اللہ تعالی سے اس کی ان نعمتوں کا جو اس نے اس پر اور اس کے والدین پر کیں، شکر ادا کرنے کی توفیق طلب کرتی ہے اور اس بات کی دعا بھی کہ مجھے اپنا پسندیدہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور میری اولاد کی بھی اصلاح فرما اور میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔اللہ تعالی اپنے وفاشِعار اور اپنے ماں باپ کے فرمانبردار بندوں کے لیے فرماتا ہے کہ ہم ان کے نیک اعمال کو قبول فرماتے ہیں اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرتے ہیں، یہ لوگ اہلِ جنت میں سے ہیں اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔

اس آیت میں ابتداء ماں باپ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ذکر ہے؛ لیکن ماں کی قربانیوں کا قرآن نے زیادہ ذکر فرما کر اس کے زیادہ اِستحقاق کی طرف متوجہ فرمایا اور پھر تاجدارِ کائنات محسن انسانیت علیہ السلام نے حدیثِ پاک میں اس کی مزید تاکید فرمائی۔

پھر آگے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اولاد دو طرح کی ہوتی ہے: ۱) صالح، فرماں بردار، اور والدین کے لیے دعا گو۔ ۲) فاسق، نافرمان، اور والدین کی گستاخ۔ پہلا نمونہ ایمان اور ہدایت والوں کا ہے اور دوسرا نمونہ اہل کفر وطغیان کا۔ اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ مل کے رہے گا۔

اس کے بعد قوم عاد کا ذکر شروع ہوتا ہے جنھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا اور نتیجے میں تباہ وبرباد کر کے رکھ دیے گئے۔ عذاب کی شکل یہ تھی کہ گرمی شدید پڑ رہی تھی، بارش کا یہ لوگ شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ پھر جب اللہ تعالی نے بادلوں کو ان کی طرف روانہ کیا، قوم اسے بارش برسانے والے بادل سمجھتی رہی؛ مگر ان بادلوں کے ساتھ تیز آندھی اور طوفان تھا، اور ایسی تیز ہوا تھی کہ جس چیز کو لگتی اسے راکھ بنا کر تباہ وہلاک کر دیتی۔ چنانچہ اللہ نے ان کو اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹایا کہ ان کے گھروں کے سوا اب کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مکان تو موجود تھے؛ لیکن مکین نظر نہیں آ رہے تھے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہم مجرم قوم کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ قوم عاد کا واقعہ سنا کر دراصل اہل مکہ کو ڈرایا گیا ہے کہ تم ان سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو، اگر سرکشی اختیار کرو گے تو ایک نہ ایک دن تم بھی عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آ کر رہو گے۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے جنات کی ایک جماعت کے قبول اسلام کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ ایک روز مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ اللہ تعالی نے جنات کی ایک جماعت کو قرآن سنوانے کے لیے آپ کی طرف پھیر دیا۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: توجہ کے ساتھ سنو، جب تلاوت ختم ہو گئی تو وہ اپنی قوم کے پاس اس ارادے سے پلٹے کہ ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرا سکیں۔

چنانچہ انہوں نے کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب کو سنا ہے جو کہ موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور حق اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو

قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمہیں الم ناک عذاب سے نجات دے گا اور جو کوئی اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا تو زمین میں اللہ کی گرفت سے بچنے کے لیے اس کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔تو اس واقعے میں دراصل حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی تسلی کا سامان کیا گیا ہے کہ اے پیارے حبیب مکرم ﷺ! اگر مشرکین مکہ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا، دیکھیے اللہ کی دوسری مخلوقات آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے کے لیے موجود ہیں۔

سورۂ محمد: یہ سورت رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی سے معنون ہے۔ پورے قرآن پاک میں آپ کا اسم گرامی صرف چار مقامات پر آیا ہے، بقیہ آپ کے صفاتی اَسما مذکور ہیں۔ یہ سورت 'سورۂ قتال' بھی کہلاتی ہے کہ اس میں کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد وقتال کے احکام وطریقے بیان کیے گئے ہیں۔

دراصل غزوۂ بدر سے پہلے اسلام کے تفصیلی جنگی قانون نازل نہیں ہوئے اور یہ ہدایت نہیں آئی تھی کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؛ چنانچہ اس سورہ مبارکہ کی چوتھی آیت میں جہاد کی قانون سازی اور صلح کے متعلق قرآیانی ہدایات پیش کی گئی ہیں کہ جب جنگ ختم ہوجائے اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوجائے، تو جنگی قیدیوں کے ساتھ تین طرح کا سلوک کیا جاسکتا ہے: انہیں قید کر دیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کو دوبارہ نقصان نہ پہنچاسکیں یا ان کی اصلاح اور قبولِ اصلاح کی امید ہوتو ان پر احسان کرکے انہیں آزاد کردیا جائے یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے اپنی ذات کے منکروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اہل کفر کا رہن سہن اور کھانا جانوروں کے کھانے کی مانند ہے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے، جس طرح جانور حلال وحرام کی تمیز کے بغیر کھاتے ہیں اسی طرح کافر بھی حلال وحرام کی تمیز کے بغیر کھاتے ہیں اور اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کے لیے جہنم کے دھکتے ہوئے انگاروں کو تیار کر رکھا ہے۔

پھر ہماری آنکھ کھولتے ہوئے ہمیں نصیحت کی جارہی ہے کہ اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔ دنیا میں چل پھر کر مجرمین کا انجام دیکھ لو۔ کتنی بستیاں تم سے زیادہ جاہ وحشمت اور طاقت وقوت والی تھیں؛ لیکن ہم نے جب انہیں ہلاک کیا تو کوئی ان کی مدد کو بھی نہ آسکا۔

آیت ۱۵ سے اہلِ تقوی کے لیے جنت کی نعمتوں اوراس کے حسین مناظر کا بیان ہے کہ جنت کی نہروں میں ایسا شفاف اور تازہ پانی ہوگا جو سڑنے اور بدبو مارنے سے محفوظ ہوگا، دودھ جیسی نہریں ہوں گی جن کا ذائقہ کبھی نہیں بدلے گا، شرابِ طہور کی ایسی نہریں ہوں گی جو لذت سے مامور ہوں گی، نیز خالص اور شفاف شہد کی بھی نہریں ہوں گی، مزید یہ کہ ان کے لیے ہر طرح کے پھل دستیاب ہوں گے اوران کے رب کی جانب سے مژدۂ مغفرت ہوگا۔ پھر اللہ تعالی نے انسان کی عقلِ سلیم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا ان مذکورہ عالی مرتبت لوگوں کی تقلید کی جائے یا اُن کی راہ پہ چلا جائے جو دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے اورانہیں جہنم کی آگ میں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔

بعض منافقین آپ کی مجلس میں بیٹھ کر قرآن سنتے ہیں مگر بعد میں دوسروں سے کہتے پھرتے ہیں کہ آج کیا بات بیان کی گئی ہے؟ اس سے ان کا مقصد تعریض کرنا ہوتا ہے۔ انہیں اگر آج سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو کیا قیامت کے دن سمجھیں گے۔ مؤمنین تو قرآن کی سورتوں اور آیتوں کے نزول کے متمنی رہتے ہیں۔ اور قرآن نازل ہوکر ان کی تمنا پوری کر دیتا ہے؛ مگر منافقین کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب آیات قرآنیہ جہاد کا حکم لے کر اترتی ہیں تو ان کا نفاق کھل کر سامنے آجاتا ہے اور موت کے خوف سے یہ لوگ مرے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ظاہرا اطاعت وفرماں برداری کے دعوے کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ معاشرہ میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور قطع رحمی کے داعی ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے ایسی پھٹکار ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہوکر رہ گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں کہ میں نے ایک شب حضرت فضیل بن عیاض

علیہ الرحمہ کو سورۂ محمد پڑھتے ہوئے دیکھا، ان کی آنکھیں تر بتر تھیں اور وہ اس آیت کریمہ کو بار بار دہرا رہے تھے :

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصَّابِرِيْنَ وَ نَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ o

اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے یہاں تک کہ تم میں سے (ثابت قدمی کے ساتھ) جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو (بھی) ظاہر کر دیں اور تمہاری (منافقانہ بزدلی کی مخفی) خبریں (بھی) ظاہر کر دیں۔

ساتھ ہی یہ فرماتے جاتے: مولا! تو یقیناً ہماری خبریں ظاہر کر دے گا۔ اور پھر بتکرار کہتے جاتے: مولا! تو یقیناً ہماری خبریں ظاہر کر دے گا؛ لیکن اگر تو نے ہماری خبریں ظاہر کر دیا تو ہم سر حشر لٹ جائیں گے، ہمارے سربستہ راز فاش ہو جائیں گے۔ مولا! اگر تو نے ہماری خبریں ظاہر کر دیں، پھر تو ہم مارے گئے، اور تیرے عذاب سے پھر ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ اتنا کہہ کر پھر بے تحاشا رونے لگتے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۴۰۳/۳)

اخیر میں جہاد و قتال اور انفاق فی سبیل اللہ کی غیر معمولی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ 'اگر تم اس سے منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے'۔ یعنی وہ اعلاے کلمۃ الحق کے لیے جہاد کریں گے اور دین اسلام کو سارے اَدیان پر غالب کر کے چھوڑیں گے۔

سورۂ فتح: یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جو بذات خود ایک بہت بڑی کامیابی تھی اور فتح مکہ کے لیے تمہید بھی؛ اس لیے اس سورت کو 'فتح' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس وقت یہ سورت نازل ہوئی آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج شام مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے'۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا۔

سورت کے آغاز میں بتایا گیا کہ اے محبوب! بیشک ہم نے آپ کے لیے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرما دیا ہے؛ تاکہ آپ کی خاطر اللہ آپ کی امت (کے ان تمام افراد) کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے (جنہوں نے آپ کے حکم پر جہاد کیے اور قربانیاں دیں) اور (یوں اسلام کی فتح اور امت کی بخشش کی صورت میں) آپ پر اپنی نعمت (ظاہراً و باطناً) پوری فرما دے اور آپ (کے واسطے سے آپ کی امت) کو سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

اگلی آیات میں اللہ عزوجل نے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، جنت کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ پھر ہمیں حکم دیا کہ 'اللہ کے رسول کی خوب تعظیم وتوقیر اور بے حد تکریم کرو۔

اس سورت کے مضامین کا خلاصہ جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ صلح حدیبیہ کا پس منظر ذہن نشیں کر لیا جائے۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چودہ سو جاں نثاروں کے ہمراہ عمرہ کے اِرادے سے مکہ روانہ ہوئے جب منزل قریب آئی تو کافروں نے نبی کریم علیہ السلام کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آپ نے مذاکرات کے لیے حضرت عثمان بن عفان کو روانہ فرمایا، جب ان کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو یہ اَفواہ پھیل گئی کہ سیدنا عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے قصاصِ عثمان کے لیے بیعت کا تقاضا کیا تو صحابۂ کرام نے فوراً نبی رحمت ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کو رکھ دیا، جسے 'بیعت رضوان' کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان فدا کاروں کا یہ عمل بہت پسند آیا اور ان سے رضامندی کی سند جارے کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ان مومنوں سے راضی ہے جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بعدازاں یہ معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان زندہ ہیں۔ اس خبر کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کے دل سے شہادتِ عثمان کی خبر سے پہنچنے والے صدمے کے

اَثرات زائل ہو گئے۔ کافروں نے اس موقع پر مسلمانوں کو ایک برس کے لیے عمرہ سے روک دیا اور اگلے برس آنے کو کہا۔ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ بندی کا ایک معاہدہ تحریر ہوا جس کی بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھیں؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل میں دعوت دین کو پہنچنے والے فائدے کے تناظر میں ان شرائط کو قبول فرمالیا۔

اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت بھی ہے کہ انہیں اس موقع پر قاصد رسول اور سفیر اسلام ہونے کا اعزاز ملا، نیز یہ کہ ان کی وفات کی خبر پر ان کا بدلہ لینے کے لیے مرنے مارنے کی بیعت لینے کا اِتنا بڑا اقدام کیا گیا۔

بعض صحابہ کرام کو عمرہ نہ کرنے کا ملال تھا اور بعض کو صلح حدیبیہ میں درج شرائط کا دکھ تھا؛ تاہم اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے فیصلے کے سامنے تمام صحابہ نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی ہمراہی میں واپس تشریف لا رہے تھے کہ اللہ تعالی نے آپ کو فتح مبین کی بشارت دی اور ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غمزدہ صحابہ کے دل بھی خوشی سے معمور ہو گئے۔ جنگ بندی کی وجہ سے تبلیغ کے مواقع بھی پیدا ہو گئے اور مسلمانوں کو منظم ہونے کا موقع بھی ملا۔ اور صرف دو برس کے قلیل عرصے میں مسلمانوں کو فتح مکہ جیسی عظیم کامیابی حاصل ہوگئی۔

اور واقعتاً اسلامی تاریخ کی یہ بڑی نرالی فتح مبین تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد کم وبیش چودہ سو تھی جب کہ دو سال بعد جب ۸ھ میں فتح مکہ ہوا تو حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قیادت لشکر مجاہدین کی تعداد دس ہزار تھی۔ یہ انقلاب دراصل معاہدۂ امن کی وجہ سے برپا ہوا۔ جب مصالحت کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور معاملات شروع کیے تو مسلمانوں کے کردار کی پختگی، زبان وبیان کی سچائی، دامن کی عفت وعصمت اور معاملات کی پاکیزگی نے مشرکوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر وہ کون سی مخفی قوت ہے جس نے کل

کے شرابیوں اور رہزنوں کو زاہد و پارسا بنا دیا ہے، ظاہر ہے یہ قوت صرف ایمان تھی، اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ان کی گردنیں خود بخود اسلام کے سامنے جھک گئیں۔

اس کے بعد صحابۂ کرام کی اِمتیازی خوبیوں کا بیان ہے کہ وہ آپس میں تو بڑے رحمدل ہیں مگر کافروں کے مقابلہ میں بڑے سخت گیر ہیں۔ اور وہ سب رضائے الٰہی کے طالب ہیں۔

سورۂ حجرات: حجرہ کے معنی گھر یا کمرہ ہوتا ہے، چونکہ اس میں ان بدوؤں اور دیہاتیوں کا ذکر ہے جو نا آشنائے ادب ہونے کی وجہ سے تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوقیانہ لہجے میں کمرے کے باہر سے آوازیں دیا کرتے تھے؛ اس لیے اس کا نام 'حجرات' رکھ دیا گیا۔ ساتھ ہی چونکہ اس میں اخلاقِ فاضلہ اور مکارم عالیہ کا بھی بیان ہے اس لیے اسے 'سورۃ الآداب' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ نبوت کے آداب واحکام کو بیان فرمایا ہے کہ آپ سے آگے کوئی بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ نیز آپ کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا کرنا بھی اَدب کے منافی ہے، اور ایسی بے ادبی ہے کہ جس سے ساری نیکیاں ایمان سمیت برباد ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد اہلِ ادب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کی نوید سنائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھی مذمت فرمائی ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے گھر کے باہر آ کر آپ کو بلند آواز سے پکارتے تھے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو بے عقل قرار دیا۔ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ کی مسجد میں آواز کو بلند کرنے کو برا جانتے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں دو لوگوں کو اونچی آواز سے بات کرتے سنا تو ان کو متوجہ کر کے پوچھا: کہاں کے ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں، تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو تمہاری پٹائی کر دیتا۔

دوسرے رکوع میں اخلاقیات کی بڑی اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے خاص طور پر یہ کہ مسلمان

مرد وزن ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کریں، ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکاریں، ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی نہ کریں، دوسرے کے پوشیدہ احوال کا سراغ نہ لگائیں اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں اور پھر غیبت کو اتنا گھناؤنا جرم قرار دیا کہ گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچنا ہے۔

یہ بھی بتایا کہ انسانیت کی اصل ایک ہی ہے یعنی سب آدم وحوا علیہم السلام کی اولاد ہیں اور قبائل اور برادریاں تفاخر کے لیے نہیں، تعارف کے لیے ہیں۔ باہمی تعلقات کی خرابی کا ایک بڑا سبب حسب نسب اور مال و دولت پر فخر وغرور بھی ہوتا ہے؛ اس لیے اس سورت میں اس کی بھی جڑ کاٹ دی گئی اور دوٹوک واضح کر دیا گیا ہے کہ قوم، قبیلہ، ذات پات اور رنگ ونسل جیسی غیر اختیاری چیزوں میں سے کوئی چیز بھی انسان کو اللہ کے یہاں مکرم ومحبوب نہیں بناتی، بلکہ اللہ کے یہاں عزت وکرامت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

سورۂ ق: اس مختصر مکی سورت میں توحید ورسالت اور بعث بعد الموت کے تینوں عقیدے پوری آب وتاب کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس سورت میں ایک بار پھر اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیوں کا بیان ہے یعنی آسمانوں کی رفعت، شمس وقمر اور کواکب ونجوم سے اس کا مزین کرنا، اس میں کسی شگاف کا نہ ہونا، زمین کی وسعت اور اس میں بلند وبالا پہاڑوں کو لنگر کی طرح ثبت کر دینا، آسمان سے بارش کا برسنا اور اس سے طرح طرح کا اناج پھل پھول اور باغات کا اگانا، مردہ زمین کو زندہ کرنا وغیرہ۔

اگلی آیت میں انسان کی مسئولیت کا احساس دلانے کے لیے بتایا گیا کہ اللہ انسان کا خالق ہے، اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ظاہری اعمال تو درکنار اس کے دل ودماغ میں پیدا ہونے والے وسوسوں اور قلبی واردات کو بھی وہ جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اعمال واقوال کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ جب موت آئے گی تو وہ انسان کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیں گے اور

پھر اسے میدانِ حشر میں اپنے اعمال کا حساب و جواب دینا ہوگا۔

پھر توحید پر کائناتی شواہد اور رسالت پر واقعاتی حقائق سے استدلال کر کے بتایا ہے کہ انبیا و رسل کے انکار پر پہلی قوموں کی طرح مشرکین مکہ کا مقدر بھی ہلاکت و تباہی بن سکتی ہے۔ اس کے بعد جہنم کا تذکرہ اور اللہ کی قدرت کا بیان ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین جیسی عظیم مخلوقات کو بنا کر بھی وہ نہیں تھکا تو انسان کو دوبارہ بنانے سے وہ کیسے تھک جائے گا۔ موت و حیات اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہونے کے اعلان کے ساتھ ہی اس بات کی تلقین پر سورت کا اختتام کیا گیا ہے کہ اپنی وعظ و تبلیغ کی بنیاد قرآن کریم کو بنا کر اللہ کے وعدے اور وعیدیں لوگوں کو سنائی جائیں۔

سورۂ ذاریات: ابتدائی آیات میں غبار اُڑانے والی ہواؤں، بارش برسانے والے بادلوں، پانی پر تیرنے والی بادبانی کشتیوں اور دنیا کا نظام چلانے والے فرشتوں کی قسمیں کھا کر بتایا گیا کہ مرنے کے بعد کی زندگی برحق ہے۔ پھر منکرین قرآن و آخرت کی ہٹ دھرمی اور عناد اور ان کا بدترین انجام اور ایمان والوں کی صفات فاضلہ اور ان کا انجام خیر مذکور ہے۔

آیت ۱۵ سے اہلِ تقوی کے انعاماتِ اخروی کو بیان کرنے کے بعد ان کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ وہ راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ پھر بتایا گیا کہ اللہ تعالی نے جن لوگوں کو نعمتِ مال سے نوازا ہے، ان کے مال میں سائل کا بھی حق ہے اور ان کا بھی جو نعمتِ مال سے محروم ہیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دروازہ لازم پکڑ لیا تھا۔ رات دن وہاں پڑا رہتا۔ ایک روز اس نے سنا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا تھا کہ اے شخص! تو نے حضرت عمر کی طرف ہجرت کی ہے یا اللہ کی طرف؟ یہاں سے اُٹھ اور قرآن کی تعلیم حاصل، قرآن تجھے عمر کے دروازے سے بے نیاز کر دے گا۔ وہ شخص یہ سن

کر غائب ہو گیا۔

حضرت عمر نے اسے ڈھونڈا تو معلوم ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو گیا ہے اور عبادت میں مشغول ہے۔ حضرت عمر اس کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں تجھے دیکھنے کا متمنی تھا، آخر تجھے کس چیز نے ہم سے غافل کر دیا؟ اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! قرآن کریم کی تلاوت نے مجھے عمر اور آل عمر سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ تو نے قرآن میں کیا پایا؟ اس نے عرض کیا کہ قرآن میں میں نے یہ آیت کریمہ پائی ہے: وَ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ ٥

اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔

یہ آیت پڑھ کر میں نے یقین کر لیا کہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں زمین میں تلاش کر رہا ہوں۔ حضرت عمر فاروق نے جب اس کی یہ عارفانہ بات سنی تو آپ کی آنکھیں زار و قطار بہنے لگیں، اور آپ نے فرمایا: اے شخص! تو نے بالکل سچ کہا ہے۔

اس واقعے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ (احیاء غزالی: ۳/۳۶۷...... قوت القلوب: ۱/۳۸۴)

پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی بشری شکل میں آمد اور ان کی طرف سے ضیافت کے اہتمام کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ پھر بتایا گیا کہ قادر مطلق کے لیے اولاد عطا فرمانے کے لیے جوانی اور بڑھاپے کے عوامل اثر انداز نہیں ہوتے، وہ اپنی قدرت کاملہ سے میاں بیوی کے بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود اولاد دینے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اہل تقویٰ کے اوصاف عطا فرمائے، اقامت دین کا جذبۂ دروں بخشے اور شب خیزی و اشک ریزی کی دولت بے بہا سے مالا مال فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہِ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ

ستائیسواں پارہ

اس پارے کے شروع میں اس بات کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے اجنبی انسان نہیں بلکہ بشری شکل میں فرشتے تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ کا مشن کیا ہے، انہوں نے کہا: ہم مجرموں کی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر مٹی سے پکے ہوئے پتھر برسائیں، جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے نشان زدہ (Guided) ہیں۔

سائنسی دنیا گائیڈڈ میزائل کی جس تیکنیک تک بہت دیر میں پہنچی ہے، قرآن نے اس کا تصور ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی پیش کر دیا تھا۔ قوم لوط پر اللہ تعالی نے جنسی بے راہ راوی کی وجہ سے کنکر برسائے اور اللہ تعالی نے لوط کے گھر کے علاوہ ساری بستی کو تباہ کر دیا اس لیے کہ پوری بستی میں صرف آپ کا گھرانہ مسلمان تھا۔

قوم فرعون پر اللہ تعالی کے عذاب کی وجہ یہ تھی کہ فرعون اپنی حکومت اور طاقت کی وجہ سے اعترافِ حق سے روگردانی کرتا رہا اور سیدنا موسی کو مجنون اور جادوگر قرار دیتا رہا تھا۔ اللہ تعالی نے اس کو اور اس کی فوجوں کو پکڑ کر سمندر کی پُرشور لہروں کی نذر کر دیا۔ قوم عاد کی تباہی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالی کو بھول چکے تھے اور اللہ تعالی کی عطا کردہ جسمانی طاقت پر شکریہ ادا کرنے کی بجائے دنیا کو چیلنج کر رہے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟۔ اللہ تعالی نے ان پر بھلائی سے خالی نحس ہوا کو بھیجا جس چیز سے بھی وہ ہوا گزر گئی اس کو ریزہ ریزہ کر گئی۔

اور ثمود کے واقعے میں بھی عبرت ہے کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ تم لوگ ایک مقررہ وقت تک لطف اندوز ہو لو؛ لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو ان کے دیکھتے دیکھتے ایک کڑک نے ان کو جالیا۔ پھر وہ نہ تو اس سے بچ سکے اور نہ ہی اپنی مدد کر سکے۔

اوران تمام اقوام سے پہلے قوم نوح کواللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔

آیت ۴۷ میں بتایا گیا کہ آسمان کوہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنایااورہم (ہرآن) اِس کوتوسیع دینے والے ہیں۔ آج ماہرین فلکیات اور سائنس دان نت نئی کہکشاؤں (Galaxies) کے دریافت کرنے کی بات کرتے ہیں اوران کا کہنا ہے کہ ابھی لاتعداد کہکشائیں ایسی ہیں جو دریافت نہیں ہوسکیں؛ لیکن قرآن نے بالائی کائنات اور قدرت کے خلائی نظام کی وسعت کی بات بہت پہلے بیان کر کے رکھ دی ہے۔

سورت کا اختتام اس مشہور آیت پر ہوتا ہے جس میں جن وانس کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی معرفت و بندگی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ساتھ ہی یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ ساری مخلوق کے رزق کا کفیل پروردگارِ عالم ہے اور کفار ومشرکین کوعرصۂ محشر میں عذابِ شدید کا نوید ہے۔

سورۂ طور: اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے اٹل عذاب کا ذکر ہے کہ جب اس کا فیصلہ ہوجاتا ہے، تو اسے کوئی ٹالنے والی طاقت نہیں، آسمان تھرتھرانے لگتا ہے اور پہاڑ بہت تیزی سے چلنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اس بات کا ذکر ہے کہ اہل تقویٰ جنت اور نعمتوں میں پروردگار کی عطاؤں سے بہرہ مند ہورہے ہوں گے اوران کا رب ان کو عذاب جہنم سے بچالے گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے جو جی چاہے کھاؤ پیو، وہ ایک دوسرے سے جڑے قطار میں بچھے تختوں پر ٹیک لگائے ہوں گے، اوراللہ تعالی کشادہ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کوان کی زوجیت میں دے گا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی شخص کے گھر کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت سورۂ والطّور کی تلاوت کررہا تھا۔ آپ ٹھہر کر اس کی تلاوت سننے لگے، جب وہ شخص اِس آیت کریمہ پر پہنچا :

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ o

بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا اور اسے کوئی دور نہ کر سکے گا۔

تو آپ اپنے گدھے سے اُتر پڑے، اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، اور عالم وارفتگی میں یوں ہی بہت دیر تک کھڑے رہے۔ پھر گھر واپس تشریف لے گئے، اور ایسے بیمار ہوئے کہ لوگ ایک مہینہ تک آپ کی عیادت کے لیے آتے رہے؛ لیکن کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کو کیا مرض لاحق ہے!۔ (احیاء علوم الدین: ۲۸۲/۴)

اسی آیت کے تعلق سے ایک دوسرا دل دوز واقعہ بھی ملتا ہے، حضرت ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت مالک بن دینار کی معیت میں حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کے پاس گیا۔ ہم نے دیکھا کہ مجلس میں ایک شخص آپ کے پاس بیٹھ کر سورۂ والطّور کی تلاوت کر رہا ہے۔ جب قاری مندرجہ بالا آیت پر پہنچا :

تو حسن بصری زار و قطار رونے لگے، ساتھ میں آپ کے ہم مجلس بھی رو پڑے، اور مالک بن دینار نہ صرف روئے بلکہ تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہو گئے۔ (تفسیر قرطبی: ۶۲/۱۷)

پھر اگلی آیات میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ اہل ایمان کی اولاد نے بھی اگر ایمان اور اعمال صالحہ میں اپنے آبا کی پیروی کی ہوگی تو اللہ تعالی جنت میں ان سے ملا دے گا اور ان کے اپنے نیک عمل میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

مزید فرمایا کہ ہم ان کی خواہش کے مطابق ان کو پھل اور گوشت دیں گے۔ نیز اہل جنت کو اللہ تعالی ایسی شراب پلائے گا جس کے زیر اَثر آ کر نہ تو جنتی بے ہودگی کریں گے اور نہ ہی کوئی گناہ۔ اور ان کے سامنے چھپے ہوئے، موتیوں جیسے خوبصورت اور نفیس خدام ہوں گے۔ اہل جنت ایک دوسرے سے سوالات بھی کریں گے اور کہیں گے کہ ہم لوگ اس اُخروی زندگی سے قبل اپنے بال بچوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے تو ہم پر اللہ تعالی نے کتنا احسان کیا کہ جھلسا دینے والے عذاب سے ہمیں بچا لیا۔ بے شک وہ بڑا احسان اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ زندگی بھر میرا یہ معمول رہا کہ صبح اُٹھ کر میں سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ) کی خدمت میں حاضر ہوتا اور انھیں سلام کرتا اس کے بعد اپنے کاموں میں مشغول ہوتا تھا۔

ایک روز حسب معمول میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اُس وقت چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں، اور یہ آیت پڑھ پڑھ کر رو رہی تھیں :

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ o

سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور عذابِ دوزخ سے بچا لیا۔

میں دیر تک کھڑے رہنے باعث تھکن محسوس کرنے لگا؛ لیکن وہ یوں ہی تسلسل کے ساتھ آیت کی تلاوت کرتی رہیں اور روتی رہیں۔ میں نے سوچا پہلے بازار ہو آؤں، پھر بعد میں سلام کرلوں گا؛ چنانچہ میں بازار گیا اور اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس آ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ابھی تک آپ اسی طرح آیت کی تلاوت کر رہی ہیں، اور گریہ وزاری میں مشغول ہیں۔ (الکشف والبیان ثعلبی: ۱۲/۳۴۰......احیاء علوم الدین: ۴/۴۱۲)

اسی طرح محدث زائدہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشا کی نماز ادا کی۔ چوں کہ مجھے تنہائی میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا اس لیے میں انتظار میں بیٹھا رہا، جب سارے نمازی مسجد سے چلے گئے تو امام ابوحنیفہ نے یہ سمجھ کر کہ اب مسجد میں کوئی نہیں ہے نمازِ نفل شروع کر دی اور اس میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ جب مندرجہ بالا آیت: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ پر پہنچے تو اسی آیت کی بار بار تکرار کرتے رہے حتیٰ کہ فجر کی اَذان ہونے لگی۔

اس کے بعد معروضی انداز اختیار کر کے قدرتِ باری کے منکرین کو مخاطب کر کے بتایا گیا کہ کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا کر دیے گئے یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟، کیا آسمانوں اور زمینوں کو اِنھوں نے پیدا کیا ہے؟، کیا تیرے رب کی رحمت کے خزانے اُن کے قبضہ

وقدرت میں ہیں؟ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ بالائی کائنات کی باتوں کو سن لیتے ہیں، اگر ایسا ہے تو کوئی واضح دلیل تو پیش کریں!۔

سورۂ نجم: اس سورت کی ابتدائی اٹھارہ آیات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کی اس منزلِ رفعت کا ذکر ہے کہ جس میں انہیں اللہ تعالی کا قربِ خاص عطا ہوا اور اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف جو چاہا وحی فرمائی ۔مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قلبِ اطہر کی پوری حضوری اور یقین کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے جلووں کو دیکھتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ریب وشک میں مبتلا لوگوں کو فرمایا کہ کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو کہ انہوں نے دیکھا، انہوں نے تو نورِ نزول کے اس جلوے کو بارِ دیگر دیکھا ہے، وہاں جنت المأ ویٰ ہے اور آپ اپنے خالق کے جلوۂ نور کو اس قرار و اِنہاک کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے اہل کفر کے اس باطل عقیدے کا پرزور رد فرمایا ہے کہ وہ فرشتوں کو عورتیں قرار دیتے تھے ۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو عورتیں قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس حوالے سے کچھ بھی علم نہیں۔ وہ لوگ صرف وہم اور گمان کی پیروی کرتے ہیں جبکہ وہم وگمان، حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔

پھر انسانی زندگی کے ضابطہ کو بیان کیا ہے کہ انسان کی محنت اور کوشش ہی اس کی زندگی پر اَثر انداز ہوتی ہے۔اور ہر شخص اپنے کیے دھرے کا ذمہ دار ہے۔آخر میں نہایت اختصار کے ساتھ امم ماضیہ کا تذکرہ کر کے قوموں کے عروج وزوال کا ضابطہ بیان کر دیا کہ قوموں کی تباہی میں وسائل سے محرومی یا معیشت کی تنگی نہیں بلکہ ایمان سے محرومی، عملی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط سب سے بڑے عوامل ہوا کرتے ہیں۔

سورۂ قمر: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت قریب آ گئی

اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ شق قمر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور معجزہ ہے۔ آپ نے انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے لیکن جن کے مقدر میں ہدایت نہ تھی وہ کہاں ماننے والے تھے؛ اسی لیے فرمایا گیا: 'اگر یہ کافر کوئی بھی نشانی دیکھ لیں تو رخ پھیر لیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے'۔

مشرکین کا کہنا تھا کہ جادو کا اثر آسمان پر نہیں ہوتا؛ لہٰذا اگر آپ چاند دو ٹکڑے کر دیں تو ہم آپ کو جادوگر قرار دینے کے بجائے نبی تسلیم کر لیں گے؛ مگر وہ ہٹ دھرم اس معجزہ کو دیکھ کر بھی کہنے لگے کہ محمد عربی کا جادو تو آسمان پر بھی چل گیا۔ شق القمر کا واقعہ تقریباً آٹھ سنِ نبوی میں واقع ہوا، حتیٰ کہ انہوں نے چاند کا ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے ایک جانب اور دوسرا دوسری جانب دیکھا؛ مگر پھر بھی توفیق ایمان نہ ملی۔ اس واقعے کی صداقت کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے برملا اس کا دعویٰ کیا اور اس دور میں کسی نے بھی اس واقعے کی صداقت کو چیلنج نہیں کیا اور قرآن نے اسے علاماتِ قیامت میں سے قرار دیا۔

اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے چار مرتبہ تکرار در تکرار کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟۔ قرآن کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے پڑھنا، حفظ کرنا، اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے۔ آسانی ہی کا نتیجہ ہے کہ ایسے دیہاتی بھی قرآن کی تلاوت بہ سہولت کر لیتے ہیں جو اپنی مادری زبان میں چھوٹا سا کتابچہ بھی نہیں پڑھ سکتے، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اپنے سینوں میں ساری نزاکتوں اور قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفوظ کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد عاد و ثمود و قوم لوط و فرعون جو اپنے اپنے دور میں طاقت و قوت، ہنر اور ٹیکنالوجی، مستحکم معیشت اور مضبوط سیاسی نظام کے نمائندے تھے، ان کی تکذیب و نافرمانی پر ہلاکت و تباہی کی مثال پیش کر کے کافروں کو وعید اور اہل ایمان کو بشارت اور تسلی دی کہ

دعوت حق کے مخالفین کتنے با اثر اور مستحکم کیوں نہ ہوں اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے؛ لہٰذا مشرکین مکہ پر بھی ایک دن آنے والا ہے جب یہ شکست کھا کر میدان (بدر) سے راہِ فرار اختیار کرنے پر ہی عافیت سمجھیں گے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ' بے شک پرہیزگار لوگ جنت اور نہروں میں ہوں گے اپنے حقیقی گھروں میں مقتدر بادشاہ کے پاس۔

سورۂ رحمٰن: کفار و مشرکینِ مکہ یہ الزام دیتے تھے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو - معاذ اللہ - کوئی شخص خفیہ قرآن سکھاتا ہے۔ تو اس کے جواب میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئی کہ (وہ) رحمان ہی ہے جس نے خود رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سکھایا۔ اسی نے (اِس کامل) انسان کو پیدا فرمایا۔ اسی نے اِسے (یعنی نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ما کان و ما یکون کا) بیان سکھایا۔

اس کے بعد بتایا کہ سورج اور چاند حساب کے ایک نہایت ہی دقیق نظام کے تحت چل رہے ہیں، پودے اور درخت بھی اللہ کے نظام کے پابند اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اسی نے آسمان کو بلند کیا اور عدل و انصاف کا مظہر ترازو پیدا کیا لہٰذا ناپ تول میں کسی کمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ زمین کو اس انداز پر پیدا کیا کہ تمام مخلوقات اس پر بہ آسانی زندگی بسر کر سکیں۔ اس میں پھول، خوشہ دار کھجور، غلے اور چارہ اور خوشبودار پھول پیدا کیے۔ ان نعمتوں میں غور کر کے بتاؤ آخر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا اِنکار کرو گے۔

ان دنیاوی نعمتوں کے علاوہ اُخروی نعمتوں اور عذابوں کا بھی اس میں بیان ہے۔ آگ کے وہ شعلے اور دھواں جن میں سانس لینا دوبھر ہو جائے گا، وہ جہنم جس کی ایک چنگاری بھی انسان کو جلانے کے لیے کافی ہوگی، وہ کھولتا ہوا پانی جسے دوزخی مجبوراً پئیں گے اور وہ ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ دوسری طرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے گنجان ٹہنیوں اور شاخوں والے دو سرسبز باغات، ان میں بہتے ہوئے چشمے، ہر قسم کے

میووں کی دو دو قسمیں اور بچھے ہوئے قالین ہوں گے، دبیز ریشم کے تکیوں کے ساتھ جنتی ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، ریشم و کمخواب کے لباس، یاقوت و مرجان کی طرح حسن و جمال اور خوبصورتی کی پیکر جنتی حوریں ہوں گی جو اپنے شوہر کے علاوہ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی ہوں گی۔ یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد اللہ پاک نے اس سورت میں ۳۱ بار سوال کیا ہے: فأی آلاءِ ربکما تکذبان . یعنی پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔ آخر میں رب ذوالجلال والاکرام کے نام کی برکتوں کے تذکرہ پر سورت کو ختم کیا گیا ہے۔

حضرت یزید بن ابان الرقاشی ہمہ وقت محو آہ و بکا رہتے۔ گھر میں داخل ہوتے تب بھی روتے، کسی جنازے میں شریک ہوتے پھر بھی روتے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنے ہر شخص ان کا رونا دیکھ کر خود بھی رونے لگتا۔ ایک دن ان کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا: والد گرامی! آپ اتنا کیوں روتے ہیں؟ قسم بخدا! اگر آتش دوزخ صرف آپ ہی کے لیے بھڑکائی گئی ہوتی تو آپ کے آنسوؤں کے سیلاب سے وہ بھی بجھ گئی ہوتی۔

فرمایا: تیری ماں تجھ پر نوحہ کناں ہو۔ یقیناً جہنم میرے لیے، میرے دوستوں کے لیے اور ہمارے جن بھائیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ بیٹے! کیا تم نے ارشادِ باری تعالیٰ نہیں پڑھا: سَنَفْرُغُ لَکُمْ أَیُّهَا الثَّقَلاَنِ o

کیا تیری نظر سے یہ آیت نہیں گزری :

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلاَ تَنْتَصِرَانِ o

یوں ہی آپ آیتیں تلاوت کرتے رہے، جب اس آیت پر پہنچے :

یَطُوفُونَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ آنٍ o

تو راوی کہتے ہیں کہ حضرت رقاشی روتے تڑپتے اور چیختے ہوئے پورے گھر میں دیوانہ وار گھومنے لگے حتیٰ کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ یہ منظر دیکھ کر ماں نے بیٹے سے پوچھا: تم نے

اپنے باپ کا کتنا برا حال کر دیا ہے؟۔ بیٹا سراپا نیاز بن کر عرض کرتا ہے: امی جان! قسم بخدا، میری نیت یہ تھی کہ میرا کہا سن کر وہ شاید رونا دھونا کچھ کم کر دیں، نہ یہ کہ ان کا گریہ وبکا شباب پر آجائے اور وہ خود کو جان آفریں کے حوالے کر دیں۔ (الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۲۶۲)

سورۂ واقعہ: سورت کا مرکزی مضمون بعثت بعد الموت کا عقیدہ ہے، قیام قیامت ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلانا ممکن نہیں ہے، اس دن عدل وانصاف کے ایسے فیصلے ہوں گے جس کے نتیجہ میں بعض لوگ اعزاز واکرام کے مستحق قرار پائیں گے جبکہ بعض لوگوں کو ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ لوگوں کی نیکی اور بدی کے حوالہ سے تین جماعتیں بنادی جائیں گی: ایک **أصحاب الميمنة** یعنی اہلِ سعادت وخیر، دوسرے **السابقون المقربون** یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیکی میں سب پر سبقت لے جائیں گے اور تیسرے **أصحاب المشئمة** یہ بدنصیب لوگ اہلِ جہنم ہوں گے۔ اس کے بعد ایک بار پھر جنت کی پرکشش نعمتوں کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بالمقابل تکیوں پر ٹیک لگائے، زر وجواہر سے مرصع تختوں پر بیٹھے ہوں گے، ان پر شرابِ طہور کے جام گردش کر رہے ہوں گے اور یہ ایسی شراب ہوگی کہ عقل پر اثر انداز نہیں ہوگی اور پرکیف ہوگی۔

اس کے بعد اصحابِ یمین کے لیے مزید نعمتوں کا ذکر ہے اور پھر اصحاب الشمال (یعنی اللہ کے نافرمان لوگ) کے لیے عذاب کی مختلف صورتوں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک یہ کہ ان کی خوراک زقوم (تھوہر کے درخت) سے ہوگی، اس درخت کا پھل انتہائی کڑوا ہوتا ہے، اس سے وہ پیٹ بھریں گے اور اس پر کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔ قیامت کے دن یہی ان کی میزبانی ہوگی۔ ان لوگوں کے جہنم میں جانے کا بڑا سبب یہ ہوگا کہ یہ بڑے گناہوں پر اِصرار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھی کہ کیا جب ہم مر جائیں گے، مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم واقعی دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے گزرے ہوئے باپ دادے بھی اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ کہہ

دیجیے کہ اگلے اور پچھلے سب ایک متعین دن وقت مقررہ پر ضرور جمع کیے جائیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے اپنی قدرت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم کاشت کرتے ہو، اس کو (درحقیقت) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے چورہ چورہ کر کے رکھ دیں۔ تمہارے پینے کا پانی بادلوں سے کون نازل کرتا ہے؟ کیا تم اتارتے ہو یا ہم اتارتے ہیں، اگر ہم اس پانی کو نمکین اور کڑوا بنا دیں تو تم کیا کر سکتے ہو؟ کیا اس پر تم شکر نہیں کرتے ہو؟ جس آگ کو تم جلاتے ہو اس کا درخت کون پیدا کرتا ہے تمہیں اپنے رب عظیم کی تسبیح بیان کرتے رہنا چاہیے۔

سورۂ حدید: حدید لوہے اور اسٹیل کو کہتے ہیں اور اس کے منافع اور فوائد ہر دور میں مسلم رہے ہیں، اس لیے سورت کا نام 'حدید' رکھا گیا۔ سورت کی ابتدا میں اللہ تعالی نے ایک بار پھر اپنی آیاتِ قدرت کا ذکر فرمانے کے بعد صحابہ کرام کے مابین درجاتِ فضیلت میں مختلف مدارج بیان کیے ہیں، ایک طبقہ صحابہ وہ تھا جو اعلانِ نبوت کے فوراً بعد ایمان لایا، پھر ایک سنگِ میل وہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس تھی، پھر ایک سنگِ میل ہجرت ہے کہ ہجرت سے پہلے اور بعد میں ایمان لانے والے، پھر ایک سنگِ میل غزوۂ بدر ہے، اہلِ بدر کے لیے اللہ تعالی نے خصوصی مغفرت کا اعلان فرمایا۔

ایک سنگِ میل صلحِ حدیبیہ ہے اللہ تعالی نے اس موقع پر موجود تمام صحابہ کرام کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی اور پھر ایک سنگِ میل فتح مکہ ہے جس کا اس سورت کی دسویں آیت میں ذکر ہوا ہے؛ مگر اس باہمی فضیلت اور درجہ بندی سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی صحابی کے مرتبے کو گرائے یا ان کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ کہے یا ان کے اخلاص اور ایمان میں کوئی شک کرے، اللہ تعالی نے اس طرح کے فتنوں کا سدِ باب کرنے کے لیے فرمایا: اور اللہ نے (اپنے رسول کے تمام صحابہ سے) اچھے انجام (یعنی جنت) کا وعدہ فرمایا ہے۔

آیت ۱۲ میں فرمایا کہ میدانِ حشر میں مومنین اور مومنات کی امتیازی شان ہوگی اور ان کا نوران کے سامنے اوران کی دائیں جانب ضوفشاں ہوگا اورانہیں جنت کی بشارت دی جائے گی۔اس کے بعد فرمایا کہ منافق مرد اور عورتیں مومنوں سے کہیں گے،تم ہماری طرف دیکھو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں،ان سے کہا جائے گا،تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر کوئی نور تلاش کرو پھران کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل کر دی جائے گی، جس میں دروازہ ہوگا اس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور باہر کی جانب عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب اس سورت کی مندرجہ ذیل آیت پڑھتے:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ o

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر سے ان کے دل گداز ہوں۔

تو بے اِختیار رو پڑتے اور دیر تک روتے رہتے؛ حتیٰ کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی، اورعرض گزار ہوتے: ہاں! میرے پروردگار! (وہ وقت آ گیا ہے!)۔(الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا:۸۱ حدیث:۷۶)

حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ (م ۱۸۷ھ) بہت نامور محدث اور مشہور اولیاے کرام میں ہوئے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ پہلے یہ بڑے زبردست ڈاکو تھے۔قذاقی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ایک مرتبہ ڈاکہ ڈالنے کی غرض سے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہے تھے کہ اتفاقاً اس وقت مالک مکان قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھا۔اس نے وہی مذکورہ بالا آیت تلاوت کی۔ جوں ہی یہ آیت آپ کے کانوں سے ٹکرائی، گویا تاثیر ربانی کا تیر بن کر دل میں پیوست ہوگئی اوراس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ خوفِ خدا سے کانپنے لگے اور بے اختیار آپ کے منہ سے نکلا: 'کیوں نہیں میرے پروردگار! اب اِس کا وقت آ گیا ہے'۔

چنانچہ آپ روتے ہوئے دیوار سے اُتر پڑے اور رات کو ایک سنسان اور بے آباد کھنڈر نما مکان میں جا کر بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر بعد وہاں ایک قافلہ پہنچا تو شرکاے قافلہ

آپس میں کہنے لگے کہ رات کو سفر مت کرو، یہاں رُک جاؤ کہ فضیل بن عیاض ڈاکو یہیں اَطراف میں کہیں رہتا ہے۔ قافلے والوں کی یہ باتیں جب آپ نے سنیں تو اور زیادہ رونے لگے کہ افسوس! میں کتنا بڑا پاپی اور گنہ گار ہوں کہ میرے خوف سے اُمت رسول کے قافلے رات میں سفر نہیں کرتے اور گھروں میں عورتیں میرا نام لے کر بچوں کو ڈراتی ہیں۔

آپ مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور آپ نے سچی توبہ کر کے یہ اِرادہ کیا کہ اب ساری زندگی کعبۃ اللہ کی مجاوری اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دوں گا۔ چنانچہ آپ نے پہلے علم حدیث پڑھنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک صاحب فضیلت محدث بن گئے اور حدیث کا درس دینا شروع کر دیا۔(اولیاے رجال الحدیث:۲۰۶)

لوہا اپنے اندر بھرپور انسانی منافع لیے ہوئے ہے، اس سے طاقت وقوت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ طاقت وقوت اللہ کے دین کی حمایت اور اس کے دفاع میں استعمال ہونی چاہیے۔قرآن مجید کی اس آیت کی حقانیت کی قوی دلیل یہ ہے کہ آج دنیا بھر میں سامانِ حرب کی تیاری اور دفاعی اور اقدامی جنگ کے لیے فولاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور تمام قدیم وجدید صنعتوں کی اَساس یہی ہے۔

پھر سلسلہ انبیا کا مختصر تذکرہ ہے جس میں ابوالبشر ثانی حضرت نوح علیہ السلام اور امام الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیا گیا ہے اور پھر عبد صالح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب انجیل کا تذکرہ فرما کر ان کے متبعین کی صفات اور قیامت میں ان کے لیے اجر عظیم کے وعدہ کے ساتھ ان کے پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس طرح وہ دہرے اَجر کے مستحق قرار پائیں گے اور یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی عطا کردہ توفیق سے ہی میسر آ سکتا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے اور صاحب قرآن کی سنتوں کے سانچے میں ڈھلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

اٹھائیسواں پارہ

سورۂ مجادلہ: مجادلہ کے معنی بحث وتکرار یا جھگڑا کرنے کے ہیں،اس سورت کی ابتدامیں ایک خاتون کی گفتگواوراس کے ضمن میں ظہار کاحکم بیان کیا گیا ہے؛اس لیےاس کا نام 'مجادلہ' رکھ دیا گیا۔

اس سورت کا پسِ منظر یہ ہے کہ ایک صحابیہ خولہ بنت ثعلبہ کے شوہر اوس بن صامت نے ناراضگی میں ان سے کہہ دیا تھا کہ تم میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہو، جسے شرعاً ظِہار کہا جاتا ہے، اور ظِہار کے ذریعے زمانۂ جاہلیت میں بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی تھی۔اب خولہ دوڑتی ہوئی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اوراپنا دکھ بھرا ماجرا سنانے لگیں کہ یارسول اللہ! یہ شخص میرا مال کھا گیا، میری جوانی اس نے تباہ کردی، میں نے اپنا پیٹ اس کے آگے کھول کر رکھ دیا۔اب جب میں بوڑھی ہو کراولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہی تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا۔میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر انہیں میں اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مرنے لگیں گے اوراگر اوس کے حوالہ کردوں تو بے توجہی کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے کیوں کہ ابھی ظِہار کا حکم نہیں آیا تھا،خولہ نبی کریم علیہ السلام سے کچھ بحث وتکرار کرنے لگیں کہ میرے مسئلے کا حل کیا ہے اور اللہ سے فریاد کرنے لگیں۔اللہ تعالی نے اس سورت کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا: (اے رسول!) اللہ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں بحث کر رہی تھی اوراللہ سے شکایت کررہی تھی اوراللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔چنانچہ خولہ اللہ تعالی کےاس حکم کےنزول کا سبب بنیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظہار کے کفارے کے لیے حکم نازل فرمادیا کہ جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں اور پھر اپنی کی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو انہیں یا تو ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہوں گے اور ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ سیدہ خولہ کی دعا وفریاد کی وجہ سے اللہ نے پوری اُمت مسلمہ کے لیے آسانی کردی اور قیامت تک اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرلیتا ہے تو کفارہ اُدا کرکے اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہوجائے گی۔

اس کے بعد بتایا کہ خفیہ گفتگو کرنے والے اگر تین ہوں تو چوتھا اللہ، پانچ ہوں تو چھٹا اللہ، کم ہوں یا زیادہ اللہ ان کے ساتھ ضرور موجود ہوتا ہے۔ یہودی اپنی سرگوشیوں سے مسلمانوں کے لیے پریشانیاں اور مسائل پیدا کرتے تھے؛ اس لیے خفیہ میٹنگوں پر پابندی لگادی گئی۔ ہاں! ایسی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں کی اجازت دی گئی ہے جو نیکی اور تقویٰ کے بارے میں ہوں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی مجلس کے لیے یہ ادب بیان کیا گیا کہ دربارِ رسالت میں حاضری سے پہلے صدقہ کرلیا کروتا کہ آدابِ رسالت میں کسی کوتاہی کی صورت میں اللہ کی پکڑ سے بچ سکو۔ پھر بتایا کہ مومن وہی ہیں جو رشتہ داری کی اسلامی بنیادوں کو ملحوظ رکھتے ہیں، خونی، قومی اور لسانی بنیادوں پر اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے تعلقات استوار نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ کی تائید ونصرت اور جنت کے مستحق ہیں، یہی لوگ حزب اللہ میں شامل ہیں اور کامیابیاں ہمیشہ اللہ ہی کے لشکر کے قدم چوما کرتی ہیں۔

سورۂ حشر: اس سورت میں دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل ایمان کے تین ممتاز طبقوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک طبقہ وہ کہ جنہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ہجرت کی اور اپنے گھربار اور اموال کو اللہ کے فضل اور خوشنودی کے حصول کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ دوسرا طبقہ انصاری صحابہ کا تھا جو مہاجرین سے محبت کرتے تھے اور ان کو دیے گئے

مال کے بارے میں اپنے دل میں معمولی سی تنگی بھی محسوس نہیں کرتے تھے اور انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے چاہے انہیں خود تنگی کا سامنا کرنا پڑتا۔

تیسرا طبقہ مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے اہل ایمان کا تھا جنہوں نے مہاجرین اور انصار صحابہ کرام کے لیے یا اپنے سے پہلے دنیا سے چلے جانے والے مومنوں کے لیے دعا مانگی کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو معاف فرما جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے بارے میں کدورت پیدا نہ فرما۔ بے شک تو بڑی شفقت اور رحم کرنے والا ہے۔ (یہ آیت ایصالِ ثواب کی اصل ہے)۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے تین طبقوں کا ذکر کر کے دراصل اس بات کو سمجھایا ہے کہ اہل ایمان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں نیک نیتی اور خیر خواہی کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں اور وہ زندگی میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔

اس سورت کا دوسرا نام سور بنی النضیر ہے؛ کیونکہ اس میں قبیلہ بنی نضیر کے محاصرے اور پھر جلا وطن کئے جانے کا تذکرہ ہے۔ یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا، مگر وہ اپنی سازشی طبیعت کے مطابق خفیہ طریقہ پر مشرکین مکہ کی حمایت اور مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرداں رہتے۔ غزوہ احد کے موقع پر مشرکین کے غلبہ سے ان کی سازشیں زور پکڑنے لگی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر کے ان کی جلاوطنی کا فیصلہ کیا جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ انہیں کہا گیا تھا کہ جاتے ہوئے جو چیز ساتھ لے جا سکتے ہو لے جاؤ، چنانچہ انہوں نے اپنے مکانات کو توڑ کر ان کا ملبہ بھی ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا تاکہ نئی جگہ پر آبادی میں تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرسکیں اور ان کے چلے جانے کے بعد مسلمان ان کے گھروں کو استعمال نہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورتحال کو ان کے لیے دنیا کا عذاب قرار دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔

اکیسویں آیت میں اللہ تعالی نے قرآنِ مجید کی جلالت وہیبت کو بیان فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے اور (اسے عقل وشعور کی نعمت عطا کرتے تو) تو اے انسان! تو دیکھتا کہ وہ پہاڑ (قرآن کی ہیبت سے) جھکا ہوا ہوتا اور اللہ کے خوف سے پاش پاش ہوجاتا۔ پھر اس کی آخری آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بہت سے پیارے اسماے حسنیٰ بیان فرمائے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے ننانوے اسما ہیں، جس نے ان کو شمار کرنے کی سعادت پائی وہ مستحق جنت ہے۔

سورۂ ممتحنہ: اس سورت کا ابتدائی حصہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوا جنھوں نے مشرکین مکہ کو ممنونِ احسان کرنے کے لیے خفیہ طریقے سے مکہ کی طرف نبی کریم علیہ السلام کی روانگی کی اطلاع دینے کی کوشش کی تھی، وہ بدری اور مخلص صحابی تھے مگر ان سے ایک ایسی حرکت سرزد ہوگئی جو اللہ ورسول کو پسند نہ تھی بعد میں انھیں اس پر سخت ندامت ہوئی، انھوں نے صدق دل سے توبہ کی تو اس پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے غیر مسلموں کے ساتھ دوستی اور تعلقات قائم کرنے کی مذمت فرمائی اور بتایا کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔ ان سے کسی چیز کی توقع عبث ہے اور ایک ضابطہ بیان کردیا کہ جن کافروں کا شر متعدی نہیں ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوشاں نہیں ہیں ان سے حسن معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ جو کافر مسلمانوں کے لیے مسائل ومشکلات کا باعث ہیں انہیں نقصان پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں ان سے کسی قسم کے تعلقات استوار نہیں کیے جاسکتے۔

گیارہویں آیت میں اللہ تعالی نے نبی کریم علیہ السلام کو فرمایا کہ اگر مومنات صحابیات آپ سے ایک طے شدہ دستور اور منشور پر بیعت کرنا چاہیں تو ان کی بیعت قبول کیجیے اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کیجیے، وہ منشور یہ ہے کہ: وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، (افلاس کے خوف سے)

اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، بہتان تراز ی نہیں کریں گی اور کسی بھی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

پھر اللہ تعالی نے اہل ایمان کو اسلام کے دشمنوں سے براءت کا حکم دیا ہے اور اس کے بعد حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے کردار کو نمونے کے طور پر اہل ایمان کے سامنے رکھا ہے کہ مسلمانو! یقیناً تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو براءت کا اظہار کرتے ہیں، ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت کی ابتدا ہو چکی ہے یہاں تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہیں لے آتے۔ یعنی اہل ایمان کو محبت اور نفرت علاقے، رنگ، نسل اور جغرافیے کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدہ توحید کی بنیاد کرنی چاہیے۔ اس تصور کو ہی تصور اخوت کہتے ہیں کہ پوری دنیا میں بسنے والے اہل ایمان ایک جسد واحد کی مانند ہیں کہ اگر جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔

سورۂ صف: اس میں صف باندھ کر جہاد کرنے کا تذکرہ ہے، اس لیے یہ سورت 'صف' کہلائی۔ اس سورت کے شروع میں قول وفعل کے تضاد سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالی ایسے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے، جن کے قول وفعل میں تضاد ہے۔ مزید فرمایا کہ اللہ تعالی ان مجاہدین کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ قتال کرتے ہیں، جیسے کہ وہ کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں؛ چنانچہ جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو مزید ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں تصدیق کرتا ہوں اس توریت کی جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد سے قبل ہی آپ کی آمد کی خوشخبری دے کر دراصل کائنات کے لوگوں کو یہ بات سمجھا دی کہ ان کے بعد کائنات کے لوگوں کی راہنمائی کا فریضہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دیں گے۔

اخیر میں بتایا گیا کہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کو ہر دور میں کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے حواریین کی اللہ نے مدد فرما کر انہیں غلبہ نصیب فرمایا تھا، یوں ہی اگر تم بھی حضور تاجدارِ کائنات علیہ السلام کی حمایت کروگے تو فتح وغلبہ اور نصرت خداوندی تمہارے شامل حال ہوگی۔

سورۂ جمعہ: سورت کے آغاز میں بعثت رسول کے مقاصد کو بیان کیا گیا، یعنی تلاوتِ آیاتِ الٰہی، تزکیۂ باطن اور کتاب وحکمت کی تعلیم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہود کے ان علما کا ذکر کیا ہے جو توریت کو پڑھتے تو ہیں؛ لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کو لاد دیا جائے، اس بوجھ سے اس کی کمر جھکی جارہی ہو؛ لیکن ان کتابوں میں جو علوم ومعارف اور جواہر واسرار ہیں ان سے وہ قطعاً بے خبر ہے۔

اس کے بعد یہودیوں کے دعوے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اگر کائنات میں اللہ کے سب سے پیارے ہیں تو انہیں موت کی تمنا کر کے جلدی سے اپنے پیارے رب کے پاس پہنچ جانا چاہیے؛ مگر یہ موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس موت سے یہ ڈرتے ہیں وہ ایک نہ ایک دن آ کر انہیں عالم الغیب والشہاد کے سامنے پیش کر دے گی۔

اس کے بعد نماز جمعہ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا کہ جب نماز جمعہ کے لیے ندا دی جائے تو سب کام کاج چھوڑ کر نماز کے لیے دوڑے چلے آؤ اور جب نماز ادا کر چکو تو وسائل رزق

کو تلاش کرو۔ پھر اخیر میں ان منافقوں کی حرکتیں بیان کی گئیں جو کہ تجارت اور کھیل تماشے کو دیکھ کر اس کی طرف بھاگ پڑتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر کھڑا چھوڑ دیتے۔ ارشاد ہوا کہ آپ ان سے فرما دیجیے کہ جو اجر وثواب اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے اچھا رزق دینے والا ہے۔

سورۂ منافقون: اس سورت میں اسلامی معاشرہ کی انتہائی خطرناک قسم، منافقین کے اخلاق، ان کے جھوٹ، ان کی دسیسہ کاریوں، مسلمانوں کے لیے ان کے بغض وعناد اور ان کے قلب ولسان میں تضاد کا بیان ہے؛ اگر کبھی وہ قسمیں کھا کر بھی کسی چیز کی یقین دہانی کرائیں تو ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

منافقین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شہادت دیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؛ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں۔ آگے یہ بھی بتایا گیا کہ منافق انفاق فی سبیل اللہ سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کہ آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے؛ لیکن منافق اس بات کو نہیں سمجھتے۔ پھر انہوں نے تاجدارِ کائنات علیہ السلام اور اہل ایمان کے مقابلے میں اپنے آپ کو عزت دار قرار دیا اور یہاں تک کہا کہ ہم عزت والے مدینہ پہنچ کر ان کم حیثیت لوگوں کو باہر نکال دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عزت تو اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لیے ہے؛ لیکن منافق ہیں ہی بے سمجھ۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فرمایا کہ مال اور اولاد (کی محبت) تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے۔ اور ہم نے تمہیں جو مال عطا کیا ہے، موت سر پر آنے سے پہلے اسے دین کی راہ میں خرچ کرو؛ ورنہ فرشتۂ اجل کو دیکھ کر ہر ایک کہے گا کہ مجھے تھوڑی سی مہلتِ حیات مل جائے کہ میں صدقہ کروں اور نیکو کاروں میں سے ہو جاؤں۔ اللہ نے فرمایا کہ موت کا مقررہ وقت آنے پر کسی کو ایک سانس کی بھی مہلت نہیں ملے گی؛ لہٰذا جو آج کر سکتے ہو کر لو، کل کو کس نے دیکھا!۔

سورۂ تغابن: اس سورت میں توحید خداوندی پر کائناتی شواہد پیش کرنے کے بعد گزشتہ اقوام کی نافرمانیوں اور گناہوں پر ان کی ہلاکت کا تذکرہ ہے، پھر قیامت کا ہولناک دن اور اس میں پیش آنے والے احوال کا مختصر ذکر ہے۔ اس کے بعد جنت والوں کی عظیم الشان کامیابی اور جہنم والوں کے بدترین ٹھکانہ کے بیان کے بعد بتایا گیا کہ بیوی بچے انسانی آزمائش کا ذریعہ بن جاتے ہیں، سواُن سے ہوشیار رہو۔

یعنی بعض اوقات اہل وعیال کی محبت کے غلبے اوران کی جائز وناجائز فرمائشوں اور خواہشات کی تکمیل کے لیے اِنسان دین سے دور ہوجاتا ہے، حلال وحرام کی پروانہیں کرتا، نہ ہی حقوق وفرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے، ان کی محبت ہی کی وجہ سے ہجرت اور جہاد سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔ اس سورت کے اخیر میں بھی اہل ایمان کو راہِ خدا میں خرچ کرنے اور بخل سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۂ طلاق: سورت کی ابتدا میں طلاق کا شرعی طریقہ بتایا گیا ہے کہ اگر ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنا مشکل ہوجائے اور طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہے تو بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دے کر چھوڑ دیں، یہ طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہیے جس میں بیوی کے ساتھ جماع نہ ہو، طلاق دینے کے بعد اسے عدت ختم ہونے تک چھوڑ دیں۔ پھر عدت کی تکمیل سے پہلے بھلائی کے ساتھ یعنی نیک ارادے سے رجوع کر لیں یا دستور کے مطابق جدا کردیں اور رجوع کی صورت میں بہتر ہے کہ دو گواہ مقرر کرلیں۔

جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو، اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے، عدت وفات ہر صورت میں لازم ہوگی، خواہ رخصتی عمل میں آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ حاملہ عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو، تو اس کے حق میں حاملہ والی عدت بھی مؤثر ہے، خواہ اس کا دورانیہ عدت وفات سے کم ہو یا زیادہ۔

قرآن نے یہ بھی حکم دیا کہ مطلقہ عورتوں کو عدت کے دوران اپنی حیثیت کے مطابق نان نفقہ دو، اور انہیں تنگ نہ کرو۔ اور اگر وہ حاملہ ہیں تو وضعِ حمل (Delivery) تک ان کو نان نفقہ دو۔ اور اگر وہ وضعِ حمل کے بعد بچے کی پرورش کرنے اور دودھ پلانے پر آمادہ ہوں تو انہیں اُجرت بھی دو اور یہ تمام مصارف صاحبِ حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق اَدا کرے، اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔

قرآن حکیم نے زندگی کی باریکیوں کو کتنی وضاحت کے ساتھ پیش فرما دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کا اسلوب دوسری کتابوں سے کس قدر مختلف ہے۔ یہ قانون کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں قانون پر آمادۂ عمل کرنے والی ترغیبات اور ترہیبات بھی کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

سورۂ تحریم: سورت کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض وجوہ سے شہد نہ کھانے کی قسم فرمالی تھی، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ کفارہ ادا کر کے قسم توڑ دیں۔ پھر ازواجِ رسول کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی نے تمہیں طلاق دے دی، تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرمانبردار، ایمان دار، اطاعت گزار، توبہ کرنے کرنے والیاں، عبادت گزار، روزے دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ازواجِ مطہرات طیبات امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے اللہ کے رسول کو دل وجان سے راضی رکھا۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس سورت کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت فرمائی :

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ o جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

پھر فرمایا: جہنم کی آگ ایک ہزار برس جلائی گئی تو وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکائی گئی تو سفید ہوگئی، پھر ہزار سال بھڑکائی گئی تو سیاہ ہوگئی، اور اب وہ سیاہ وتاریک ہے۔ اتنا سننا تھا کہ ایک حبشی - جو وہاں موجود تھا - زاروقطار رونے لگا۔ تاجدارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کس کے رونے کی آواز آرہی ہے؟۔

عرض کیا گیا: یارسول اللہ! حبشہ کا رہنے والا ایک شخص محوآہ وبکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے رونے کو پسند فرمایا۔

اتنے میں حضرت جبرئیل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے کہ یارسول اللہ! اللہ رب العزت فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میرا جو بندہ دنیا میں میرے خوف سے روئے گا، میں ضرور اسے جنت میں زیادہ ہنساؤں گا۔ (شعب الایمان: ۱/۴۹۰ حدیث: ۷۹۹)

پھر اگلی آیات میں اللہ تعالی نے کامیابی کو ایمان وعمل سے مشروط رکھا ہے اور ازواجِ مطہرات اور اہل ایمان کو سیدنا نوح اور سیدنا لوط علیہما السلام کی بیویوں کا حوالہ دیا ہے کہ وہ نبیوں کی رفاقت میں رہ کر بھی اپنی بدعملی کی وجہ سے ناکام ہوگئیں اور ان کے مقابل فرعون کی بیوی آسیہ کامیاب اور کامران رہیں؛ اس لیے کہ انہوں نے اپنے ایمان کے تحفظ وبقا کے لیے جامِ شہادت نوش فرمالیا۔ اسی طرح سیدہ مریم بھی کامیاب رہیں کہ جنھوں نے اللہ کی بندگی کو اختیار کیا اور اپنے کردار کو ہر طرح کی آلودگی سے بچالیا۔

اس مثال سے تعلیم یہ دی گئی ہے کہ اسلام میں رشتہ داریاں اور حسب ونسب نہیں ایمان وعمل کام دیتا ہے۔ یعنی اگر انسان خود مومن وصالح نہ ہو تو اسے کسی مومن کی قرابت اور حسب ونسب کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے!۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ایمان وعمل میں پختگی ودوام عطا فرمائے، صادقین وصالحین کے دامن سے وابستہ رکھے اور حسب ونسب کے فخر ومباہات سے کوسوں دور رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین بجاہ طٰہٰ ویٰس ﷺ

انتیسواں پارہ

سورۂ ملک: یہ بڑی فضیلتوں والی سورت ہے۔اسے مانعہ، واقعہ اور منجیہ بھی کہا گیا ہے یعنی حفاظت کرنے والی اور عذاب قبر سے روکنے اور بچانے والی سورت۔ اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے کہ وہ اسے نمازِ عشا کے بعد بالالتزام پڑھتے ہیں۔

آغازِ سورت میں اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس کا مقصد بندوں کی آزمائش ہے کہ کون عمل کے میزان پر سب سے بہتر ثابت ہوتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد مقدار کی کثرت نہیں بلکہ معیار کا حسن پیدا کرنا ہے۔ اگلی آیات میں اللہ تعالی نے اوپر تلے سات آسمانوں کی تخلیق کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی تخلیق میں تمھیں کوئی عیب یا نقص نظر نہیں آئے گا (یقین نہ آئے تو) ایک بار پھر (آسمان کی طرف) نظر اُٹھا کر دیکھ لو، کیا اس میں تمھیں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ جتنی بار چاہو دیکھ لو اللہ کی تخلیق میں کوئی عیب یا جھول تلاش کرنے میں تمہاری نظر تھک ہار کر ناکام پلٹ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانِ اول کے نیچے لاتعداد چمکتے تاروں کو پیدا فرمایا اور ان کے ذریعے وہ شیطان کو رجم بھی کرتا ہے۔ آگے بتایا کہ جب جہنمیوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو جہنم کا داروغہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ تو جواب میں جہنمی کہیں گے یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والے تو آئے؛ لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو نازل نہیں کیا اور ہم- معاذ اللہ- ان کو بھٹکا ہوا کہتے رہے۔ ہائے افسوس کہ اگر ہم نے انھیں توجہ سے سنا ہوتا اور عقل سے کام لیا ہوتا تو آج شاید جہنم میں نہ ہوتے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ خشیت الٰہی سے اپنے قلب و باطن کو معمور رکھا ان کے لیے نوید مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

انیسویں آیت میں اللہ نے فرمایا کیا کہ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کبھی پَر پھیلائے اور کبھی پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو کبھی نہیں دیکھا؟، آخر اِن کو (فضا میں) رحمٰن کے سوا کون روک کر رکھتا ہے!۔ پھر زمین پر چلنے پھرنے کی سہولت، روزی کمانے کے مواقع فراہم کرنے کے انعام کا تذکرہ کر کے اس منعم حقیقی کے دربار میں پیشی کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ اور ہدایت یافتہ اور گمراہ انسان کو نہایت خوبصورت تعبیر میں واضح کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان تیمی رحمہ اللہ (م۱۴۳ھ) وقت کے عظیم زاہدو عابد ہوئے ہیں۔ حضرت معمر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان تیمی رحمہ اللہ نماز عشا کے بعد میرے بغل میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے لگے۔ میں نے سنا کہ وہ نماز میں سورۂ ملک کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ پھر جس وقت وہ اس سورت کی مندرجہ ذیل آیت پر پہنچے :

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا o

پھر جب اس (دن) کو قریب دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ کر سیاہ ہو جائیں گے۔

تو بار بار اسی ایک آیت کی تکرار کرنے لگے، اِدھر مسجد دھیرے دھیرے خالی ہوتی گئی، لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور میں نے بھی بالآخر اپنے مکان کی راہ لی۔

جب نمازِ فجر کی اذان دینے کے لیے میں مسجد کے اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلیمان تیمی تاہنوز اپنی جگہ بالکل اسی طرح کھڑے ہیں جیسے میں انھیں گزشتہ رات چھوڑ کر گیا تھا، اور ان کی زبان سے بار بار وہی مذکورہ آیت نکل رہی ہے، اس سے آگے بڑھنے کا ان کے اندر یارا ہی نہ تھا۔ (موسوعۃ الخطب والدروس: ۱/۲۰)

پھر اس سوال پر سورت ختم کر دی گئی کہ پانی جو کہ زندگی کی ابتدا اور بقا کا ضامن ہے اسے اگر اللہ تعالیٰ خشک کر دے اور زمین کی تہہ میں جذب کر دے تو تمہارے کنوؤں کے خشک سوتوں میں پانی کا بہاؤ اللہ کے سوا کون پیدا کر سکتا ہے!۔

سورۂ قلم: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قلم اور کارکنانِ قضا و قدر کے نوشتوں کی قسم فرما کر کفار کے اِلزامات سے اپنے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع فرمایا ہے کہ اپنے رب کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں، آپ کے لیے تو اس نے کبھی نہ ختم ہونے والا اَجر تیار کر رکھا ہے اور آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر نہ صرف فائز ہیں بلکہ آپ کا اخلاقِ عالیہ رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ وآئیڈیل رہے گا۔ محبوب! عنقریب وہ دیکھ لیں گے کہ مجنون اور خبط الحواس کون تھا!۔ عام اصول یہ ہے کہ جس پر اِلزام ہو، وہ اپنی صفائی پیش کرتا ہے؛ لیکن مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے یہ اعزاز وشرف عطا فرمایا کہ آپ پر کفار ومشرکین کی جانب سے جو الزام لگائے جاتے رہے ، پروردگارِ عالم نے آیاتِ قرآنی میں خود اُن کی تردید فرمائی ہے۔

پھر اگلی آیات میں اللہ تعالی نے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ کفار چاہتے ہیں کہ دین کے معاملے میں آپ اُن سے بے جا رو رعایت برتیں تا کہ وہ بھی جواب میں رعایت کریں ، ایسا نہیں ہوسکتا، ان سے بتا دیں کہ حق کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں۔ اس کے بعد ایک دشمنِ رسول (بقول جمہور مفسرین ولید بن مغیرہ) کے نو (۹) قبیح اَوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کو اپنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل آزاری کرنے والا کتنا ناپسند ہے!۔

سورت کا آغاز نون والقلم سے ہوتا ہے۔ اور یہ اس دور کی بات ہے جب قلم اور کتاب سے بیگانگی بالکل عام تھی؛ لیکن چونکہ قرآن آخری آسمانی کتاب ہے اور اسے نازل کرنے والا جانتا تھا کہ آنے والا دور قلم، علم، معلومات اور تحقیقات کا ہے؛ اس لیے اس نے مسلمانوں کو قلم کی اہمیت وہمہ گیریت کی طرف متوجہ فرمایا۔ دیکھا جائے تو موجودہ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور ٹیکنالوجی وغیرہ اسی قلم ہی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے ایک سخی اور نیک زمیندار کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے باغات کی آمدنی میں سے اللہ تعالی کے حق کو احسن طریقے سے ادا کیا کرتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا

تو اس کے بیٹوں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ وہ فصلوں کی کٹائی میں سے کسی غریب کو کچھ بھی اَدا نہ کریں گے۔ جب فصلوں کی کٹائی کا وقت آیا تو وہ صبح سویرے نکلے تاکہ راستے میں ان کو کوئی مسکین نہ مل جائے۔ پھر جب وہ باغ میں پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہاں پر کھیت یا باغ نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی، پہلے تو انہیں شک ہوا کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں؛ لیکن اچھی طرح غور کرنے کے بعد وہ سمجھ گئے کہ وہ راستہ نہیں بھولے بلکہ ان کا باغ اجڑ چکا تھا۔

اس قصے میں ان لوگوں کے لیے بطورِ خاص عبرت کا سامان ہے جو اپنی دولت وثروت سے اکیلے ہی مستفید ہونا چاہتے ہیں اور ان کا بخل یہ برداشت ہی نہیں کرتا کہ ان کے مال ومتاع سے کسی اور کو کچھ فائدہ پہنچے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب مال کو راہِ خدا میں خرچ نہ کیا جائے تو اس مال کے ضائع وبرباد ہونے کے اِمکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

سورۂ حاقہ: قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام 'حاقہ' بھی ہے، جس کا معنی ہے ثابت کرنے والی۔ یعنی قیامت جو کہ حقیقت کا روپ دھارنے والی ہے اور اعمال کو ان کے حقائق کے ساتھ سامنے لاکر رکھ دینے والی ہے وہ آ کر رہے گی۔ آغاز میں قیامت کے حق اور یقینی ہونے کا بیان ہے۔ پھر قیامت کو جھٹلانے والوں کے انجام سے کائنات کے لوگوں کو باخبر کیا گیا ہے کہ قوم عاد اور ثمود نے قیامت کو جھٹلایا تھا تو اللہ تعالی نے انھیں ایک چنگھاڑ اور تیز ہوا کے ذریعے اس طرح ہلاک کیا کہ وہ زمین پر بے بس پتنگوں کی طرح پڑے تھے اور یوں لگ رہے تھے جیسے کٹے ہوئے کھجور کے تنے پڑے ہوں۔

آیت ۱۹ سے بتایا گیا کہ قیامت میں جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ اس کے سرخ رو ہونے کی علامت ہوگا اور وہ افتخار کے ساتھ لوگوں سے کہے گا: آؤ میرا نامہ اعمال پڑھ لو۔ اس کے برعکس جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ اس کی رسوائی کی علامت ہوگا اور وہ کہے گا کہ کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا اور موت کے ساتھ ہی میرا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہوتا۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کافروں کے اقوال کو نقل کر کے ان کی تردید کی ہے؛ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر اور کاہن کہا کرتے تھے جبکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے محبوب! جو کچھ بھی آپ پر اُترا ہے آہ کے پروردگار عالم نے اُتارا ہے اور اس میں جھوٹ والی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ اور اللہ تعالی اپنی ذات پر جھوٹ باندھنے والے کو کبھی فلاح نہیں دیتا۔ جبکہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک کو اللہ تعالی نے رہتی دنیا تک جاری وساری فرما دیا ہے۔

سورۂ معارج: ابتدائی آیات مشرکین مکہ کے اس استہزا و تمسخر کے جواب میں اُتریں جو کہتے تھے کہ قیامت والا عذاب ہمیں تھوڑا سا دنیا میں چکھا دیا جائے تو ہم دیکھ تو لیں کہ وہ کیسا ہوتا ہے؟ اللہ تعالی نے فرمایا: جو لوگ ہمارے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب ہمارا عذاب اُترا تو انہیں کوئی جائے پناہ بھی نہیں ملے گی اور اس سے بچانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

مزید فرمایا کہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوجائے گا، پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے اور کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، اس وقت مجرم یہ تمنا کرے گا کہ بیوی، بھائی اور رشتے دار بلکہ روے زمین پر جو کچھ ہے سب کو اپنا فدیہ دے کر جان چھڑا لے؛ مگر یہ ظالم کہاں چھوٹنے والے!۔

پھر انسانی فطرت وطبیعت کا بیان ہے کہ یہ بڑا حریص ہے اور تکلیف ومشقت کی صورت میں جزع فزع کرنے لگتا ہے اور آرام و راحت کی صورت میں اکڑنے لگتا اور بخل اور کنجوسی دکھانے لگتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس انتہا پسندی سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جو نماز کا اہتمام کریں، غریبوں کی مدد کریں، قیامت پر ایمان رکھیں، اللہ کے عذاب سے خائف ہوں، جنسی بے راہ روی کا شکار نہ ہوں، امانتدار ہوں، عہد شکنی کا ارتکاب نہ کرتے ہوں، سچی گواہی پر ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ دراصل جنتوں میں عزت واحترام

کے مستحق قرار پائیں گے۔ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ جنت کا داخلہ صرف آرزؤں اور تمناؤں سے نہیں ملتا، اگرایسا ہوتا تو جنت سے شاید کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔

سورۂ نوح: اس پوری سورت میں صرف نوح علیہ السلام اوران کی قوم کا تذکرہ ہے۔نوح علیہ السلام کوئی ساڑھے نوسوبرس تک اپنی قوم کے لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے انہوں نے صبح وشام پوری تندہی سے اللہ کے دین کی خدمت کی اوراپنی قوم کے لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ وہ پروردگار سے اِستغفار کیا کریں،اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالی بارشوں کو ان کی مرضی کے مطابق نازل فرمائے گا اوران کے مال اور بیٹوں میں بھی اضافہ کرے گا اوران کے لیے نہریں کو چلادے گا،اور باغات کو بھی آباد کردے گا ۔لیکن قوم اپنی ہٹ دھرمی اور عناد پر اڑی رہی بلکہ ان کی سرکشی میں مزید اضافہ ہی ہوتا رہا۔آخرکارنوح علیہ السلام کی بددعا کے نتیجہ میں قوم کو پانی کے سیلاب میں غرق کرکے بتادیا گیا کہ ظالموں کا انجام ہمیشہ خسارہ اور ہلاکت کی شکل میں ہی ظاہر ہوا کرتا ہے اورمو منین ایمان اوراعمال صالحہ کی برکت سے نجات پایا کرتے ہیں۔

سورۂ جن: اس سورت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ بعثت محمدی سے پہلے جنات' عالم بالا میں خبریں لینے کے لیے جایا کرتے تھے؛مگراب وہ وقت آ گیا تھا کہ عالم بالا میں ان کا داخلہ بند ہوگیااور جوبھی جاتا محافظ ان کا راستہ روک لیاجاتا اور آگ کے گولےاُن پر برسائے جاتے۔ جنات نے مشورہ کیا کہ پورے روے زمین کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ آخر یہ سارا منظر کیوں تبدیل ہوگیا،ضرورکوئی بڑاواقعہ ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جناتوں کی ایک جماعت تہامہ (مکہ) کی طرف گئی۔وہاں نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھارہے تھے، جب انہوں نے قرآن سنا تو کہنے لگے: یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اورآسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہےاور پھرانہوں نے جا کراپنی قوم کو بتایا کہ ہم

نے عجب قرآن سنا ہے جوراہِ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، بے شک ہمارے رب کی شان بلند ہے اور اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا۔

انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کچھ اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں اور جنات کا سرکش گروہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ عربی میں ج ن ن سے جو بھی کلمات بنتے ہیں، ان میں ستر اور پوشیدگی کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسے جنت۔ اسی معنی میں جن ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ یوں ہی سینے میں پوشیدہ دل کو جنان، رحم میں بچے کو جنین اور ڈھال کو جنہ کہتے ہیں وغیرہ۔

اس سورت میں گفتگو جناتوں کے حوالے سے ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح احکامِ شرعی کے مکلّف ہیں۔ ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ پھر آیت ۲۶ میں ایک اعتقادی مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا اُن کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے، جو اس کے رسول ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے، پھر ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے کیا کچھ علوم غیب نہ عطا فرمائے ہوں گے!۔

سورۂ مزمل: اس سورت کا مرکزی مضمون شخصیت رسول ہے۔ اس میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔ اس سورت میں محبت کے انداز میں بڑے چاؤ سے اللہ تعالی نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ایک خاص اَدا کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے کہ اے چادر اوڑھنے والے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قیام اللیل کا بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساری ساری رات قیام فرماتے تھے، تو اللہ نے فرمایا: آپ رات کو نماز میں قیام کریں؛ مگر تھوڑا، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلیں یا اس پر کچھ

اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

یہ بھی فرمایا کہ: رات کو اٹھنا نفس پر سخت بھاری ہے اور کلام کو درست رکھنے والا ہے۔ نیز فرمایا: آپ اپنے رب کے نام ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں۔ پھر فرمایا کہ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں اور کبھی آدھی رات تک اور کبھی تہائی رات تک اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی مصروفِ عبادت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ فرمایا کہ جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہیں، پڑھ لیا کریں۔

اس میں دراصل دعوت اِلی اللہ اور اعلاے کلمۃ اللہ کا کام کرنے والوں کو آپ کے توسط سے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ دن بھر کی جدو جہد میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے شب بیداری اور قیام اللیل بہت ضروری ہے اور رات کی نماز میں تلاوتِ قرآن کی اثر انگیزی مسلم ہے۔ راتوں کا یہ قیام روحانی تربیت میں بڑا مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

سورۂ مدثر: اس سورت کے آغاز میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو شانِ محبوبی کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے چادر لپیٹنے والے، اٹھیے اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجیے۔

بہز بن حکیم کا بیان ہے کہ ایک روز صحابی رسول حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۹۳ھ) نے صبح کی نماز پڑھائی۔ جب اس آیت کریمہ پر پہنچے:

فَــإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَالِکَ یَومَئِذٍ یَومٌ عَسِیرٌ ٥

پھر جب صور پھونکا جائے گا، تو وہ دن بہت ہی سخت دن ہوگا۔

تو بے ہوش ہو کر گر پڑے، اور تھرتھراتے کانپتے اسی حال میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

پھر اگلی آیات میں جہنم میں داخلہ کے اَسباب کو جنتیوں اور جہنمیوں کی ایک گفتگو کی شکل میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان کا انجام اس کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ جب

جہنمیوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے جہنم میں جانے کا سبب کیا بنا؟ تو وہ جواب میں چار اسباب بیان کریں گے: پہلا یہ کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔ دوسرا یہ کہ ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ تیسرا یہ کہ ہم بیہودہ کاموں میں مشغول رہتے اور کج بحثی وگمراہی کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور چوتھا یہ کہ ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ پھر اسی حالت میں ہماری موت آگئی اور ہم جہنم میں پھینک دیے گئے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہلِ ایمان اور جنت کے طلب گاروں کو چاہیے کہ وہ سنجیدگی سے اپنا محاسبہ کریں کہیں ان کے اندر مذکورہ بالا جہنمیوں کی عادات میں سے کوئی عادت تو نہیں پائی جاتی۔ پھر سورت کا اختتام اس پر ہوجاتا ہے کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے جو چاہے آگے بڑھ کر اس سے نصیحت حاصل کرلے۔

سورۂ قیامہ: یہ آیت دراصل ان لوگوں کی تردید میں اُتری جو قیامت کے انکاری اور آخرت کے منکر تھے۔ اللہ نے قسمیں کھا کر انسان کی اس خام خیالی کو دور کردیا کہ تمہیں بوسیدہ ہڈیوں اور بکھرے ہوئے اجزا کو جمع کرکے دوبارہ انسان کو وجود میں لانے کی بات نہیں سمجھ میں آرہی ہے، جسم انسانی میں انگلیوں کے پورے اور نشانات جو شناخت و امتیاز کا بہترین ذریعہ ہیں ہم تو ان پوروں کو بھی دوبارہ ترتیب دے کر پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں!۔

اس وقت پوری دنیا میں کسی انسان کی شخصیت کی پہچان کے لیے سب سے زیادہ قابل اعتماد چیز انگلیوں کی لکیروں ہیں۔ ہر انسان کی انگلی کی پور قدرت کی تخلیق کا شاہ کار ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں جو خطوط اور لکیریں ہیں وہ دوسرے انسان کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتیں۔ گویا جس حقیقت تک سائنس کی رسائی آج ہوئی ہے قرآن نے اس حقیقت کو بیانگ دہل ساڑھے چودہ سو سال پہلے بیان کردیا تھا۔

اگلی آیات میں بتایا گیا کہ انسان پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ تو اللہ تعالی

اس دن کی شدت اور ہولنا کی کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے کہ اس دن جب آنکھ پتھرا جائے گی، چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج جمع کر دیے جائیں گے اور انسان کہہ اُٹھے گا کہ اب میں بھاگ کر جاؤں تو کہاں؟؛ مگر اس روز کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔ اس دن صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی پناہ گاہ ہوگی۔ اس دن انسان کو اس کے ان تمام اعمال کی خبر دی جائے گی جو اس نے آگے بھیجے اور جو اس نے پیچھے چھوڑے ہیں۔

آیت ۱۶ سے فرمایا کہ اے حبیب گرامی! وحیِ ربانی کو جلد یاد کرنے کے شوق میں آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجیے، اس قرآن کو جمع کرنا اور آپ کی زبان پر جاری کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے، سو جب ہم (یعنی ہمارا بھیجا ہوا فرشتہ) پڑھ لیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں، پھر اس کا (معنی) بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

پھر سکرات کے عالم اور جان کنی کی شدت کو بیان کرکے اس وقت کی تکلیف و پریشانی سے بچنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح کر دیا کہ انسان کو ہم نے بیکار و عبث نہیں پیدا کر دیا بلکہ اسے مراحل حساب سے گزر کر جزا و سزا کا حامل ہونا ہے۔ اس کے بعد انسان کو اس کی تخلیق کے ابتدائی مراحل میں غور و خوض کر کے یہ سمجھایا کہ جب پہلی تخلیق کے مشکل ترین مراحل اللہ نے سرانجام دے لیے تو اب دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل رہ گیا!۔

سورۂ دہر/انسان: اس سورت کی ابتدا میں اللہ کی قدرتِ عظیمہ کا بیان ہے کہ اس نے کیسے انسان کو مختلف ادوار میں پیدا فرما کر سمع و بصر اور عقل و فہم کی نعمت سے نوازا۔ پھر اسے دو راہیں بھی بتلا دیں، اب چاہے شکر کرے یا انکار کرے (اس کی مرضی)۔

پہلے انکاریوں کی سزا بتائی کہ بیشک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں، طوق اور لپکتی ہوئی آگ کو تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد شکر گزاروں اور نیکوکاروں کی جزا بتائی گئی ہے مگر اس سے پہلے ان کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں: پہلی یہ کہ جب وہ کوئی نذر مان لیتے ہیں تو

اسے ہر حال میں پورا کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ تیسری یہ کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لیے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اب اس کے صلے میں ملنے والی نعمتوں کا ذکر ہے جس میں فرمایا گیا کہ بیشک وہ ایسے جام پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ اللہ تعالی اہل جنت کو اس دن کے شر سے بچالے گا اور انہیں چہرے کی شادابی اور راحت عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کے بدلے انہیں جنت اور ریشمی لباس دیا جائے گا۔

اس جنت میں وہ اونچی مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان کو سورج کی تپش کا سامنا کرنا پڑے گا نہ سردی کی شدت کا۔ جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور اس کے پھل ان کے بالکل قریب کردیے جائیں گے۔ ان کے سامنے چاندی کے برتنوں اور شیشے کے پیالوں کا دور چلے گا اور وہ شیشے بھی چاندی سے بنے ہوں گے جن کو نہایت موزوں انداز میں بھرا گیا ہوگا۔ جنت میں انہیں ایک ایسا جام بھی پلایا جائے گا جس میں ادرک کی آمیزش ہوگی۔ ان کی خدمت کے لیے ہمیشہ خوشنما خدام گھومتے رہیں گے۔ آپ جب انہیں دیکھیں گے تو وہ ایسے لگیں گے جیسے ہوئے موتیوں کے دانے ہوں۔

آپ جدھر بھی نظر دوڑائیں گے نعمتیں ہی نعمتیں اور بہت بڑی بادشاہت کو پائیں گے۔ اہل جنت کی بالائی پوشاک سبز اور ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا اور یہ سب ان کی نیکیوں کی جزا اور محنت کی قبولیت کا ثمر ہوگا۔

اس کے بعد قرآنی تعلیمات پر ثابت قدمی کی تلقین، شب بیداری کا حکم اور لمبی لمبی نمازیں پڑھنے کی ترغیب اور آخر میں قرآن کریم سے ہر شخص کو استفادہ کا حکم اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب کی وعید پر سورت کو ختم کردیا گیا ہے۔

سورۂ مرسلات: اس سورت کے شروع میں آثارِ قیامت کا ذکر ہے اور بار بار تکرار کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اس دن قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ پھر قیامِ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ ہر چیز اپنی تاثیر کھودے گی اور اجزاے ترکیبی چھوڑ بیٹھے گی۔ علاوہ ازیں یہ سورت مجرمین سابقین کا ذکر کرتی ہے جنھیں اللہ نے تباہ و برباد کر دیا اور مخاطبین سے سوال کرتی ہے کہ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ پھر مختلف مراحل سے گزار کر خوبصورت انسان بنا دیا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ (م۲۰۴ھ) کے سامنے یہ آیت تلاوت کی: **هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ، وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ o**

یعنی یہ ایسا دن ہے کہ وہ (اس میں) بول بھی نہ سکیں گے۔ اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت کرسکیں۔

اس آیت کو سنتے ہی امام شافعی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ خوفِ خدا کی شدت سے آپ کے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہیں سجدے میں گر گئے۔ جب ہوش آیا تو زبانِ حال سے پکار کر کہنے لگے: 'اے اللہ! میں کذابوں کے مقام اور جاہلوں کے اِعراض سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مجھے اپنی رحمت عطا فرمادے، میرے عیوب پر پردہ ڈال دے، مجھے اپنے کرم کے صدقے معاف فرمادے، مجھے غیر کے حوالے نہ کر اور مجھے اپنی رحمت سے مایوس نہ فرما۔ (تذکرۃ المحدثین بحوالہ مرقاۃ:۲۱/۱)

اس کے بعد پھر مکذبین و متقین کے الگ الگ انجام بیان کیے گئے ہیں۔ اور اخیر میں دوبارہ مجرموں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کھا پی لو اور تھوڑے سے مزے اُڑا لو، بالآخر تمہارے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں!۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہونے اور قرآن تعلیمات سے انحراف کرنے والوں کی روش سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تیسواں [آخری] پارہ

سورۂ نبأ: اس سورت کا موضوع بھی ماسبق موضوعات کی طرح بعث بعد الموت اور اخبارِ قیامت ہے۔اس میں اللہ تعالی نے قیامت کے مختلف مناظر کا نقشہ کھینچا ہے۔ مشرکین مکہ دراصل وقوعِ قیامت وغیرہ کے تعلق سے مختلف باتیں کرتے رہتے تھے۔اللہ تعالی نے ان کے منہ کی بات لے کر فرمایا کہ اس بڑی خبر (قیامت) پر تعجب یا انکار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تمہیں عنقریب اس کی حقیقت کا علم ہوجائے گا۔

پھراس پر کائناتی شواہد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان وزمین اور ان میں موجود چیزیں جن کی تخلیق انسانی نقطہ نظر سے زیادہ مشکل اور عجیب ہے، جب اللہ تعالی نے ان سب کی تخلیق فرمائی ہے تو ایسی طاقت وقدرت رکھنے والے اللہ کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے!۔یعنی وہ اللہ جو زمین کو بچھونا، پہاڑوں کو میخیں، انسانوں کو جوڑا جوڑا، نیند کو ذریعہ سکون، رات کو لباس، دن کو وقت معاش اور آسمان پر ساری دنیا کو روشن کرنے والا چراغ بنا سکتا ہے تو یاد رکھنا کہ وہ دوبارہ زندگی بھی عطا کرسکتا ہے اور ایسی عدالت بھی قائم کرسکتا ہے جس میں اولین وآخرین کو جمع کر کے ان میں عدل کرے۔

پھر جہنم کی عبرتناک سزاؤں اور جنت کی دل آویز نعمتوں کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال اور فرشتوں جیسی مقرب شخصیات کی قطار اندر قطار حاضری اور بغیر اجازت کسی قسم کی بات کرنے سے گریز کو بیان کر کے بتایا کہ آخرت کے عذاب کی ہولناکی اور خوف' کافروں کو یہ تمنا کرنے پر مجبور کردے گا کہ کاش ہم دوبارہ پیدا ہی نہ کیے جاتے اور جانوروں کی طرح پیوندِ خاک ہوکر عذاب آخرت سے نجات پا جاتے۔

سورۂ نازعات: سورت کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے جہنمیوں کی روح نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور اہلِ ایمان کی روح کو نہایت نرمی سے، اس کے بعد فرشتوں کا ذکر ہے کہ جنہیں کارخانۂ قدرت کے معاملات کی تدبیر تفویض کی جاتی ہے۔اس کے بعد ایک بار پھر قیامت اور اس کی حشر سامانیوں اور ہولناکیوں کا ذکر ہے۔

پھر موسیٰ وفرعون کا مشہور قصہ بیان کرنے کے بعد قیامت کے مختلف مناظر میں سے ایک منظر کچھ اس طرح ہے کہ جب سب سے بڑی مصیبت آجائے گی، اس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا اور جہنم دیکھنے والوں کے قریب کر دی جائے گی، سو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بے شک اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

اس کے بعد حیات بعد الموت کے منکرین کے اس اشکال کا جواب دیا گیا کہ ایک بار مر جانے کے بعد دوبارہ ہمیں کون زندہ کرے گا، اللہ تبارک وتعالی نے زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کی تخلیق کا حوالہ دے کر فرمایا: ذرا بتاؤ کہ دوبارہ پیدا کرنا دشوار ہے یا اتنے بڑے نظامِ کائنات کو قائم کرنا جو تمہارے سامنے موجود ہے۔

اخیر میں بتایا گیا کہ کفار ومشرکین جو دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے تھے جس دن قیامت کو دیکھ لیں گے تو اس کی طوالت سے ایسا معلوم ہوگا کہ وہ دنیا میں بس ایک شام یا صبح کا کچھ حصہ گزار کر آئے ہیں۔

سورۂ عبس: اس کی ابتدائی آیات کا نزول اس وقت ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارانِ مکہ کو دعوت دینے میں مصروف تھے تو آپ کے وفادار نابینا صحابی عبداللہ بن اُم مکتوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔تاجدارِ کائنات علیہ السلام کو ان کی اس وقت آمد ناگوار گزری تو اللہ تعالی نے حبیب مکرم پر وحی بھیجی کہ آپ سردارانِ مکہ کے مقابلے میں مخلص اور غریب صحابہ پر توجہ دیا کریں جو خشیت الٰہی میں ڈوبے ہوئے

دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔

اے محبوب! یہ قرآن کریم تو سرتاپا نصیحت کا پیغام ہے، یہ کسی بڑے چھوٹے کی تفریق نہیں کرتا۔ اس سے جو بھی نصیحت حاصل کرنا چاہے اس کی جھولی علم ومعرفت سے بھر دیتا ہے۔ اخیر میں قیامت کی نفسی نفسی کے منظر کو بیان کیا گیا ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے دامن چھڑائیں گے، ایک شخص اپنے بھائی، ماں باپ، بیوی اور بیٹوں سے جان چھڑا کر بھاگے گا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ سب کو اپنی پڑی ہوگی، کچھ کے چہرے روشن مسکراتے اور ہشاش بشاش ہوں گے اور کچھ کے چہرے غبار آلود ہوں گے اور اُن پر سیاہی چھائی ہوگی، اور یہی کافر و فاجر ہوں گے۔

سورۂ تکویر: اس سورت میں بھی اللہ تعالی نے قیامت کے مختلف مناظر کا نقشہ کھینچا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بے نور ہو جائیں گے، پہاڑ چلائے جائیں گے، دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی یعنی دنیا کی مال و دولت کی قدر ختم ہو جائے گی، وحشی جانور جمع کیے جائیں گے، سمندروں میں آگ بھڑکا دی جائے گی، زندہ در گور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی؟ اعمال نامے پھیلا دیے جائیں گے، آسمان کو کھول دیا جائے گا اور جہنم بھڑکا دی جائیگی اور جنت قریب کر دی جائے گی، تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا ذخیرۂ عمل لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوا ہے۔

پھر قرآن کریم کے اللہ رب العزت سے چل کر حضور علیہ السلام تک پہنچنے کے تمام مراحل انتہائی محفوظ اور قابل اعتماد ہونے کو بیان کر کے واضح کر دیا کہ یہ دنیا جہاں کے لیے بلا کسی تفریق و امتیاز کے اپنے دامن میں نصیحت و ہدایت کا پیغام لیے ہوئے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک روز آپ اس سورت کو

پڑھ رہے تھے، جب آیت کریمہ 'وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ' (اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے) پر پہنچے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور بہت دیر تک زمین پر تڑپتے رہے۔

سورۂ اِنفطار: اس سورت میں تقریباً گزشتہ سورتوں کے مضامین یعنی آثار قیامت اور احوالِ قیامت کا بیان ہے۔ پھر محبت آمیز انداز میں انسان سے شکوہ کیا گیا ہے کہ اے انسان! تجھے آخر کس چیز نے اپنے پروردگار کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ اس کے احسانات کو فراموش کر کے معصیت کیشی اور ناشکرے پن پر اُتر آیا ہے۔

پھر اس بات کی صراحت بھی کر دی گئی کہ اللہ تعالی نے ہر بندے کے نامہ اعمال کو لکھنے کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جنہیں کراما کاتبین (معزز لکھنے والے) کہا گیا ہے جو ان کے تمام اعمال کا ریکارڈ محفوظ کر رہے ہیں؛ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے قول وعمل میں بھرپور احتیاط برتیں اور تول کر بولیں؛ کیوں کہ ہم میں سے بعضوں کا معاملہ یہ ہے کہ انھیں تول کر بولنا تو کیا بول کر تولنا بھی نہیں آتا!۔

اس کے بعد معرکہ خیر وشر کی دو مقابل قوتوں کا تذکرہ کر کے بتایا گیا کہ شر کی قوت فجار اور نافرمانوں کے روپ میں جہنم کا ایندھن بننے سے بچ نہیں سکیں گے جبکہ ہر چیز کی قوت ابرار وفرماں برداروں کی شکل میں جنت اور اس کی نعمتوں کی مستحق قرار پائے گی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمہ اور بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ جب درجِ ذیل آیت کریمہ پڑھتے :

اِنَّ الاَبۡرَارَ لَفِی نَعِیۡمٍ ٥ وَ اِنَّ الفُجَّارَ لَفِی جَحِیۡمٍ ٥

بے شک نیکوکار جنتِ نعمت میں ہوں گے۔ اور بیشک بدکار دوزخ (سوزاں) میں ہوں گے۔

تو رو پڑتے؛ یوں ہی حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ (م۱۸۱ھ) یہ آیت

کریمہ پڑھنے کے بعد بے اختیار روتے۔ایک مرتبہ اسے پڑھتے ہی بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو کہا: معلوم نہیں کہ ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوگا!۔

سورۂ مطفّفین: ناپ تول میں کمی کرنے والے کو مُطفِّف کہتے ہیں،اس سے ہر وہ شخص مراد ہوسکتا ہے جو دوسروں کا حق مارتا اور اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کرتا ہو۔ ابتدائی آیات میں بتایا گیا کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے کہ جب وہ لوگ دوسروں سے لیتے ہیں،تو پورا پورا ناپ کر لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کر دیتے اور ڈنڈی مارتے ہیں۔یعنی یہ لوگ اپنے مفادات پر تو آنچ نہیں آنے دیتے جبکہ دوسروں کے حقوق کی دھجیاں بھی بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ کافروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے جو کہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے، یہ لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور آیاتِ الٰہی کو پچھلی قوموں کے قصے کہانیاں قرار دیتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ ان کے کرتوتوں کے سبب ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اور یہ آخرت میں اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ساتھ ہی فرمایا کہ نیکو کاروں کا صحیفہ اعمال علیین میں ہوگا، یہ بھی ایک مہر بند صحیفہ ہے جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں۔مزید فرمایا کہ نیکوکار جنت کی نعمتوں میں راحت میں ہوں گے، ان کے چہرے تروتازہ ہوں گے، ان کو مہر بند شرابِ طہور پلائی جائے گی ،جس کی مہر مشک کی بنی ہوگی؛ لہٰذا جو محنت کرنے والے ہیں انھیں دراصل اس جنت کے حصول کے لیے محنت کرنی چاہیے۔

اِختتام سورت پر ابرار واخیار کا قابل رشک انجام ذکر کر کے بتایا کہ سیاہ دل اور آلودۂ عصیاں کفار نابکار جس طرح دنیا میں اہل ایمان والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج قیامت کے دن معاملہ اُلٹ ہو جائے گا کہ ایمان والے ان کا مذاق اڑائیں گے۔

سورۂ انشقاق: یہ سورت بھی آثار واحوالِ قیامت کا احاطہ کرتی ہے، ابتدائی

آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے مناظر جداگانہ رنگ میں بیان فرمائے ہیں کہ آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے رب کی تابعداری کرے گا کہ یہی اس کے لیے درست ہے اور اس دن زمین پھیلا دی جائے گی اور وہ اپنے اندر چھپی ہر چیز باہر نکال دے گی اور خود خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کی فرمانبرداری کرے گی کہ یہی اس کے لیے واجب ہے۔

اس کے بعد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کا صحیفہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اُن کا اُخروی حساب بہت آسان ہوگا اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا جبکہ پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال کا ملنا کڑے محاسبہ اور ہلاکت وتباہی کا مظہر ہوگا۔اس وقت وہ کہے گا کاش کہ مجھے موت آجاتی، لیکن اب کہاں؟ وہ پہلے ہی اپنے اہل میں خوش وخرم رہ چکا ہوگا لہٰذا اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔اس سے بس وہی لوگ بچ سکیں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ پر کاربند ہوں گے۔اور ایسوں کے لیے ان کے رب کی طرف سے کبھی منقطع نہ ہونے والا اجر وثواب ہے۔

سورۂ بروج: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ عزیز وحمید پر ایمان لانے کی پاداش میں اصحابِ اخدود کو اس طرح قتل کیا گیا کہ انہیں خندقیں کھدوا کر بھڑکتی آگ میں ڈال دیا گیا؛ لیکن واہ رے ایمان کی چاشنی کہ لوگ مرتے مر گئے مگر ایمان سے دستبردار نہ ہوئے۔مشہور واقعہ ہے جس کی تفصیلات کتبِ تفسیر وحدیث میں موجود ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہ ہوگا کہ جب مذہبی اور نظریاتی اِختلافات کی بنا پر مخالفین نے ایک دوسرے کو نذرِ آتش کر دیا۔ہیروشیما اور ناگاساکی میں جو کچھ ہوا، کیا یہ آگ کی خندقوں سے کم تھا؟ ہمارے سامنے افغانستان وعراق اور جلد ہی گودھرا (گجرات) میں جو آگ جلائی گئی کیا یہ آگ ذونواس کی آگ سے کم درجہ کی تھی؟۔نہیں اس کی آگ سے کئی گنا زیادہ مہلک اور خطرناک آگ تھی جس کا نشانہ کلمہ پڑھنے والے

نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں اور خواتین وحضرات کو بنایا گیا۔آنکھ اُٹھا کر دیکھیے کہ فلسطین میں کیا ہورہا ہے؟ آگ ہی تو ہے جومسلمانوں پر برسائی جارہی ہے اور کوئی نصف صدی سے مسلسل برسائی جارہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے، وہی پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا، وہ جس کام کا ارادہ فرمالے اس کو کرنے والا ہے۔ پھر خیر وشر کی قوتوں کے انجام کے تذکرہ کے ساتھ ہی اللہ کی طاقت وقوت، محبت ومغفرت اور جلال وعظمت کو بیان کر کے مجرموں پر مضبوط ہاتھ ڈالنے کا اعلان کیا اور پھر فرعون اور ثمود کی ہلاکت کے بیان کے ساتھ قرآن کریم کے انتہائی محفوظ ہونے کا اعلان ہے۔

سورۂ طارق: اس سورت کا مرکزی مضمون بھی بعث بعد الموت کے حقائق ہیں۔ چنانچہ ستاروں کی قسم کھا کر بتایا گیا کہ جس طرح نظام شمسی میں ستارے ایک محفوظ و منضبط نظام کے پابند ہیں اسی طرح انسانوں کی اور ان کے اعمال کی حفاظت کے لیے بھی فرشتے متعین ہیں۔

پھر انسان کو اس کے مادۂ تخلیق اور کیفیتِ تخلیق کی جانب متوجہ کرنے کے بعد فرمایا کہ جب انسان عدالت الٰہیہ کے روبرو کھڑا ہوگا تو اس کے پوشیدہ راز ظاہر کردیے جائیں گے۔اور اس دن ہر کوئی بے بس وبے کس ہوگا۔ یہ قرآن کریم حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ کافر سازشیں کررہے ہیں اور اللہ ان کا توڑ کررہا ہے لہٰذا انہیں کچھ مہلت دے دیں، یہ لوگ اللہ سے بچ کر جا ہی کہاں سکتے ہیں!۔

سورۂ اعلیٰ: ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے ہر عیب وکمزوری سے پاک ہونے کے اعلان کے ساتھ ہی اس کی قدرت کاملہ اور انسانوں پر اس کے انعامات وعنایات کا تذکرہ ہے۔ پھر یہ وضاحت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو براہِ راست ایسی تعلیم دیتا ہے جس

میں نسیان اور بھول چوک کی کوئی گنجائش نہیں؛ البتہ اگر اللہ کسی مرحلہ پر قرآن پاک کے کسی حصہ کو منسوخ کرنے کے لیے آپ کے ذہن سے محو کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کی اصلاح کر کے اپنا باطن صاف کر لیا اور اپنے رب کا نام لے کر پھر نماز پڑھی وہی کامیاب ہوا۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ یہی پیغام پہلے صحیفوں، ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی مذکور ہے۔

سورۂ غاشیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جہنم اور جنت کے بعض مناظر کا ذکر کیا ہے کہ اس دن کچھ چہرے ذلت سے سیاہ ہوں گے وہ محنت سے چور ہوں گے۔ وہ گرم آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا اور ان کا کھانا ضریع کی جھاڑی کے سوا کچھ نہیں ہوگا وہ نہ انہیں موٹا کرے گا اور نہ ہی اس سے ان کی بھوک دور ہوگی۔

اس دن کچھ چہروں پر نعمتوں کے اَثرات ہوں گے وہ اپنی کوششوں پر راضی ہوں گے۔ وہ اونچی جنتوں میں ہوں گے اس میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمہ رواں ہوگا۔ اس میں اونچے تخت ہوں گے اور قطار میں لگے گاؤ تکیے اور عمدہ بچھونے ہوں گے۔

پھر توحید باری تعالیٰ کے کچھ تکوینی دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے ایک عجیب الخلقت جانور اونٹ ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضور تاجدارِ کائنات علیہ السلام کو انسانیت کے لیے یاددہانی اور نصیحت کرانے کا حکم ہے کہ آپ کے ذمہ صرف نصیحت کر دینا ہے، پھر ان کا معاملہ اور حساب کتاب آپ ہم پر چھوڑ دیجیے۔

حضرت ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی تاریکیوں میں اُٹھ کر اپنے صحابہ کو ڈھونڈتے اور ان کی خبر لیتے کہ وہ اپنی

راتیں کس طرح عبادت میں گزارتے ہیں، ان کی دعاؤں کا انداز کیا ہے، وہ اپنے مالک ومولا کے حضور کس طرح روتے اور گڑگڑاتے ہیں؛ چنانچہ اس دوران آپ کے کانوں میں کسی دروازہ کے پیچھے سے ایک بوڑھی خاتون کی قراءت کی آواز آئی، وہ رو رہی تھی اور رندھی ہوئی آواز میں بار بار یہ آیت پڑھ رہی تھی :

هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ o

کیا تجھے (ہر چیز پر) چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی !۔

وہ بڑھیا زاروقطار روتی جاتی تھی اور یہ آیت کریمہ دُہراتی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک دروازہ سے لگادیا اور خود روتے ہوئے فرمایا :

نعم أتاني ، نعم آتاني .

ہاں (اے بوڑھی ماں !) مجھے وہ خبر پہنچ گئی ہے، ہاں پہنچ گئی ہے۔

ذرا سوچیں کہ اُس ضعیف خاتون کا حال تو یہ ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں اُٹھ کر -جب کہ پوری دنیا آغوشِ نیند میں پڑی ہوتی ہے- اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا ومناجات کررہی ہے، عبادت وریاضت میں جٹی ہوئی ہے اور طاعت وبندگی کے تحفے گزار رہی ہے۔ اور ہمارا عالم یہ ہے کہ نوافل تو کجا فرائض میں بھی سستی کرتے ہیں اور اپنے مولا کو بھولے بیٹھے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اس بڑھیا کے مقابلے میں ہماری ہڈیاں ابھی کتنی مضبوط ہیں، صحت کتنی اچھی ہے، اور جسم کتنا توانا ہے۔ اُس اللہ کی ہم پر کتنی نعمتیں لدی ہیں، اور وہ ہماری ہزار کوتاہیوں کے باوصف ہم پر تاہنوز اپنے سلسلہ کرم کو کس طرح برقرار رکھے ہوئے ہے۔ پھر کیا ایسی صورت میں ہم لوگ اس بڑھیا سے زیادہ طاعت وتابعداری، عبادت وبندگی اور اللہ تعالیٰ کا شکر وسپاس اَدا کرنے کے مستحق نہیں ہیں؟!۔ کیا اِس واقعہ میں سمجھ داروں کے لیے عبرت ونصیحت نہیں ہے؟!۔

سورۂ فجر: ابتدا میں پانچ قسمیں کھا کر اللہ نے کافروں کی گرفت کرنے اور عذاب دینے کا اعلان کیا ہے پھر اس پر واقعاتی شواہد پیش کرتے ہوئے قوم عاد وثمود و فرعون اوران کی ہلاکت کا بیان ہے۔ پھر سترہویں آیت سے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے، وراثت میں ملا ہوا پورا مال ہڑپ کر جاتے ہو، تمہیں مال سے بے پناہ محبت ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ آخرت میں اس مال کی ناپائیداری کا اِحساس ہوگا، انسان اس وقت پچھتائے گا، مگر یہ پچھتاوا کچھ کام نہیں آئے گا۔ پھر اخیر میں اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھنے والوں سے خطاب ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش وخرم ہوکر لوٹ جاؤ اور ہمارے بندوں میں شامل ہوکر ہماری جنت میں داخل ہوجاؤ۔

سورۂ بلد: سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے شہر مکہ کی قسم اٹھانے سے ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہائش پذیر تھے اور یہاں کی فضاؤں میں خرام ناز فرماتے تھے۔ پھر والد واولاد کی قسم اُٹھانے کے بعد فرمایا کہ انسان مشقت اور تکالیف کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ نیکی کا راستہ اختیار کرنے میں بھی مشقت آتی ہے اور بدی کا راستہ اختیار کرنے میں بھی؛ مگر فرق یہ ہے کہ نیکی کی راہ میں مشقت اٹھانے والوں کے لیے اجر وثواب ہے جبکہ بدی کی راہ میں مشقت اٹھانے والوں کو ثواب کی بجائے عذاب ہوگا۔

اگلی آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات بے پایاں کا بیان ہے کہ ہم نے انسان کو دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، بولنے کے لیے زبان اور دو ہونٹ عطا کیے اور نیکی اور بدی کا شعور عطا کیا۔ پھر قیامت کے شدائد ومصائب کا تذکرہ ہے جن سے ایمان اور عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز چھٹکارا نہیں دلا سکتی۔

سورۂ شمس: اس سورت کی ابتدا میں تمہید کے طور پر انسان کے نفس سمیت تکوینی مخلوقات میں سے سات چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، اور بتایا گیا کہ اللہ نے ہر انسان کو نیکی اور بدی میں تمیز کا شعور اِلہام کر دیا ہے، سو جس نے اپنے نفس کو پاک و طاہر رکھا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام و نامراد ہوا۔

اس کے بعد پھر حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی نابکار قوم کے سیاہ کرتوت کا تذکرہ ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔ اس قوم کو جب عذابِ الٰہی نے اپنی لپیٹ میں لیا تو کوئی ایک فرد بھی نہ بچا۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہی ہمارا طریقہ ہے کہ ہم جب کسی کو ہلاک کرتے ہیں تو اس کے نتائج و عواقب سے نہیں ڈرا کرتے۔

سورۂ لیل: اس سورت کی ابتدا میں بتایا گیا کہ انسان کی جدوجہد دو مختلف سمتوں میں جاری رہتی ہے، ایک طبقہ وہ ہے کہ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے، تقویٰ پر کاربند رہتا ہے اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اس کے لیے آسانی یعنی جنت تک رسائی کی منزل آسان کر دیتے ہیں۔

دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جو اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے بخل کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا، وہ دولت کی فراوانی میں مست ہو کر اللہ سے بے پروا ہو جاتا ہے اور نیک باتوں کو جھٹلاتا ہے، تو اس کے لیے ہم مشکل منزل یعنی دوزخ کا راستہ آسان کر دیتے ہیں؛ لیکن جب یہ نافرمان کیوں نہیں سوچتا کہ جب جہنم کے گڑھے میں گرے گا تو بخل سے بچایا ہوا مال اسے بچا نہیں سکے گا۔

آخری آیات میں فرمایا کہ نارِ جہنم سے وہی شخص بچا رہے گا کہ جو کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے ربِ اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہے تاکہ اس کا قلب بخل، حرص و ہوس اور دولت کی محبت کے غلبے سے پاک ہو جائے۔

جمہور مفسرین کے مطابق یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں جن کا مال جہاد کی تیاری، سرورِ کائنات علیہ السلام کی نصرت اور ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں خرچ ہوتا تھا جو قبولِ اسلام کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

سورۂ ضحیٰ: یہ سورت سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت شان کے بیان میں اس وقت نازل ہوئی جب وحی کچھ دیر کے لیے رک گئی جس کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مغموم سے ہو گئے۔ اس موقع پر ابولہب کی بیوی اُم جمیل نے آپ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ بھی کہہ دیے جس پر آپ مزید رنجیدہ ہو گئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرمایا کہ جس طرح دن کے ساتھ اُجالا ایک حقیقت ہے جدا نہیں ہوتا اور رات کے ساتھ اندھیرا ایک حقیقت ہے علیحدہ نہیں ہوتا اسی طرح یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کے رب نے (جب سے آپ کو منتخب فرمایا ہے) نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی کبھی آپ سے بیزار ہوا ہے۔ اس وحی کے نزول کے بعد محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور آپ کو تکلیف دینے والوں کی زبانیں یک لخت بند ہو گئیں۔

اس سورت کی ساتویں آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے بہت سے اہلِ علم فکری لغزش کا شکار ہو گئے اور صرف یہی ایک آیت نہیں بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات جن میں مقامِ الوہیت اور مقامِ رسالت کا پاس نہ رکھا گیا جس کے باعث اُمت میں تفرقہ واِنتشار پیدا ہوا۔ مفسرین اہل سنت وجماعت نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: 'اور اللہ نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ وگم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا۔ اور بہت سے مفسرین نے اس کا ایک اور ایمان افروز ترجمہ یوں کیا ہے: 'اور اللہ نے آپ کو بھٹکی ہوئی قوم کے درمیان (رہنمائی فرمانے والا) پایا تو اس نے (انہیں آپ کے ذریعے) ہدایت دے دی۔ پھر اسی اچھوتے انداز میں اگلی آیات کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

پھر اخیر میں سرکارِ دو عالم ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے اُمت مسلمہ حکم ہوا کہ یتیم پر سختی نہ کیا جائے، سائل کو جھڑکیاں نہ پلائی جائیں اور رب کریم کی نعمتوں کا خوب خوب چرچہ و تذکرہ کیا جائے۔

سورۂ انشراح: یہ سورت بھی تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وشوکت کے اعلیٰ بیان پر مشتمل ہے۔ ابتدائی آیات میں بتایا گیا کہ کفار کے طعن و تشنیع اور دل آزار باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک جو تنگ ہوتا جاتا تھا تو اللہ تعالی نے اسے (انوارِ حکمت و معرفت کے لیے) کشادہ فرمادیا یعنی آپ کو عزیمت و اِستقامت کی نعمت سے نواز دیا۔

نیز نبوت کی اعلیٰ ذمہ داریاں جو آپ کی پشت مبارک پر گراں تھیں ان سے عہدہ برآ ہونے میں ہم نے آپ کو سہولت بہم پہنچائی اور آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر (دنیا و آخرت میں ہر جگہ) آپ کا ذکر بلند کردیا۔ چاہے اذان ہو یا اقامت یا تشہد و خطبہ، جہاں بھی ذکرِ خدا ہوگا وہیں ساتھ میں ذکرِ مصطفیٰ بھی ہوگا۔

مکہ مکرمہ کی مشقت و تکالیف سے بھرپور زندگی میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ مصائب و تکالیف دیر پا نہیں ہیں تنگی کے بعد عنقریب سہولتوں اور آسانیوں کا دور شروع ہونے والا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے محبوب! اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعد اپنے رب سے راز و نیاز کے لیے خاص طور پر وقت نکالا کریں۔

سورۂ تین: اس سورت میں تین مقاماتِ مقدسہ کی قسم کھائی کہ جس طرح طور، بیت المقدس اور مکہ مکرمہ کو وحی کے ساتھ اعزاز و شرف عطا کیا گیا اسی طرح کائنات کی تمام مخلوقات میں انسان کو شاہکارِ قدرت بنا کر حسین و جمیل اور بہترین شکل وصورت کے اعزاز و اِکرام سے نوازا کیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ پھر ہم نے اسے پست سے پست

تر حالت میں لوٹا دیا'۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں تقرب اور عزوشرف کا مدار فقط اِنسان کی ظاہری صورت پرنہیں بلکہ ایمان وعمل پر ہے۔

سورۂ علق : اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات وہ پہلی وحی ربانی ہے جو غارِ حرا میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اور آپ کی نبوت کا اعلان ہوا۔ اِن آیاتِ مبارکہ میں جہاں پہلا حکم ہی حصولِ علم کے Process کے پہلے مرحلے یعنی پڑھنے کے حکم سے ہوا، وہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے رب اور خالق ہونے کے بیان کے ساتھ ساتھ علوم کی دو اہم شاخوں -عمرانیات اور تخلیقات- کی طرف اشارہ بھی فرمایا گیا ہے۔

دوسری آیت میں علم حیاتیات؛ تیسری آیت میں علم اخلاقیات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ اسلام کا تصورِ علم بڑا وسیع ہے اور جب اسلام طلب وحصول علم کی بات کرتا ہے تو وہ سارے علوم اس میں شامل ہوتے ہیں جو اِنسانیت کے لیے سود مند اور نفع رساں ہیں؛ اور اس سے مراد صرف روایتی مذہبی علوم نہیں۔ آپ دیکھیں کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں زمین وآسمان کی تخلیق میں تدبر وتفکر کی دعوت دی گئی اور یہی تدبر وتفکر آگے چل کر جدید سائنس کی بنیاد (Base) بنا۔

اس کے بعد اس امت کے فرعون ابوجہل کی بدترین حرکت اور اس کی سرکشی وتکبر کی انتہا کو بیان کیا گیا کہ محمد عربی علیہ السلام کو نماز جیسے عظیم الشان عمل کی ادائیگی سے روکنے اور آپ کا مبارک سر اپنے ناپاک قدموں کے نیچے کچلنے کی پلاننگ کرتا تھا۔ پھر بتایا گیا کہ انسان کے غرور وسرکشی کی ایک اہم وجہ مال ودولت بھی ہے کہ جب پیٹ اور خزانہ بھرا ہوا ہوتو وہ نہ انسان کو انسان سمجھتا ہے اور نہ خدا کو معبود ومسجود۔ اخیر میں وارننگ دی گئی کہ اگر وہ اپنی ان نازیبا حرکات سے باز نہ آیا تو ہم اسے جہنمی فوج کے ہاتھوں گرفتار کرا کے اس کی جھوٹی اور گناہوں سے آلودہ پیشانی کے بالوں سے گھسیٹ کر جہنم میں پھینکوا دیں گے۔

سورۂ قدر: یہ سورت شبِ قدر کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ شبِ قدر کو اللہ تعالی نے نزولِ قرآن کی نسبت سے مشرف فرما کر اِسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا۔ گویا شب قدر کی عظمتوں کا راز نزولِ قرآن میں ہے اور انسانیت کے لیے یہ پیغام ہے کہ اگر تمھیں بھی عظمتیں اور رفعتیں مطلوب ہیں تو قرآن کے دامن سے وابستہ و مربوط ہو جاؤ۔ شبِ قدر کو قطعیت کے ساتھ متعین نہ فرمانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ بندوں کے ذوق اور خیر کی جستجو کا امتحان ہو؛ تاہم اِس سورت میں ایسے قرائن موجود ہیں جو ستائیسویں شب کو راجح قرار دے رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورۂ بینہ: یہ سورت دراصل اہل کتاب کے ایک خیال خام کی تردید میں نازل ہوئی کہ وہ بنی اسرائیل سے پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام کی آمد کے منتظر تھے؛ مگر جب وہ بنی اسماعیل سے مبعوث ہوئے تو وہ ان کی نبوت و رسالت کے انکاری ہو بیٹھے۔

اس سورت کا مرکزی مفہوم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس بات کا حکم دیا کہ تمام باطل ادیان کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی بندگی کو اختیار کیا جائے، نماز قائم کی جائے، اور زکوٰۃ ادا کی جائے کہ یہی دین مستقیم ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ دین فطرت' اسلام کا راستہ روکنے کے لیے الکفر ملة واحدة کے اصول کے تحت یہودی و عیسائی او رکفار و مشرکین باہم متحد ہیں۔

پھر بدکاروں کے انجام کو بیان کر کے نیکوکاروں کی جزا یہ بتایا کہ ان کے لیے رب کے حضور دائمی رہائش کے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ لوگ اس سے راضی ہیں، یہ (مقام دراصل) اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے خائف رہا۔

سورۂ زلزال: اس سورت میں ایک بار پھر قیامِ قیامت کا ہولناک منظر بیان

کیا گیا کہ زمین کے سینے پر جو کچھ بھی ہوا وہ سارے راز اگل دے گی یا جو بھی اَموات مدفون ہیں، انہیں نکال باہر کرے گی۔اس دن زمین اللہ کے حکم سے ساری خبریں بیان کردے گی۔لوگ حساب کتاب کے لیے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، پھر ان کے اعمال کے مطابق انھیں دو قسموں میں تقسیم کیا جائے گا۔بعض شقی ہوں گے وار بعض سعید۔اوران میں سے ہر ایک اس دن اپنی معمولی سے معمولی نیکی یا بدی کا انجام کھلی آنکھوں دیکھ لے گا۔

حضرت حارث بن سعید روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت مالک بن دینار (م ۱۲۷ھ) کی مجلس میں موجود تھے اور ایک قاری قرآن کریم کی تلاوت سے دلوں کو محظوظ کررہا تھا۔ پھر اس نے سورۂ زلزال پڑھنا شروع کردی، یہ سن کر حضرت مالک بن دینار پر کپکپی طاری ہوگئی اور دیگر اہل مجلس چیخنے اور چلانے لگے۔پھر جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهٗ o

تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

تو خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ حضرت مالک بن دینار زار و قطار رونے لگے، آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں، اور بالآخر آپ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے۔پھر ایک مردہ لاش کی طرف مجلس سے اُٹھا کر آپ کو (منزل تک) پہنچایا گیا۔(الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا:۹۴ر رقم:۸۹)

سورۂ عادیات: اس سورت میں اللہ تعالی نے مجاہدین کے گھوڑوں کی مختلف کیفیات کو قسم کے ساتھ بیان کرکے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت واہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب مجاہد کے گھوڑے کا یہ مقام ہے تو اللہ تعالی کی بارگاہ میں خود مجاہدین کا کیا مقام ہوگا!۔

گھوڑے کی اپنے مالک کے ساتھ وفاداری مشہور ہے۔وہ اپنے مالک کو خوش کرنے کے لیے تیروں کی بارش اور کوندتی تلواروں میں گھس جاتا ہے؛ مگر ہائے رے انسان کہ یہ

اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود بھی اپنے مالک حقیقی سے بے وفائی کرتا رہتا ہے!۔

اس کے بعد انسان کی فطرت وطبیعت کو بیان کیا گیا کہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے، اس کے پاس ایک لاکھ ہوتو دولاکھ کی تلاش میں سرگرداں پھرے گا، دو ہوتو تین لاکھ کے چکر میں رہے گا؛ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس کے منہ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی!۔

سورۂ قارعہ: اس سورت میں قیامت کے اَہوال واَحوال کو ایک بار پھر بیان کر کے فرمایا کہ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، اس کا ٹھکانہ دہکتی ہوئی آگ ہوگی۔

حضرت فاطمہ بنت عبدالملک بیان کرتی ہیں کہ ایک شب میں نے اپنے شوہر عمر بن عبدالعزیز کو رات میں دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، جب وہ اِس آیت پر پہنچے:

يَومَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ، وَ تَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ.

یعنی جس دن آدمی ہوں گے جیسے پھیلے پتنگے اور پہاڑ ہوں گے جیسے دُھنکی روئی۔

تو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہی ایک زوردار چیخ مار کر فرمایا: ہائے! اس دن میرا کیا حال ہوگا۔ ہائے! وہ دن کتنا کٹھن اور دشوار ہوگا۔ پھر منہ کے بل گر پڑے اور منہ سے عجیب وغریب آوازیں آنے لگیں، پھر آپ ساکت ہوگئے۔ میں سمجھی کہ شاید آپ کا دم نکل گیا ہے۔ کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آیا تو فرمانے لگے: ہائے! اس دن کیسا سخت معاملہ ہوگا۔ اور چیختے چلاتے صحن میں چکر لگاتے ہوئے فرمایا: ہائے افسوس! اس دن میری ہلاکت ہوگی جس دن آدمی پھیلے ہوئے پتنگوں کی طرح اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوجائیں گے۔ ساری رات آپ کی یہی کیفیت رہی۔ جب صبح کی اَذانیں شروع ہوئیں تو آپ گر پڑے، میں سمجھی کہ شاید اب آپ کی روح پرواز کرگئی۔ (عیون الحکایات:۲/۲۰۷،۲۰۸)

سورۂ تکاثر: اس سورت میں بتایا گیا کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی

ہوس نے انسان کو اللہ سے غافل کر دیا؛ مگر جب قبروں میں پہنچیں گے، تو مال کی بے ثباتی کا پتا چل جائے گا وہی دراصل محاسبہ کا وقت ہوگا اور ایک ایک نعمت' امن، صحت، فراغت، اکل وشرب، علم اور مال ودولت سب کا سختی سے حساب لیا جائے گا (کہ تم نے انھیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے خرچ کیا تھا)۔

سورۂ عصر: شروع میں زمانہ کی قسم کھا کر دراصل ماضی کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ انسان بڑے خسارے اور گھاٹے میں ہے۔ اس سے نکلنے کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ ایمان لائے، عملِ صالح کرے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی وصیت وتاکید کرے۔

امام محمد ادریس شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں صرف یہی ایک سورت نازل ہوتی تو انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کافی ہوجاتی۔ یعنی اگر لوگ صرف اس سورت میں تدبر کرلیں تو یہ سورت ان کی نجات کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔

سورۂ ہمزہ: اس سورت میں انسان کی تین بیماریوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ طعنہ زنی، عیب جوئی، حب جاہ ودنیا۔ ان کی شدید مذمت کر کے بتایا کہ اس اخلاقی مرض میں لوگ مبتلا رہ کے حقوق اللہ وحقوق العباد کو فراموش کر دیتے ہیں؛ لیکن انھیں پتا نہیں کہ ان کا انجام اللہ کی بھڑکائی ہوئی ایسی آگ ہے جو چورا چورا کر کے رکھ دے گی۔

سورۂ فیل: اس میں اصحابِ فیل یعنی یمن کے بادشاہ اَبرہہ اور اس کے لشکر کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ - معاذ اللہ- بیت اللہ کو مسمار کرنے کے مذموم عزائم کے ساتھ آئے، تو اللہ نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے، جنہوں نے جدید بموں کی طرح ان پر پتھر کی کنکریاں برسا کر انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ تو دراصل یہ واقعہ اس بات کی علامت تھا کہ عنقریب کعبہ کا حقیقی محافظ پیدا ہونے والا ہے۔ نیز اس میں یہ پیغام بھی ہے کہ اگر انسان اللہ کے دین کے دفاع سے پہلوتہی اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ حقیر پرندوں سے یہ کام لے سکتا ہے۔

سورۂ قریش: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قریش پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا کہ بیت اللہ کی تولیت کی وجہ سے وہ بے خوف وخطر گرمیوں میں شام کا اور سردیوں میں یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور بیت اللہ کی نسبت کی وجہ سے ان کے تجارتی قافلے بے خوف وخطر رہتے تھے اور ان کی معیشت محفوظ تھی۔ یہ دو نعمتیں ذکر فرما کر انھیں سمجھایا گیا کہ خود فریبی، خود پسندی اور قوم پرستی سے باز آجاؤ اور بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اپنی ان بے پایاں نعمتوں سے نوازا ہے۔

سورۂ ماعون: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ ناروا سلوک کرنے، خدمت خلق کے کاموں سے غفلت برتنے، اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینے جیسے مذموم عمل کو قیامت کے جھٹلانے سے تعبیر کیا ہے اور نمازوں کے ساتھ دیگر عبادات میں ریاکاری کی مذمت بیان فرمائی۔

سورۂ کوثر: یہ قرآن مجید کی وہ مختصر ترین سورت ہے جس کے ذریعے عرب کے فصحا وبلغا کو مقابلے کا چیلنج دیا گیا تھا؛ مگر وہ اس کے مقابل کلام بنا کر نہ لا سکے، اس میں اللہ عزوجل کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا کیے جانے کا ذکر ہے، اس سے مراد خیرِ کثیر ہے، جس کا ایک حصہ حوضِ کوثر بھی ہے، جہاں محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست کرم سے پیاسوں کو سیراب کریں گے۔ پھر دشمنان وگستاخانِ رسول کا نام ونشان تک مٹا دیے جانے کے اِعلان پر سورت ختم ہو جاتی ہے۔

سورۂ کافرون: اس سورت میں یہ پیغام دیا گیا کہ حق اور باطل میں کوئی مفاہمت نہیں ہوسکتی۔یعنی اسلامی نظام حیات کے علاوہ کسی دوسرے نظام کی طرف نگاہ نہ اٹھانے اور کفر سے بیزاری کا اِظہار کرنے کی بھرپور تلقین ہے۔

سورۂ نصر: اس سورت میں اِسلامی ترقی کے بامِ عروج فتح مکہ کی پیشین گوئی کے بعد بتایا کہ جب لوگ فوج درفوج اِسلام میں داخل ہونے لگے،تو ان فتوحات اور نعمتوں پر اللہ کا شکر اور تسبیح بیان کی جائے نیز اس سے مغفرت و بخشش طلب کی جائے۔

سورۂ لہب: اس سورت میں دشمن رسول ابولہب (عبدالعزیٰ جو حضور کا چچا تھا) اور اس کی بیوی (ام جمیل) کی شدید ترین مذمت اور انجامِ بد کو بیان کرکے بتایا گیا کہ جس مال و دولت اور اولاد کی کثرت پر اسے ناز تھا، وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا اور یہ دونوں ذلت آمیز اور عبرت ناک موت مریں گے۔اس میں گستاخانِ رسول اور مخالفین اسلام کے لیے بڑی تنبیہ اور وارننگ ہے۔

سورۂ اخلاص: اس سورت میں عیسائیوں اور مشرکوں کے باطل عقیدہ کی تردید کرکے اللہ تعالیٰ کی توحید خالص کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ یکتا و بے نیاز ہے، ابنیت اور ابوت کی نسبت سے پاک ہے، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔حضور تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سورت کو تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔

سورہ فلق: اس سورت میں تمام مخلوقات، ظلمت شب، جادوگروں اور شرارت کے عادی حاسدین کے شر سے اللہ کی پناہ حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۂ ناس: اس سورت میں پلٹ پلٹ کر اور چھپ کر وسوسے ڈالنے والوں

کے شر سے اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے اور یہ بتایا کہ بہکانے والے، وسوسے اور توہمات میں ڈالنے والے جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔

حضور رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ اِن آخری تین سورتوں (اخلاص، فلق، ناس) کی تلاوت فرما کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر ان متبرک ہاتھوں کو اپنے سر اور چہرۂ مبارک اور پورے بدن پر پھیر دیتے۔ یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔ جس کی برکت سے بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حفاظت و پناہ میں آجاتا ہے اور مختلف نقصان پہنچانے والی چیزوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

حدیث پاک ان دوسورتوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یہ جسمانی اور روحانی آفات دور کرنے میں بے حد مؤثر ہیں۔ قرآن کریم میں ان دوسورتوں کے لانے اور سورۂ فاتحہ سے آغاز قرآن کرنے میں بڑا گہرا ربط یہ ہے کہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی گئی تھی اور ان دونوں سورتوں میں بھی تقریباً یہی مضمون بیان ہوا ہے، جس سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ بندے کو اوّل سے آخر تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اس کے ذکر و بندگی سے پل بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن عظیم الشان اور صاحب قرآن پیغمبر آخر الزمان صلوات ربی وسلامہ علیہ کے صدقے میں آئینۂ مضامین قرآن کے سلسلے میں کی گئی اس عاجزانہ محنت وخدمت کو اپنے کریمانہ قبول سے سرفراز فرمائے۔ اور جو لوگ اس سلسلۂ خیر کو فروغ دینے اور اُمت مسلمہ میں صالح انقلاب لانے کی جدوجہد کے حوالے سے دامے، درمے، قدمے، سخنے قربانیاں پیش کر رہے ہیں ان کے دونوں جہان اچھے ہوں، نیز دارین کی سعادتیں بٹورنے والے کام کرنے کی توفیق ہم سب کے رفیق حال ہو جائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ صفوۃ الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد ن النبی الامی الامین الحلیم الکریم الرؤوف الرحیم ﷺ۔

مناجات در بارگاہِ مجیب الدعوات

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ صفوۃ الأنبیاء والمرسلین .

یااللہ یارحمٰن یارحیم! آج ختم قرآن مجید کی مقدس مجلس میں ہم حاضر ہیں۔ پورے رمضان میں جوخلاصۂ قرآن پڑھااور سنا گیا اسے اپنی بارگاہ میں سندقبولیت عطا فرما۔ مولا! ہم تیرے گنہ گار، خطا کار عصیاں شعار بندے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تجھ سے عفو ودرگزر کی بھیک مانگتے ہیں، ہماری نافرمانیوں کو نہ دیکھ، اپنی رحمتوں کو دیکھ...... ہماری لغزشوں کو نہ دیکھ اپنی عطاؤں کو دیکھ...... ہماری خطاؤں کو نہ دیکھ، اپنی نوازشوں کو دیکھ...... ہماری گناہوں میں لت پت زندگی کو نہ دیکھ، اپنے بے پایاں فضل وکرم کو دیکھ۔

مولا! ہمیں دین حق پر استقامت دے، ہمارے اعمال درست کردے، ہمارے احوال سنواردے، ہماری نیتیں اچھی کردے، ہمیں صدق عطا کر، ہمیں اخلاص عطا کر، ہمیں تقویٰ عطا کر، ہمیں زہدوورع عطا کر، ہمیں نورِایمان عطا کر، حلاوتِ عرفان عطا کر، ہمیں ہرقسم کی ریا سے پاک کردے، ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کر۔ مولا! ہمیں اپنی بندگی کی لذت دے۔ مولا! ہمیں راتوں میں جاگنا نصیب فرما، غفلت کی نیند سے باہر نکال۔ ہواوہوس کے غار سے نکال روح کے گھر کی طرف لے چل، ہمیں نفسانیت سے نکال روحانیت کی طرف لے چل، ہمیں غفلت سے نکال اور مجاہدہ کی طرف لے چل، ہمیں بعداور دوری سے نکال اور اپنے قرب اور حضوری کی طرف لے چل، ہمیں محرومی سے نکال اور عطاومشاہدہ کی طرف لے چل، بدبختی سے نکال خوش بختی کی طرف لے چل، شقاوت سے نکال سعادت کی طرف لے چل۔

مولا! ہمارا کوئی ایک گناہ بھی ایسا نہ چھوڑ جسے تیری مغفرت نصیب نہ ہوجائے، مولا! کوئی ایک عیب ہمارا ایسا نہ چھوڑ جس پر تیرا پردہ نہ پڑجائے، مولا! ہمارا کوئی غم ایسا نہ چھوڑ جو ختم نہ ہوجائے، مولا! ہمارا کوئی سوال ایسا نہ چھوڑ جو تیری عطا سے پورا نہ ہوجائے، مولا! کوئی مرض اور کوئی بلا ایسی نہ چھوڑ جسے آج تو اپنے کرم سے دفع نہ فرمادے، مولا! ہماری کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑ جس کو تو ختم نہ فرمادے، مولا! ہم پر کوئی قرض ایسا نہ چھوڑ جو اپنی سخاوت سے تو اَدا نہ فرمادے، مولا! ہمارا کوئی دشمن ایسا نہ چھوڑ جسے تو ہم سے دفع نہ فرمادے، مولا! کوئی بچہ ایسا نہ

چھوڑ جس کی تو نیک تربیت نہ فرمادے، مولا! کوئی فاسق وفاجر ایسا نہ چھوڑ جس کو تو صالح نہ بنادے، مولا! کوئی حاجت مند ایسا نہ چھوڑ جس کی جھولی تو اپنے خیرات سے نہ بھردے۔

مولا! تجھے تیری محبوب کے نعلین مقدس کا واسطہ، گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں کا واسطہ، حضور کی سنہری جالیوں کا واسطہ، شہر مدینہ کی ان گلی کوچوں کا واسطہ جن میں حضور خرام ناز کرتے تھے، حضور کے کاکل ورخِ روشن کا واسطہ، آہل بیت اطہار کا واسطہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا کا واسطہ، تجھے حسن وحسین کا واسطہ۔

مولا! تجھے شہر مکہ کی فضاؤں کا واسطہ، کعبہ اللہ کی عظمتوں کا واسطہ، کعبے کا طواف کرنے والے سعادت مندوں کا واسطہ، صحن کعبہ میں جھکی ہوئی جبینوں کا واسطہ، تیرے گھر سے اُٹھنے والی چیخ وپکار کا واسطہ، لبیک اللھم لبیک کی بلند ہونے والی صداؤں کا واسطہ، حجر اسود کودیے جانے والے بوسوں کا واسطہ، حطیم میں اور مقام ابراہیم پر جھکنے والی پیشانیوں کا واسطہ، باب کعبہ پر اُٹھے ہوئے ہاتھوں کا واسطہ، جو رورو کر دعائیں کررہے ہیں ان کی دعاؤں کا واسطہ، ان کی دعاؤں میں ہماری دعائیں بھی شامل کرلے، ان کی پکاروں میں ہماری پکاریں بھی شامل کرلے، ان کی التجاؤں میں ہماری التجائیں بھی شامل کرلے۔

مولا! ہم سب کے گناہ معاف فرمادے، ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے ایمان کو پختہ کر، ہمیں عرفان وایقان میں پختگی عطا فرما، اپنی طاعت ومعرفت عطا کر، اپنی محبت وقربت عطا کر، نسبت محمدی کی خیرات دے، حضور کی سچی غلامی عطا کر، حضور کے نعلین پاک کا سایہ ہمارے سروں پر ہو، ہمارے دلوں کو اپنے عشق کی حلاوت عطا کر، آنکھوں کو اپنا جلوہ عطا کر، پیشانیوں کو لذت سجود عطا کر، زبانوں کو لذت مناجات عطا کر، دلوں کو حرص وہوس سے پاک کر، نفسانی خواہشات کے جال سے ہمیں باہر نکال۔

مولا! تجھ سے حضور تاجدارِ کائنات کے نام پر مانگتے ہیں۔ اے اللہ! اس دردوسوز اور عشق وفنائیت رسول سے ہمیں بھی کچھ حصہ عطا کر جو سیدنا ابوبکر صدیق کو عطا ہوا۔ مولا! اس صداقت وعدالت میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما جو فاروق اعظم کو عطا ہوا۔ مولا! اس شرم وحیا اور سخاوت میں سے بھی کچھ حصہ عطا فرما جو عثمان غنی کو عطا ہوا۔ مولا! اس زہدوورع، تقویٰ طہارت اور شجاعت میں سے کچھ حصہ عطا فرما جو حضرت علی شیر خدا کو عطا ہوا۔ مولا! اپنی شراب معرفت کے

وہ جام پلا دے جو تو نے فضیل بن عیاض کو پلائے تھے، جو ابراہیم بن ادہم کو پلائے تھے، جو جنید بغدادی کو پلائے تھے، جو شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ بغداد کو دیے، ہمیں غوث اعظم کے میخانۂ غوثیت کا رند بنا دے، ان کے فیوضات سے بہرہ ور فرما۔ مولا! تو ہمیں عشق کا وہ نشہ عطا کر جو خواجہ غریب نواز کو دیا، مولا ہمیں وہ توکل زہد اور ورع عطا فرما جو تو نے قطب الدین بختیار کاکی کو دیا، عبادت و ریاضت کی وہ چاشنی عطا فرما جو تو نے بابا فریدالدین گنج شکر کو دی۔ مولا! جو لذت طاعت و خود سپردگی تو نے اپنے مقربانِ بارگاہ کو دی اس میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی عطا کر۔

مولا جو بیمار ہیں آقا کے نعلین پاک کا صدقہ سب بیماروں کو شفائے کامل وعاجل عطا کر دے۔ مولا تیرا ایسا کرم ہو جائے کہ ہماری ساری بیماریاں شفایابی سے بدل جائیں، دکھ سکھ سے بدل جائیں، تنگ حالی خوش حالی سے بدل جائے۔ اے مالک ومولا! تو قرض داروں کے قرض اُتار دے، آفات وبلیات سے نجات عطا فرما، شر وفتن سے امان عطا فرما، جن کو اولاد کی طلب ہے انھیں اولاد عطا کر، جنھیں اولادِ نرینہ کی طلب ہے انھیں اولادِ نرینہ سے مالا مال کر، اور جن کو تو نے اولاد دی ہے ان کو صحت وسلامتی اور طاعت و بندگی عطا کر۔

کشمیر سے فلسطین اور بوسینیا تک مسلمانوں کو ان کا حق عطا فرما، ان کا تحفظ فرما، ان کی قوت وشجاعت میں برکتیں اُتار، انھیں سرخروئی اور سربلندی عطا فرما، اسلام کا بول بالا فرما، کفر کا منہ کالا کر، اور ظلم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ فرما دے۔

مولا! ہمارے گھروں میں دین کو قائم فرما کر ان میں ایمان کے اُجالے کر دے، ہم سب کے خاندانوں میں عورتوں میں جوان بیٹے بیٹیوں میں دین وایمان کی غیرت پیدا فرما، نوجوان نسل کی آنکھوں میں مولا شرم وحیا دے، تقویٰ وعصمت دے، طہارت و پاکیزگی دے، اور ایمان کو ہم سب کی نسلوں میں باقی رکھ۔ مولا! اس قوم کی بیٹیاں سیدہ فاطمہ کی باندیاں بن جائیں، اس قوم کے بیٹے امام زین العابدین کے غلام بن جائیں۔ ہمارے مرحوم آباؤ اجداد، بزرگ مشائخ سب کے درجات بلند فرما، ان کی بخشش فرما، ہماری نسلوں کو ہدایت دے، اُمت مسلمہ کی خیر، دین کے خدمت گاروں کی خیر، آقا کی اُمت کے سب نوکروں کی خیر، خیر کو ہمارے مقدر فرما دے۔ اور دنیا و آخرت میں تو ہمارا حامی و ناصر ہو جا۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و علماء ملتہ آمین .

Aaina-e-Mazamin-e-Quran

قرآن کریم وہ صحیفہ ہدایت ہے جو انسان کو اپنے خالق و مالک حقیقی کا پتا دیتا ہے، مقام انسانیت سے آگاہ کرتا ہے اور معاملات زندگی کو سنوارنے کا بہترین سلیقہ سکھاتا ہے، ان کا تعلق چاہے دنیا سے ہو یا آخرت سے۔ حالت امن میں عبادت وریاضت سے ہو یا حالت جنگ میں شجاعت و بہادری سے۔ ان کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت سے۔ تجارت سے ہو یا سیاست سے۔ المختصر! وہ ایک عام شہری ہو یا حاکم وقت، قرآن کریم زندگی کے جملہ معاملات میں ہر ایک کی اتنی حسین اور دلکش رہنمائی فرماتا ہے کہ جو بھی اپنی حیات مستعار کو اس کے احکام و ہدایات کے تابع کرلے، بالکل گارنٹی ہے کہ ناکامی اس کے قریب دم نہیں مار سکتی!۔

یہ ایسا عالمگیر پیغام ہدایت ہے جو رنگ ونسل اور زمان ومکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ ہر زمانہ اور ہر قوم کے افراد اس کے یکساں مخاطب ہیں۔ جن لوگوں نے اس کی صدا پر لبیک کہا وہ دنیا کے امام بن گئے؛ مگر جو لوگ اس کے دامن میں آنے کے لیے تیار نہ ہوئے، جہالت اُن کے نام کا لازمہ وشناخت بن گئی۔ قیامت تک ہر وہ شخص ابو جہل ہے جو قرآن کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے پر آمادہ نہ ہو اور ہر وہ زمانہ زمانۂ جاہلیت ہے جو قرآنی نظام کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

خلاصۂ مضامین قرآنی کا یہ تحفہ بس اسی لیے پیش کیا جارہا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قرآنی تعلیمات سے اکتساب فیض ونور کرکے بھولا ہوا انسان نہ صرف خود شناس بلکہ خداشناس بھی بن جائے۔ —رہے نام اللہ کا۔

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masji
Delhi-6, Mobile +91-9313086318
E-mail: khwajabd@gmail.com

KAMAL BOOK DEPOT
Madrsa Shamsul Uloom, Ghosi
Distt. Mau (U.P.)
Cell: 9935465128, 09335082776